ماہنامہ
حنا
جنوری 2013
سالگرہ نمبر

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماریاں

قارئین کرام! جنوری 2013ء کا شمارہ بطور سالگرہ نمبر پیش خدمت ہے۔

اس شمارے کے ساتھ ہی "حنا" اپنی عمر کے چونتیس سال مکمل کر کے پینتیسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے، چونتیس سال پہلے ہم نے خواب دیکھا تھا ایک ایسے جریدے کا جو خواتین کو تفریح فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو بامقصد طرز زندگی اختیار کرنے کی تربیت بھی دے اور غیر اسلامی ثقافتی یلغار کے غلبے میں آ کر اپنی گھریلو زندگی کو توڑنے کی بجائے اسلام اور ہمارے ملک کی روایات کے تحت ایک ایسی جنت کی تعمیر کا درس دے سکے جہاں سکون ہو اور سب کی عزت کی جاتی ہو، ایک ایسی جنت جہاں داخل ہوتے وقت گھر کے لوگ اپنی پریشانیوں اور تکلیفوں کو گھر کی دہلیز کے باہر چھوڑ آئیں، ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں یہ ہمارے قارئین بہتر جانتے ہیں ہم اس وقت جس مقام پر ہیں یہاں تک پہنچنے میں ہمیں مصنفین اور قارئین کا جو تعاون حاصل رہا ہے اس پر ہم آپ سب کے شکر گزار ہیں۔

سالگرہ نمبر کے ساتھ ساتھ یہ نئے عیسوی سال کا پہلا شمارہ بھی ہے، ایک اور سال دنیا کی بے ثباتی کا احساس دلاتے ہوئے رخصت ہو کر یادوں کا حصہ بن گیا اور نیا سال نئی آرزویں اور امنگیں لے کر ہماری زندگی میں آ گیا ہے، ہماری دعا ہے کہ نئے سال کا ہر دن آپ سب کے لئے خاص طور پر عالم اسلام اور ہمارے پیارے وطن پاکستان کے لئے امن و عافیت اور خوشیوں کا پیامبر ہو، جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہم سے گزشتہ سال سرزد ہوئیں، دعا کریں کہ اس سال ان کا اعادہ نہ ہو، دعا ہے کہ اس سال اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات بننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

انشاء جی:۔ انشاء جی اردو ادب کا سرمایہ تھے، شاعری ہو یا کالم نگاری ان کا لہجہ اور انداز سب سے منفرد اور سب سے انوکھا ہے، کالم نگاری کو دیکھئے تو قلم مسکراہٹیں بکھیرتا جاتا ہے اور اگر شاعری کو پڑھیں تو ایک جوگ بجوگ کی دنیا، ویرانی دل کی حکایتیں اور شکائیں، 11 جنوری کو انشاء جی کو ہم سے بچھڑے 35 برس ہو جائیں گے لیکن ان کی شاعری اور کالم نگاری انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گی۔

اس شمارے میں:۔ اداکارہ حنا دلپزیر سے ملاقات، مصباح نوشین، فرح طاہر قریشی، عابی تاز، ظل ہما، عشنا بھٹی، قرۃ العین رائے اور ثوبیہ نور العین کے افسانے، فوزیہ اور ام مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

میں سرخرو ہر بار ہوا کرتا ہوں
کیونکہ تیرے نام سے ابتدا کرتا ہوں

تیرا کرم ہے ورنہ میں گنہگار
نہ ہی رکوع نہ سجدہ کرتا ہوں

زمین و آسمان بھی مصروف کار ہیں
میں اکیلا ہی نہیں تیری ثنا کرتا ہوں

جنت و دوزخ کا معاملہ تو تو جانے
میں تو سامنے تجھ کو دیکھا کرتا ہوں

تو رہے گا تیرا نام رہے گا
میں خاکسار ہوں خاک ہوا کرتا ہوں

نوید عرفان نوید

نعت ﷺ

میں واپس آ گیا ہوں اس نگر سے
جہاں ابر کرم دن رات برسے

کہاں میں اور اذن باریابی؟
بہت خوش ہوں سعادت کے سفر سے

مری نظروں میں ہے طیبہ کا منظر
دل و جاں مدتوں تک جس کو ترسے

مدینہ ہو نقوش پا ہوں انؐ کے
گزرتا ہی رہوں اس رہگذر سے

نہ دیکھا کچھ کھلی آنکھوں وہاں پر
گلہ ہے مجھ کو اپنی چشم تر سے

ہوا مجھ پر عجب فیضان ناصر
مدینے میں حضوری کے اثر سے

ناصر زیدی

سید اختر ناز

اللہ کی محبت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی اس سے کر، پھر جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پھر آسمان والے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں، اس کے بعد زمین والوں کے دلوں میں وہ مقبول ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی سے دشمنی رکھتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں کا دشمن ہوں تو بھی اس کا دشمن ہو تو پھر وہ بھی اس اس کے دشمن ہو جاتے ہیں پھر آسمان والوں میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے دشمنی رکھتا ہے، تم بھی اس کو دشمن رکھو، وہ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، اس کے بعد زمین والوں میں اس کی دشمنی جم جاتی ہے۔'' (یعنی زمین میں بھی اللہ کے جو نیک بندے یا فرشتے ہیں، وہ اس کے دشمن رہتے ہیں۔)

(مسلم)

بھائی چارہ

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مومن (دوسرے) مومن کے لئے ایسا ہے جیسے عمارت میں ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے رہتی ہے (اسی طرح ایک مومن کو لازم ہے کہ دوسرے مومن کا مددگار رہے۔)

سیدنا نعمان بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مومنوں کی مثال ان کی دوستی، اتحاد اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک بدن کی، (یعنی سب مومن مل کر ایک قلب کی طرح ہیں) بدن میں سے جب کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اس (تکلیف) میں شریک ہو جاتا ہے، نیند نہیں آتی اور بخار آ جاتا ہے۔'' (اسی طرح ایک مومن پر آفت آئے خصوصاً وہ آفت جو کافروں کی طرف سے پہنچے تو سب مومنوں کو بے چین ہونا چاہیے اور اس کا علاج کرنا چاہیے۔)

(مسلم)

پردہ پوشی کے بیان میں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب کسی بندے پر اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ ڈال دیتا ہے تو آخرت میں بھی پردہ ڈالے گا۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو کوئی شخص دنیا میں کسی بندے کا عیب چھپائے گا، اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کا عیب چھپائے گا۔''

(مسلم)

نرمی کے بارے میں

سیدنا جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے، ''جو شخص نرمی سے محروم ہے، وہ بھلائی سے محروم ہے۔''

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب کسی میں نرمی ہو تو اس کی زینت ہو جاتی ہے اور جب نرمی نکل جائے تو عیب ہو جاتا ہے۔''

(مسلم)

تکبر کرنے والے کے بارے میں

سیدنا ابوسعید خدری اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''عزت اللہ تعالیٰ کی چادر ہے اور بڑائی اس کی چادر ہے (یعنی یہ دونوں اس کی صفتیں ہیں) پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جو کوئی یہ دونوں صفتیں اختیار کرے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے بات تک نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا، نہ ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) دیکھے گا اور ان کو دکھ کا عذاب ہے، ایک تو بوڑھا زنا کرنے والا، دوسرے جھوٹا بادشاہ، تیسرے مغرور محتاج۔''

(مسلم شریف)

اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانے والے کے متعلق

سیدنا جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا۔

''ایک شخص بولا کہ اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا۔''

''اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کون ہے جو قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا، میں نے اس کو بخش دیا اور اس کے (جس نے قسم کھائی تھی) سارے اعمال لغو (بیکار) کر دیئے۔''

(مسلم)

برے شخص کا بیان

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس کو اجازت دو یہ اپنے کنبے میں ایک برا شخص ہے۔''

جب وہ اندر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے نرمی سے باتیں کیں تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس کو ایسا فرمایا تھا پھر اس سے نرمی سے باتیں کیں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے عائشہ! برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک

قیامت میں وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی بدگمانی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔"

(مسلم شریف)

درگزر کرنے کا بیان میں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"صدقہ دینے سے کوئی مال نہیں گھٹتا اور جو بندہ معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔"

(مسلم)

غصہ کے وقت پناہ مانگنے کا بیان

سیدنا سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گالی گلوچ کی، ایک کی آنکھیں لال ہو گئیں اور گلے کی رگیں پھول گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھے ایک کلمہ معلوم ہے کہ اگر یہ شخص اس کو کہے تو اس کا غصہ جاتا رہے، وہ کلمہ یہ ہے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔"

(مسلم شریف)

راستہ صاف کرنے کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک شخص نے راہ میں کانٹوں کی ڈالی دیکھی تو کہا کہ اللہ کی قسم میں اس کو مسلمانوں کے آنے جانے کی راہ سے ہٹا دوں گا تا کہ ان کو تکلیف نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں داخل کیا۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ۔

"یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کوئی ایسی بات بتلایئے جس سے میں فائدہ اٹھاؤں۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"مسلمانوں کی راہ سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دے۔"

مومن کی مصیبت کا بیان

اسود کہتے ہیں کہ قریش کے چند جوان لوگ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے اور وہ منیٰ میں تھیں وہ لوگ ہنس رہے تھے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔

"تم ہنستے ہو؟"

انہوں نے کہاں کہ "فلاں شخص خیمہ کی طناب پر گرا اور اس کی گردن یا آنکھ جاتے جاتے بچی۔"

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔

"مت ہنسو اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مسلمان کو ایک کانٹا لگے یا اس سے زیادہ کوئی دکھ پہنچے تو اس کے لئے ایک درجہ بڑھے گا اور ایک گناہ اس کا مٹ جائے گا۔"

(مسلم شریف)

مومن کی تکلیف

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔

"مومن کو جب کوئی تکلیف یا ایذا یا بیماری یا رنج ہو یہاں تک کہ فکر جو اس کو ہوتی ہے تو اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ۔

"جو کوئی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ ملے گا۔"

تو مسلمانوں پر بہت سخت گزرا (کہ ہر گناہ کے بدلے ضرور عذاب ہوگا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"میانہ روی اختیار کرو اور ٹھیک راستہ کو ڈھونڈو اور مسلمان کو (پیش آنے والی) ہر ایک مصیبت (اس کے لئے) گناہوں کا کفارہ ہے، یہاں تک کہ ٹھوکر اور کانٹا بھی۔" (لگے تو بہت سے گناہوں کا بدلہ دنیا ہی میں ہو جائے گا اور امید ہے کہ آخرت میں مواخذہ نہ ہو)

(مسلم شریف)

دوسرے مسلمان سے برتاؤ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک دوسرے سے بغض مت رکھو اور ایک دوسرے سے حسد مت رکھو اور ایک دوسرے سے دشمنی مت رکھو اور اللہ کے بندو بھائیوں کی طرح رہو اور کسی مسلمان کو حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ تک (بغض کی وجہ سے) بولنا چھوڑ دے۔"

(مسلم شریف)

سلام میں پہل

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کسی مسلمان کو یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین راتوں سے زیادہ تک (بولنا) چھوڑ دے، اس طرح کہ وہ دونوں ملیں اور ایک اپنا منہ ادھر اور دوسرا اپنا منہ ادھر پھیر لے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہوگا جو سلام میں پہل کرے گا۔"

کینہ رکھنا اور آپس میں قطع کلامی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں، پھر ہر ایک بندے کی مغفرت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا لیکن وہ شخص جو اپنے بھائی سے کینہ رکھتا ہے، اس کی مغفرت نہیں ہوتی اور حکم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو دیکھتے رہو جب تک کہ صلح کر لیں۔" (جب صلح کر لیں گے تو ان کی مغفرت ہوگی)۔

بدگمانی سے بچنے کا حکم

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بڑا جھوٹ ہے اور کسی کی باتوں پر کان مت لگاؤ اور جاسوسی نہ کرو اور (دنیا میں) رشک مت کرو، (لیکن دین

میں درست ہے) اور حسد نہ کرو اور بغض مت رکھو اور دشمنی مت کرو اور اللہ کے بندے اور (آپس میں) بھائی بھائی بن جاؤ۔"

(مسلم)

گلہ کرنے کی ممانعت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟"

لوگوں نے کہا۔

"اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح پر کرے کہ (اگر وہ سامنے ہو تو) اس کو ناگوار گزرے۔"

لوگوں نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر ہمارے بھائی میں وہ عیب موجود ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب ہی تو یہ غیبت ہوگی نہیں تو بہتان اور افترا ہے۔"

(مسلم شریف)

چغل خوری کی ممانعت

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "کیا میں تمہیں یہ نہ بتلاؤں کہ بہتان قبیح کیا چیز ہے؟ وہ چغلی ہے جو لوگوں میں عداوت ڈالے" اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "آدمی سچ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک سچا لکھا جاتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔"

(مسلم شریف)

چغل خور آدمی جنت میں نہ جائے گا

ہمام بن حارث کہتے ہیں کہ ہم سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور ہمارے پاس آ کر بیٹھ گیا تو لوگوں نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔

"بادشاہ تک بات پہنچاتا ہے۔" سیدنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو سنانے کی نیت سے کہا۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ چغل خور جنت میں نہ جائے گا۔"

(مسلم شریف)

سچ اور جھوٹ کے بارے میں

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم سچ کو لازم کر لو کیونکہ سچ نیکی کی طرف راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کو لے جاتی ہے اور آدمی سچ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ برائی کی طرف راہ دکھاتا ہے اور برائی جہنم کو لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔"

(مسلم شریف)

☆☆☆

ابن انشاء

اب عمر کی نقدی ختم ہوئی
اب ہم کو ادھار کی حاجت ہے
ہے کوئی جو ساہوکار بنے؟
ہے کوئی جو دیون ہار بنے؟
کچھ سال، مہینے، دن لوگو!
پر سود بیاج کے بن لوگو!
ہاں، اپنی جاں کے خزانے سے
ہاں، عمر کے توشہ خانے سے

کیا کوئی بھی ساہوکار نہیں؟
کیا کوئی بھی دیوان ہار نہیں؟
جب نام ادھار کا آیا ہے
کیوں سب نے سر کو جھکایا ہے
کچھ کام ہمیں نپٹانے ہیں
جنہیں جاننے والے جانے ہیں
کچھ پیار دلار کے دھندے ہیں
کچھ جگ کے دوسرے پھندے ہیں

ہم مانگتے نہیں ہزار برس
دس پانچ برس، دو چار برس
ہاں، سود بیاج بھی دے لیں گے
ہاں اور خراج بھی دے لیں گے
آسان بنے، دشوار بنے
پر کوئی تو دیوان ہار بنے

تم کون؟ تمہارا نام ہے کیا؟
کچھ ہم سے تم کو کام ہے کیا؟
کیوں اس مجمع میں آئی ہو؟
کچھ مانگتی ہو؟ کچھ لائی ہو؟
یہ کاروبار کی باتیں ہیں
یہ نقد ادھار کی باتیں ہیں
ہم بیٹھے ہیں کشکول لیے
سب عمر کی نقدی ختم کیے
گر شعر کے رشتے آئی ہو
تب سمجھو جلد جدائی ہو

اب گیت گیا، سنگیت گیا

ہاں شعر کا موسم بیت گیا
اب پت جھڑ آئی پات گریں
کچھ صبح گریں، کچھ رات گریں
یہ اپنے یار پرانے ہیں
اک عمر سے ہم کو جانے ہیں
ان سب کے پاس ہے مال بہت
ان سب کو ہم نے بلایا ہے
اور جھولی کو پھیلایا ہے
تم جاؤ، ان سے بات کریں
ہم تم سے نا ملاقات کریں

کیا پانچ برس؟
کیا عمر اپنی کے پانچ برس؟
تم جان کی تھیلی لائی ہو؟
کیا پاگل ہو سودائی ہو؟
جب عمر کا آخر آتا ہے
ہر دن صدیاں بن جاتا ہے

جینے کی ہوس ہی نرالی ہے
ہے کون جو اس سے خالی ہے
کیا موت سے پہلے مرنا ہے؟
تم کو تو بہت کچھ کرنا ہے
پھر تم ہو ہماری کون بھلا
ہاں تم سے ہمارا کیا رشتہ؟

کیا سود بیاج کا لالچ ہے؟

کسی اور خراج کا لالچ ہے؟
تم سوہنی ہو، من موہنی ہو!
تم جا کر پوری عمر جیو!
یہ پانچ برس، یہ چار برس
چھن جائیں تو لگیں ہزار برس

سب دوست گئے، سب یار گئے
تھے جتنے ساہو کار، گئے
بس ایک یہ ناری بیٹھی ہے!
یہ کون ہے؟ کیا ہے؟ کیسی ہے؟
ہاں عمر ہمیں درکار بھی ہے؟
ہاں جینے سے ہمیں پیار بھی ہے

جب مانگیں جیون کی گھڑیاں
"گستاخ انکھیاں کت جا لڑیاں"
ہم قرض تمہیں لوٹا دیں گے
کچھ اور بھی گھڑیاں لا دیں گے
جو ساعت و ماہ و سال نہیں
وہ گھڑیاں جن کو زوال نہیں
لو اپنے جی میں اتار لیا
لو ہم نے تم سے ادھار لیا

☆☆☆

حنا دل پذیر سے ملاقات

کاشف گوریجہ

ہماری آج کی شخصیت مشہور اور ہر دل عزیز فنکارہ حنا دل پذیر جو کسی تعارف کی محتاج نہیں

حنا نے بہت سے پاکستانی ٹی وی ڈرامہ میں اداکاری کی اور اپنے فن کا لوہا منوایا، ان کے مشہور ٹی وی ڈراموں میں، برنس روڈ کی نیلوفر، پھر کھو جائے نہ، لیڈیز پارک، محبت جائے بھاڑ میں، انوکھا بندھن، کیسے آئے قرار، جہیز، باولی بیٹیاں، قدوسی صاحب کی بیوہ، اور خاص طور پر بُل بلے شامل ہیں۔

حنا دل پذیر نے بہت کم عرصے میں چھوٹی سکرین پر اپنی ایک بڑی اور خاص جگہ بنائی انہیں جب بھی کوئی رول دیا گیا انہوں نے نہ صرف ہنس کے قبول کیا بلکہ اپنے کردار کے ساتھ مکمل انصاف کیا۔

مشہور ڈرامہ سیریل قدوسی صاحب کی بیوہ، میں کبھی وہ بنگالی باجی کے روپ میں نظر آئیں، کبھی فیشن گرل روح افزا بن گئیں تو کبھی قدوسی صاحب کی بیوہ، ہر کردار میں جیسے انہوں نے ڈوب کر کام کیا۔

اے آروائی کا ڈرامہ ببلیے اور اس کا کردار مومو اُن کی وجہ شہرت بنا۔

جس میں وہ مشہور ڈرامہ آرٹسٹ محمود اسلم کی بیوی کا رول پلے کیا جسے بھولنے کی عادت ہوتی ہے ڈرامہ میں نبیل نے ان کے بیٹے کا اور عائشہ عمر نے ان کی بہو کا کردار ادا کیا نہایت مختصر کاسٹ میں ریلیز ہونے والے اس ڈرامے میں حنا دلپذیر مومو کے کردار میں چھائی رہتی ہیں۔اس کے علاوہ مارننگ شوز، ٹیلی فلمز میں بھی اپنے فن کے جوہر دکھائے۔ ان کی مشہور ٹیلی فلم پچھل پیری اور دیگر ہیں۔ان کو 2012 کے لکس اسٹائل ایوارڈ میں بہترین اداکارہ کے ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا۔

حنا دل پزیر سے ملاقات قارئین حنا کے لیے حاضر ہے اُمید ہے کے حنا دل پزیر / مومو آپ کی بھی پسندیدہ شخصیت ہوں گی۔

☆---جی حنا آپ نے کامیڈی رول بھی کیے اور ٹریجڈی رول بھی کیے آپ کے خیال میں سب سے مشکل کیا ہے کامیڈی یا ٹریجڈی؟

---دونوں طرح کے رول بہت مشکل ہیں آسان تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔

☆---آپ کو کیا اچھا لگتا ہے۔کامیڈی رول یا کہ سنجیدہ؟

---مجھے رول کیسا بھی دیا جائے میری کوشش ہوتی ہے کہ میں اپنے رول کو نہایت خوبی کے ساتھ نبھاؤں اور اپنا ٹاسک پورا کروں، اپنا ٹاسک پورا کرنا ہی مجھ کو اچھا لگتا ہے۔

☆---مارننگ شوز کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔کیسا لگتا ہے مارننگ شوز میں جانا؟

---بہت مشکل لگتا ہے مارننگ شوز میں جانا صبح اتنی جلدی جاگنا اور پھر شام کی پارٹیز کی طرح تیار ہونا، میں سمجھتی ہوں کہ ہمت ہے مارننگ شوز ہوسٹ کرنے والوں کی۔

☆---اگر آپ کو مارننگ شوز کرنے کی پیش کش ہو تو کیا آپ قبول کریں گی؟

---میں ہرگز یہ آفر قبول نہیں کروں گی۔

☆---کیا کبھی ایسا ہوا کہ کوئی کریکٹر آپ کے اوپر اتنا حاوی ہو جائے جس سے آپ کو اُکتاہٹ محسوس ہو اور آپ سوچتی ہوں کہ جان چھوڑے میری یہ کردار، جیسا کہ مومو کا کردار ہی لے لیں، جسے آپ اتنی خوبصورتی سے پرفارم کر رہی ہیں ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کردار آپ کی شخصیت پر طاری ہو چکا ہے؟

---کسی بھی کریکٹر کو میں اتنی اجازت نہیں دیتی کہ وہ مجھے مار دے۔

ہوتا ہے۔بڑی اہم بات ہے کہ جب آپ ایکٹنگ کرنے جا رہے ہوتے ہیں تو آپ ہپناٹائز ہو جاتے ہیں اپنے کردار کے حق میں اُس وقت آپ کی پرسنلٹی کچھ نہیں ہوتی بس آپ کا کردار ہی آپ کے سامنے ہوتا ہے اسی طرح ایکٹر اپنے کریکٹر میں جان ڈال سکتا ہے۔

☆---قدوسی صاحب کی بیوہ میں آپ نے ایک ساتھ اتنے رول پلے کیے کیسا رہا یہ تجربہ؟

---بہت مشکل ہے ایک ہی وقت میں ایک ہی ڈرامہ سیریل میں اتنے رول نبھانا یہ میرے لیے ایک چیلنج تھا جو میں نے میرے خیال میں بہت خوبصورتی سے قبول کیا۔

☆---بطور مومو آپ کا تجربہ کیسا رہا؟

---مومو میری زندگی کا سب سے بہترین تجربہ تھا مومو کا کردار ہی میں سمجھتی ہوں کہ میری پہچان کا ذریعہ بنا۔

☆---کیا کبھی ایسا ہوا کہ آپ ببلیے پرفارم کرتے ہوئے دوران شوٹنگ ہنس پڑی ہوں؟

---ایسا کئی بار ہوا اور اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ببلیے پرفارم کرتے ہوئے اکثر ہنسی کا دورہ پڑتا ہے اور کافی دیر بعد جا کہ نارمل ہوتے ہیں اور دوبارہ اپنے کام پر لگتے ہیں۔

☆---پاکستانی موویز پسند ہیں یا انگلش و انڈین؟

---پاکستانی فلمیں کسی دور میں اچھی بنتی تھی بیچ میں ایک روائتی سا دور آیا اور پاکستانی فلم انڈسٹری میں بہت سارے بحران لے کر آیا اب

کچھ عرصے سے پاکستان فلم انڈسٹری میں بہتری آئی ہے۔اسی طرح انڈین اور انگلش موویز بھی ساری ہی اچھی نہیں ہوتی، اچھی فلمیں دیکھتی ہوں، چاہے پاکستانی ہوں، انڈین ہوں یا کہ انگلش۔

☆---**ملکی حالات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟**

---ہمارا ملک میں سمجھتی ہوں اللہ تعالی کی خاص نظر رحمت کے سبب چل رہا ہے۔ ورنہ ہمارے حکمرانوں کا تو کوئی حال نہیں ہے۔

☆---**سیاست میں دلچسپی ہے؟**

---نہیں سیاست میں دلچسپی تو نہیں ہے مگر چاہتی ہوں کہ اس ملک کی بھاگ دوڑ محفوظ ہاتھوں میں ہو، جو ہر طرح سے محفوظ اور مخلص ہو۔اور اس ملک کو اپنے گھر کی طرح چلائے۔

☆---**اگر آپ کو موقع ملے تو آپ کیا کریں گی پاکستان کے لیے؟**

---یقیناً بہت طور پر اپنی ذمہ داری کو نبھاؤں گی۔کوشش کروں گی اس ملک کو پٹری پر چڑھانے کی تا کہ عوام کو سکھ کا سانس آئے۔

☆---**کوئی پیغام جو آپ ہمارے قارئین کو دینا چاہتی ہوں؟**

---اُن سب کا شکریہ جنہوں نے اتنی محبت کے ساتھ میرے ڈراموں کو سراہا اور انہیں کی بدولت مجھے پذیرائی حاصل ہوئی۔

☆☆☆

◇◇◇ فوزیہ غزل ◇◇◇

پچھلی قسط کا خلاصہ

ماریا ایک بار پھر ناگوار رسم ورواج پہ آدھارت ہندومت اور دیگر مذاہب پر فرسٹنڈ ہوتی ہے تو کیتھرین اسے آگرہ تاج محل دکھانے لے جاتی ہے، واپسی پہ وہ پاکستان جانے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔

مہندی کی رات سعیہ ڈپریسڈ ہوتی ہے اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی پر تو صبا دوستانہ انداز میں اس کا دھیان بٹاتی ہے، جبکہ سعیہ خدشات، واہموں اور والدین کو چھوڑنے کے غم کو سمیٹے رخصت ہوتی ہے تو نئے گھر میں تنہا رہنے کی خبر اسے ایکدم سے حواس باختہ کردیتی ہے۔

طیبہ پریشان اریبہ کو غم سے نکلنے، سنبھلنے اور اپنے گھر کے لئے کچھ کرنے کا مشورہ دیتی ہے کہ وہاج کی طرف ہر بار دیکھنے کے بجائے اپنے قدموں پر کھڑی ہو عارضی طور پر اپنے پپا کے آفس میں اس کی جاب کے بندوبست کردیتی ہے۔

ماریا کو پاکستان جانے سے روکنے کے لئے کیتھرین مسلمانوں کے قاتلانہ ذہنیت کے قصے سنانے کے ساتھ ان کی ذہنی متشدد طبیعت کا بتاتی ہے مگر اس کے باوجود ماریا کو جاننے کے فیصلہ اور پاکستان ٹوئر پہ بضد ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

چوبیسویں قسط

حساب ترک تعلق تمام میں نے کیا
شروع اس نے کیا، اختتام میں نے کیا
مجھے بھی ترک محبت پہ حسرتیں ہی رہیں
جو کام میرا نہیں تھا وہ کام میں نے کیا
وہ چاہتا تھا کہ دیکھے مجھے بکھرتے ہوئے
سو اس کا جشن بصد اہتمام میں نے کیا

وہ بے درد آج پھر بے طرح یاد آیا تھا اور اس کی پوری رات یادوں کے سفر سے گزرتے ہوئے بے آرامی، بے نیندی اور اضطرابیت زدہ رہی صبح اٹھی تو آنکھیں سرخ تھیں، اس بار وہاج حسن تو جو خفا تھا سو تھا وہ بھی اپنی انا کا پرچم بلند کر بیٹھی تھی، خود سے بلانے ملنے یا کچھ کہنے سننے کی خواہش اگر دل میں اٹھی بھی تو اس نے سختی سے دبا دیا اگرچہ خوف سا کہیں اندر تھا کہ دونوں طرف کی یہ خاموشی اور سرد جنگ کہیں فاصلے اور نہ بڑھا دے آنکھیں اس ہونی کے ڈر سے لہو رنگ رہتیں تو دل کو اپنی چاہت پر بھروسہ مضبوط رکھتا، یہی وجہ تھی کہ بہت زیادہ ٹوٹنے بکھرنے کے بعد بھی خود کو سنبھالتی وہ حالات و واقعات کو فیس کرنے کی استطاعت سے سمجھوتہ کر لیتی۔

طیبہ پاکستان چھوڑ کر جا چکی تھی وہ اسے سی آف کرنے بطور خاص ائیر پورٹ گئی چلتے سے از حد اپنائیت و توجہ سے اس کے ہاتھ تھامے وہ خلوص سے بولی تھی۔

''جو ہوا بھول جاؤ جو ہو رہا ہے حوصلے سے سہولت اور جرأت سے آگے قدم اٹھاؤ زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں، مگر کامیاب وہی ہوتے ہیں جو دل اور جذبات کے بہکاوے میں آئے بغیر اپنے حواس قائم رکھ کے مضبوط اعصاب کا مظاہرہ کر کے زندگی کے فیصلے ہوش سے کرتے ہیں۔''

پھر اس کے گلے لگتی رخسار کو چھوتی، نم آنکھوں سے وہ خدا حافظ کہتی جہاز کی سیڑھیاں چڑھنے لگی اسے دیکھتے دیکھتے اریبہ کی آنکھیں دھندلانے لگیں، پھر سارا چہرہ آنسوؤں سے بھر گیا اور وہ دوپٹے کے کونے سے چہرہ صاف کرتی مڑی تو اس کا وجود گہری اداسی کا غماز لگ رہا تھا اور ایسا ہونا بھی ایک فطری عمل تھا، طیبہ ایک ہمدرد، نفیس طبع، لڑکی تھی جس نے اپنے اپر کلاس لیول کے مخصوص روڈ مزاج سے ہٹ کر اس کی ان دنوں دلجوئی کی تھی جب وہ کانٹوں بھرے راستے پر دوڑ رہی تھی، مسرتوں اور شادمانیوں کو محسوس کرنے کی تمام حسیات مردہ ہو چکی تھیں اور ان حالات سے گھبرا کر خودکشی کا سوچا کرتی تھی تو وہ ہر طرح سے مدد کرتی ہر لحاظ سے کام آئی تھی اور اس نے ہی اپنوں کے بدلنے پر کوشش کر کے ایک اچھی کمپنی میں اس کی جاب کا بندوبست کیا تھا اور دفتر کا ماحول بھی اچھا دوستانہ تھا، پڑھے لکھے کھلے دل و دماغ کے لوگ یہاں کسی نے اسے غریب یا مجبور سمجھ کر تنگ کرنے یا بدتمیزی کی کوشش نہ کی تھی، ورنہ اپنے حالات سے مجبور وہ باہر نکلتے اور جاب کرتے ڈرتی تھی، لوگوں کے رویے باہر کا ماحول اور جاب مگر روٹین شروع ہوئی تو طمانیت کے ساتھ اک سکون تھا کہ تنخواہ اچھی ہونے کے ساتھ کنوینس کی سہولت کمپنی نے دی ورنہ کون بسوں، ویگنوں کے دھکے کھاتا آدھی تنخواہ اسی میں چلی جاتی، لیکن طیبہ کی وہی ہمت اور ہر قدم پر حوصلہ افزائی کے باعث وہ بڑے

آرام سے آنے جانے لگی تھی۔

اب اس دوستی میں وقت نے ظاہری طور پر دوریاں ڈال دی تھیں اور یہ دوری زیادہ کچھ اس لئے محسوس ہو رہی تھی کہ وہاج نے ان دنوں قطع تعلق کر کے ناراضگی کی حد کی ہوئی تھی بے رخی کی مار مارتا کتنی اجنبیت برت رہا تھا وہ ایسے میں طیبہ کا ساتھ اسے بہت غنیمت لگتا جس سے اپنی کہہ سن کے وہ دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی اور اب..... اس نے ہتھیلیوں سے رگڑ کر آنکھیں خشک کرنے کی سعی کی جو بھر بھر آ رہی تھیں۔

وہاج نے اس روز جو کچھ کہا تھا وہ اسے دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں اتارنے کو کافی تھا وہ اس کے تمام مسائل کو سمجھتا تھا اور محبت بھی بہت کرتا تھا اس کا رویہ اور انداز اس کی شدت کے گواہ تھے۔ وہ بھی تو ایسی محبت کرتی تھی صاف شفاف بنا کسی ریا، غرض اور کھوٹ کے پھر اس نے وہ سب کیوں کہا۔

''کیا ہو گیا تھا اس روز، کیا وہاج روپیہ پیسہ وافر پا کر اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے؟ مجھ پہ شک کر کے میری وفا کا یقین نہ کرے؟ میری غربت میرے مسائل سے تھک کر منہ موڑنے لگا ہے؟''

جبکہ یہ رشتہ اس کی اپنی پسند اور خواہش پر ہی تو طے ہوا تھا، حالانکہ ابو ہچکچا رہے تھے کیونکہ وہ ان کی غربت اور مسائل سے ڈرتے تھے، خود کتنے آسودہ تھے اچھی حیثیت رکھتے تھے، اچھا کماتے اولاد کو اچھا کھلاتے پہناتے تھے، پھر اریبہ تو لاڈلی بیٹی تھی ان کی، جو سیرت کے ساتھ شکل و صورت اور قد کاٹھ میں بھی لاکھوں میں ایک تھی، لیکن رشتے داری پھر امی اور خالہ کا اصرار اریبہ اور وہاج کی انڈر اسٹینڈنگ اس رشتے کو طے کرنے والی وجوہات تھیں، اس وقت جب ان کا گھر اور خالہ بالکل بے بس اور تہی دامن تھیں اسی گھر نے انہیں سہارا دیا تھا دلجوئی کی تھی اور اریبہ ہی کی دعاؤں، کوششوں کے باعث اسے ایک اچھی ساکھ رکھنے والی کمپنی میں ملازمت مل گئی، اسی گھر کی مہربانیوں نے اسے اونچے عہدے تک پہنچا دیا تھا، لیکن سرتاپا ان کی عنایتوں میں ڈوبے وہ لوگ ان کے برے وقتوں میں نگاہیں بدل چکے تھے، خاص کر خالہ جو اچانک ایک جگہ مل گئیں، ان کا انداز، زبان لہجہ بالکل بدل گیا تھا، وہ حیرت اور دکھ سے دیکھتی رہ گئی۔

''کیا روپیہ پیسہ ہی فی زمانہ رشتے ناطے برقرار رکھنے کا معیار ہے کیا سامنے والے کی حیثیت و مرتبہ دیکھ کر رویے و اخلاق کے معیار مقرر ہوتے ہیں، کیا ذہنی معیار اور انسانی مروت کی یہی سطح ہے۔''

اس لمحے اسے اندازہ ہوا تھا دولت اور حیثیت زندگی گزارنے اور زندہ رہنے کو کتنی ضروری ہے۔

''اگر خالہ ذرا سا اپنائیت سے مل لیتیں تو کیا بگڑتا مگر روپیہ آنے سے کتنا بدل چکی ہیں۔'' اس نے دکھ سے کہا تو جویریہ نے تاسف سے سر جھکا اور بولی۔

''کیوں نہ بدلیں بیٹا دن بدن ترقی کر رہا ہے شاندار گھر، گاڑی، نوکر سب ہے، کون سی چیز کی کمی ہے، آسمان پہ چل رہی ہیں، زمین پہ رہنے والے کہاں ان کی نگاہوں میں سمائیں گے پھر

اب کون سا وہ ہماری محتاج رہی ہیں ضرورت، مجبوری اور بے بسی ہی انسان کو اخلاق و مروت اپنانے پہ مجبور کرتی ہے اور وہ اب ایسے حالات سے نکل چکی ہیں۔"

"پر رشتے ناطے، تعلق یہ سب تو اتنی آسانی سے بھلا دینے والی چیزیں نہیں۔"

"روپیہ چمک دکھا رہا ہو برابر تو سب بھلانا آسان ہو جاتا ہے، کیونکہ روپیہ پیسہ ہی آخری کسوٹی بن گیا ہے انسانی معیار و تعلقات کی پہ اپنائیت، احساس و مروت یہ تو ہم جیسے مفلسوں کے کرنے اور برتنے کے معیارات ہیں۔" وہ تلخی سے بولی تو اریبہ نے چند ثانیے اسے خاموشی سے دیکھا پھر آہستگی سے بولی۔

"مگر خونی رشتوں کی اپنی اہمیت ہوتی ہے، جویریہ پھر وہاج پریشانیوں مایوسیوں میں وہی تو اک سہارا تھا دل کے لئے، مجھے حوصلہ رہتا تھا کہ ان مشکل حالات میں ہم اکیلے نہیں اللہ کے بعد دنیا میں کوئی ہے ہمارے دکھ درد بانٹنے والا ہمارے غم سننے والا پھر اس کی خوشیوں اور کامیابیوں کے لئے تو میں دن رات دعائیں کرتی تھی۔" بولتے ہوئے اس کی آنکھوں کی شفاف سطح میں نمی چھلکنے لگی۔

"مہناز آپی اور شہناز آپی بھی تو ہماری سگی بہنیں تھیں انہوں نے کیا سلوک کیا، کتنا پوچھا، کتنا ساتھ دیا خوامخواہ کی بات کو بنیاد بنا کر سگی ماں تک کو بھول گئیں پھر زاہدہ پھپھو وہ بھی خونی رشتہ تھیں انہوں نے کیا برتاؤ کیا اگر خالہ لوگ بدلنے لگے تو کیا زور؟ یہ تو ویسے بھی دلوں کی محبت و اخلاص ہے اور رشتے تو ہمیں ویسے بھی راس نہیں آتے۔" جویریہ دکھ سے بولی۔

"مگر ہمارے دن برے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے اپنے ہمیں دھتکارنے لگیں، کاش اس وقت ہمارے پاس بہت سی دولت ہوتی تو ہم سے تعلق ناطے دور نہ ہوتے۔"

"یہ بھی اچھا ہے کہ دولت فی الوقت نہیں ورنہ ہم ان لالچی اور مطلب پرست فطرتوں کا منظر کیسے دیکھتے، ہمیں کیسے پتا چلتا کہ کون ہمارا کتنا ہے۔" جویریہ سر جھٹکتے ہوئے بولی تو وہ نم آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی۔

اک جھیل ہے آنکھوں میں جو آباد بہت ہے
صدیوں یونہی رونے کو تیری یاد بہت ہے
کہہ دو کہ سمندر سے پلٹ آئیں ہوائیں
بارش کو میرے اشکوں کی بنیاد بہت ہے

☆☆☆

اپنے سابقہ فرسٹریشن اور مایوسی کے طویل فیز کے برعکس وہ اس وقت اپنے رویے، انداز، سوچ اور گفتگو میں توازن رکھتی تھی، یہ نہ تھا کہ وہ اپنے مقصد کو پا چکی تھی ایک مثبت عقیدے اور ایسے مذہب کی تلاش جو تمام بنی نوع انسان کے لئے نرم رویہ رکھتا تھا بالخصوص عورتوں کے لئے، اسے یہ تلاش اب بھی بے چین رکھتی وہ ذہنی طور پر اب بھی مشکلات کا شکار تھی اور اکثر گومگو کی کیفیت بھی اس کو گرفت میں لئے رہتی اور اس کی ملاقات پروٹسٹنٹ عقائد کے کچھ لوگوں سے بھی ہوئی انہوں نے اسے ذہنی اطمینان پانے اور راسخ العقیدہ عیسائی بننے کے لئے بائبل کی تعلیمات پہ مبنی ایسا راستہ بتایا جو ہو بہو کیتھولک عقائد کا متبادل تھا اور جس میں چرچ آف انگلینڈ کا سا ابہام بھی نہ تھا وہ ان کے عقیدے کی سادگی سے متاثر ہوئی مگر اپنے ذہن میں موجود شکوک کے باعث محض عقیدے کو ہی نجات کا ذریعہ نہ سمجھ سکی۔

وہ سات سال کی عمر سے مسلسل چرچ جاتی اور بائبل پڑھتی رہی تھی لیکن اس کی عقل بہت سی باتوں کے خلاف اور بہت سے عقائد پر پریشان ہو جاتی اسی پریشانی کو ختم کرنے کے لئے اس نے چرچ، مذہب اور عیسائیت سب کو خیرباد کہہ کے تقابلی ادیان کا مطالعہ و ریسرچ شروع کی سترہ سال کی عمر سے اپنی عمومی زندگی، تعلیم فرینڈز، پیرنٹس سب کو چھوڑ کے وہ مختلف ممالک کے دورے کرتی ان کے مذاہب کو پرکھنے لگی اور اس کی ساری محنت اکارت گئی، اتنی جدوجہد، سعی و کوشش کے بعد بھی خدا کے وجود کا ہلکا سا یقین بھی دل میں جاگزین ہوا۔

اور خود کو مصنوعی طور پر مصروف رکھنے کے باوجود وہ اندرونی طور پر ذہنی اضطراب کی آخری منزل پر تھی اور حق کی تلاش کرتے کرتے گویا تھک ہار کے گر رہی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ اسی کشمکش میں اس نے اسلام کو پرکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس کی ذہنی مشکلات سے واقف کیتھرین اسے حتی الامکان مصروف رکھتی روز کچھ نہ کچھ دکھانے لے جاتی اگرچہ سیاحت، گھومنے پھرنے میں اطمینان کے سامان بھی تھے اور وہ بعض اوقات اس میں خوشی بھی محسوس کرتی، تاہم روحانی و ذہنی بے اطمینانی تو وہی تھی، جسے دور کرنے کے لئے وہ اپنے محبوب فلسفی سارتر، نٹشے اور کمیوس کو پڑھتی اور یہ تینوں دہریت اور لحاد کے پرچارک تھے، اکتا کے وہ مذہبی مطالعے پہ پلٹ جاتی اور صرف باطنی روحانی طلب میں نہیں بلکہ صداقت کی تلاش میں مختلف مذاہب کو پڑھتی رہتی، اسے قطعاً دلچسپی نہ تھی کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا، البتہ یہ خواہش ضرور تھی کہ یہ مادی زندگی صاف ستھری اور ڈھنگ سے بسر ہو، تاہم اکثر خیال بھی آتا کہ پچھلے سات سال سے وہ مختلف مذاہب کے حوالے سے سیاحتی، تحقیقی ریسرچ، محنت اور جستجو کرتے ہوئے اپنا وقت ضائع کر رہی ہے، پھر بھی اپنی متجسس طبیعت کے توت وہ ہر مذہب کے بارے میں مطالعہ کرتی، آج کل بھی زرتشت، (پارسی) سکھ مت کے متعلق پڑھ رہی تھی، سوائے اسلام کے کیونکہ وہ اس وقت اسلام کے بارے میں کھ نہ جانتی تھی، اخبارات کے مضامین اور کچھ انگلش فلسفیوں کی کتابوں، مضامین سے اتنی خبر ضرور تھی کہ اسلام غلامی کا قائل ہے اور اب تک عرب ملکوں میں یہ مکروہ کاروبار جاری ہے، تعداد ازدواج کی صورت میں عورت پر ظلم ڈھائے جاتے ہیں، حیوانات کو بے دریغ کاٹ کر کھایا جاتا ہے اور منشیات کے کاروبار پر کوئی پابندی نہیں، سکول کے زمانے میں درسی کتب میں صلیبی جنگوں کے بارے میں بھی پڑھا تھا جس میں مسلمانوں کو پرلے درجے کے سفاک اور بے رحم بتایا گیا تھا اور آج سے پہلے تک وہ اسلام کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی کہ اس کے بارے میں کچھ سوچا بھی جائے کیونکہ اس زمانے میں اس کا تاثر یہی تھا کہ اسلام بت پرستی کا ایک مذہب ہے جسے جاہل اور گنوار لوگ ہی اختیار کیے ہوئے ہیں، لیکن اب وہ پچھلے ایک سال سے جس گومگو میں تھی مختلف مذاہب ان کے عقائد، ان کے مبلغوں کی تعلیمات و باتوں اور مذہبی تعلیمات میں تضاد ایسے میں قلب و ذہن کی کھینچا تانی نے اس کے اعصاب کو تباہ کر کے

رکھ دیا تھا اور وہ بظاہر پر سکون، خوش نظر آنے کے باوجود اندر سے بیمار بھی اس کا حل ایک ہی تھا کہ کسی کے منع کرنے روکنے کے باوجود جلد از جلد اپنی ذہنی سکون، یکسوئی اور صداقت کو پالے اسی لئے اسلام کے بارے میں جتنے بھی تعصبات تھے سب کو جھٹک کر راہ حق کو پانے کے لئے وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا ارادہ کر بیٹھی۔

اگرچہ کیتھرین اب بھی اسے سمجھا رہی تھی جبکہ ان کی پاکستان روانگی ہیں صرف گھنٹہ رہ گیا تھا، وہ اسے بار بار بتا رہی تھی کہ اسلام تلوار کے زور پہ پھیلا ہے اور مسلمان متشدد مزاج کے مالک منتقم فطرت لوگ ہیں، جبکہ عیسائیت محبت واخلاق سے پھیلی ہے اس میں کسی پہ ظلم وزیادتی برداشت نہیں کی جاتی، ماریا نے لمحہ بھر مسکراتے ہوئے بڑی نرمی سے کہا تھا۔

''مگر پیدائشی مسیحی ہوتے ہوئے بھی یہ بات میرے مشاہدے میں آتی رہی کہ برصغیر یا پاک و ہند میں جتنے بھی لوگ مسلمان ہوئے انہیں دنیاوی لالچ دے کر عیسائی بنایا گیا پھر یہ بات بھی میرے تجربے میں آئی کہ غیر ملکی مشنری امریکہ اور یورپ سے بھاری رقمیں منگاتے تو مقامی عیسائیوں کے نام پر ہیں، مگر وہ خرچ اپنی ذات پر کرتے ہیں، انہیں کالے عیسائیوں سے کوئی محبت نہیں ہوتی، وہ اس کو کاروبار سمجھتے ہیں اور تبلیغ کے نام پر دراصل خود گلچھرے اڑاتے ہیں، خصوصاً اسلام کو ختم کرنے کے لئے ظلم دھونس اور دھاندلی سے بھی گریز نہیں کیا، اس کی روشن مثالیں بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی، فلسطین میں لاکھوں عرب فلسطینی مسلمانوں کی جلاوطنی اور قتل عام، لبنان اور غزہ میں اسرائیلیوں کا ظلم وستم اور کشمیر وعراق اور افغانستان میں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کی خونریزی اس کا بین ثبوت ہے۔'' اس کا انداز گفتگو اتنا مدلل اور حقائق پہ مبنی تھا کہ کیتھرین جواباً چپ ہو کر رہ گئی۔

''اور پھر ہو سکتا ہے کہ جن سوالات کا جواب میں پوری زندگی حاصل کرتی رہی ان کے جواب یہیں مل جائیں۔'' اب وہ ایک بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولی اور ایک بار پھر اٹھ کر ائیرپورٹ کے روانگی سیکشن میں تیار کھڑے پلین کو دیکھا جس کی روانگی میں چند منٹ تھے وہ سب اٹھ کر اپنے الوداعی منظر میں ہمقدم میزبانوں سے مصافحہ کرتے جہاز کی سیڑھیاں چڑھنے لگے حفاظتی بیلٹ باندھے اور چند لمحوں میں جہاز دہلی ائیرپورٹ سے اڑنے لگا تھا۔

یہ سپیشل پلین نیوزی لینڈ حکومت کی جانب سے ان کے ساتھ تھا کیونکہ سمجھوتہ ایکسپریس پاک انڈو تعلقات کی خرابی کی بناء پر فی الحال معطل تھی۔

اچھے خوش اخلاق مہذب عملے کے اعلیٰ انتظامات اور پاکستان کے بارے میں لگی ڈاکومینٹری مووی جو سیاحتی وشمالی علاقوں کے متعلق تھی دلچسپی سے دیکھتے وہ لوگ آپس میں پاکستان کی متنوع ثقافتوں اور خوبصورت ودلکش تفریحی مقامات پہ ایک دوسرے کو گائیڈنس بھی دے رہے تھے۔

جس وقت وہ بذریعہ ہوائی پرواز پاکستانی فضائیہ کی حدود میں انٹر ہو رہے تھے وہ تقریباً شام ڈھلنے کا وقت تھا اور جہاز کے زمین پر لینڈ کرنے سے پہلے اس کے اندر لگی بڑی سکرین پر سورۂ اخلاص کا عربی متن بمعہ اردو انگلش ترجمہ کے آ رہا تھا اور اس کی پہلی آیت پر ہی ماریا نے بے طرح چونک کر اسکرین پر چمکتے حروف کو دیکھا تھا۔

قل ہو اللہ احد
کہہ وہ اللہ پاک ہے
اللہ الصمد
اللہ بے نیاز ہے
لم یلد ولم یولد
نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ کسی سے جنا گیا
ولم یکن لہ کفواً احد
اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں

کیا تھا یہ اسے نہیں معلوم تھا لیکن لگتا تھا وجود میں کوئی چیز سرائیت ہو گئی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

☆☆☆

روشنی سبز درختوں پہ اتر آئی ہے
پھول کھلتے ہیں شاخوں میں دیے جلتے ہیں
یہ تیرے نقش قدم ہیں ستارے ہیں کہ پھول
تو گزرتا ہے تو رستوں میں دیے جلتے ہیں

کیسا تھا یہ لمحہ اس نے بمشکل نگاہیں اٹھا کر اپنے سے چند انچ پرے بیٹھے شاندار سے شخص کو دیکھا جس کی سیاہ آنکھوں میں ہلکورے لیتی طمانیت اور چہرے کے تاثرات سے چھلکتی سرشاری و سکون استحقاق بھرے انداز و نگاہیں اور اپنی ناگواری کا کھلا اظہار کرتی اور اب، اس لمحہ کیا تھا اس کے اختیار میں، یہ سوچتے ہی آنکھیں دھواں دھواں ہونے لگیں اور نمکین پانی پلکوں کو بھگونے لگا شہریار خان نے کتنے خاص اور محظوظ ہونے والے انداز میں اسے دیکھا تھا، پھر اس کی پلکوں پہ اٹکے موتیوں کو اپنے ہاتھ کی پوروں سے اٹھاتے کسی قدر جتنا دینے والا انداز ولہجہ۔

''بس سعیہ علی خان اتنا ہی حوصلہ تھا اتنے ہی ضبط کی مالک تھیں اور چلی تھیں شہریار خان کو شکست دینے۔'' اور اس نے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھنا چاہا مگر دیکھ نہیں پائی۔

''کیا اب اس جگہ بیٹھے تمہیں یقین نہیں آ رہا کہ فاتح کون ہے اور کون مفتوح، محبت کو تم یکسر رد کر چکی تھیں مگر تم نے جو جانا جو سوچا جو سمجھا سب فضول تھا محبت کا اگلا موڑ کیا ہو گا یہ تم بتا سکتی ہو نہ کوئی اور بہت پلاننگ کے باوجود دماغ کو اسی طرح مات دیتی ہے اور اپنے نتائج سے یونہی حیران کرتی ہے۔'' وہ کچھ نہیں بولی تھی اور شہریار مسکرا دیا تھا۔

''مجھے یقین تھا کہ ایک دن میرے خالی ہاتھ میں مہندی سے بھرا دوسرا ہاتھ تمہارا ہو گا اور محبت کا اعتماد تھا جس کی لطافتوں کا موسم ہم پہ سایا کر چکا ہے اور اس موسم کی پذیرائی کو دل کے در کیسے وا کرنے ہیں، یقیناً یہ لمحات یہ منظر اور وقت تمہیں بتا رہا ہو گا۔'' چہرے کی تروتازگی اور مزاج کی بشاشت کے ساتھ وہ بولا تو سعیہ کے دل پہ کوئی قیامت سی اترنے لگی، آنکھیں سمندر چھلکانے لگیں۔

وہ شلفتہ سی زیاں کارہاری ہوئی اس لمحے اس دن پہ جتنا ملال کرتی کم تھا۔

"She is my wife sania, you only my wife"۔

"اس حقیقت سے انحراف اب تم نہیں کرسکتیں نہ اس کے تقاضوں سے منہ موڑ سکتی ہو، یہ رشتہ جن پرلطف احساسات پر مبنی ہے تمہیں سمجھانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے سعیہ کے بھیگے رخسار کو ہولے سے تھپتھپایا تھا اور سعیہ کے لئے یہ لمحات یہ جذبات سے بوجھل بازگشت جھیلنا دشوار ترین تھا مگر احتجاج کی ہمت بھی اس گھڑی ناپید تھی، اس نے خالی خالی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

"ایک اچھی زندگی گزارنے کے لئے بہترین انڈر اسٹینڈنگ کی ضرورت ہے اور ہم ایک دوسرے کے لئے انجان نہیں، ہم میں کزن شپ، فرینڈ شپ اور ایک اچھا ریلیشن شپ شروع سے رہا ہے، اب پچھلے کچھ عرصہ سے تمہارا رویہ جو بھی رہا ہے میرا دل نہ تو اس ریلیشن شپ سے منحرف ہوا ہے نہ تمہارے لئے میرے دل میں جو محبت ہے وہ کم ہوئی ہے اور میرے خیال میں ہمارے درمیان محبت کے سوا دوسرا تیسرا مسئلہ کوئی ہے بھی نہیں، تم اپنی تمام تر ناگواری، عدم توجہی اور اجنبیت کے باوجود ہر لمحہ ہر پل ہر وقت میرے پاس، میرے ساتھ میرے دل میں رہی ہو اور یہ احساس میرے لئے بہت دل پذیر ہے کہ ہم اس وقت روبرو ہیں اور اس وقت کو برباد کرنا یقیناً بیوقوفی ہے۔"

اسے شانوں سے تھام کر وہ بھرپور نگاہ ڈالتے چہرے پر جھولتی شریر لٹ کو چھوتے ہوئے بولا تو سعیہ علی کے پورے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی وہ کیا کہہ رہا تھا کہ سمجھانا چاہ رہا اور اب کیا ہونا باقی تھا یہ سب سوچتے دیکھتے ہوئے وہ دانستہ چپ تھی اگر یہ ایک ایک لمحہ جھیلنا دشوار ترین تھا دل پہ بھاری تھا مگر وہ اندھی، بہری، گونگی بنی کوئی ردعمل ظاہر کیے بغیر خاموشی سے کھڑی بیٹھی تھی اور یہ کرنا مشکل تھا مگر مصلحت کی انگلی تھام کر سعیہ کو یہ ممکن کرنا تھا جب تک شہریار کوئی واضح پیش قدمی نہ کرتا حالات کو اپنے بس میں رکھنے کے لئے یہ خاموشی بھلی تھی اور وہ اس سے کام چلا رہی تھی۔

"زندگی بہت قلیل ہے جینے کی بھی تھوڑی اسے نفرتوں بے وجہ کی غلط فہمیوں میں ضائع کرنا سراسر غلط ہے پھر جب اتنی دلکشی، اتنی رعنائی اور تنہائی ہو تو پھر وقت گنوانا اور بھی بڑی بیوقوفی ہے، خاص کر جب دل بھی نرم گرم احساسات سے پرلطف اور دل پذیر لمحات کا حسن کشید کرنے کا متمنی ہو، محبت کے موسم میں دو دلوں کے سلسلے باہم تو ان کے راستوں میں صرف محبت کو ہی سفر کرنا چاہیے۔" اس کے حسین و دلربا چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بہ غور دیکھتے وہ مسکرایا تھا، اس کا عمل گرم جوشی، تفاخر اور خوشی لئے ہوئے تھا، مگر سعیہ کو ان پذیرائیوں سے کچھ نہ لینا تھا وہ فوری طور پر آنے والے لمحوں سے بچنے کے لئے کوئی سدباب سوچنے لگی۔

"محبت کے آپشنز تم بدلنے کی کوشش کر کے دیکھ چکی ہو خسارہ کس کے ہاتھ آیا یہ جتانے کا موقع نہیں بہتر ہوگا کہ ہم بے کار کی الجھنوں میں وقت نہ گنوائیں تم نے کل اور آج بہت دانشمندی کا ثبوت دیا ہے اسی عقلمندی کو استعمال کرتے ہوئے ایک فرمانبردار بیوی کا روپ بھی پورا کرلو۔"

اس کے لئے یہ سب سہنا صورتحال کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا، آنے والا کوئی بھی لمحہ اسے بے توقیر کرسکتا تھا اور یہاں اس جگہ اس شخص کے سامنے قانونی و شرعی رشتے کے باعث بیٹھی تھی اور حد

سے زیادہ بے یارو مددگار تھی اسے اپنے آپ پر ترس آنے لگا، اپنے بے بسی ان لمحات میں کس بری طرح محسوس ہوئی تھی کہ آنکھیں دھندلانے لگیں۔

"اور تمہارے گریز کی بھی کوئی اہمیت نہیں تم جو کر چکی ہو ابتک بہت تھا آئندہ تمہیں وہ کہنا اور کرنا ہے جو میری مرضی کے مطابق ہو یہ بات اپنے دل کو باور کرادو۔" انتہائی مضبوط لہجہ میں باور کراتے اسے دیکھا تو سعیہ دھندلی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی۔

"شہریار خان کو زندگی میں ڈسٹربنس پسند نہیں نہ خسارے اور محبت میں تو بالکل نہیں خص کر جب دن وقت اور لمحات بھی اس کی دعاؤں کا حاصل ہوں تو اس بھیگے موسم میں خوشبو سے معطر فضا میں، میں تم یہ محبت یہ کیئر یہ پرو ٹیکشن، کیسا دلفریب سا لگتا ہے سب، آؤ اس دلفریبی و دلکشی کو اپنے دامن میں بھرلیں۔" عجب بے خود اور مدہم لہجہ میں کہتے نگاہ خاص سے دیکھتے شہریار نے اسے پکارا۔

"سعیہ!" اس کی نگاہیں جھک گئیں اپنے اندر پریشان وہ بچاؤ کا راستہ نہ پارہی تھی کہ یکدم اس کے شانوں شانوں پہ اپنے مضبوط ہاتھوں کا دباؤ بڑھاتے شہریار نے اس کی فراخ پیشانی پہ چمکتی بندیا کو لحظہ بھر تکا، سعیہ کے ہونٹ کپکپائے تھے اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

"سعیہ آؤ خواب امر کریں خوشیاں روک لیں اور خود کو محبت کے منظر میں بہہ جانے دیں۔" اک شدت آمیز لہجہ ابھرا پھر شہریار نے اس کے کپکپاتے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے سعیہ یکدم ڈھیلی پڑ گئی اور اس اچانک اقدام پہ حیرت زدہ تھی اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا بڑی شدت سے اس نے اپنے اندر تلاطم برپا ہوتے دیکھا تھا۔

"یہ شخص میرے سارے غرور، اختیار کو منوں مٹی تلے سلا کر مجھ پہ حاوی رہے گا اور میں تمام عمر اپنے جذبات و احساسات پہ پتھر رکھ کر اپنی خوشیوں کی قربانی دیتی رہوں گی، مصلحت کا پابند بنائے خود کو زندگی گزار دوں مگر کس گناہ کی سزا میں اور تم شہریار تم اچھے فرمانبردار سے بچے کا روپ دھار سب کی نظروں میں عظیم بنے رہو یہ کیسے ہوسکتا ہے تمہارا اصلی اور گھناؤنا روپ مجھے سب کے سامنے لاکر رہنا ہے۔" اس نے بڑی شدت سے خود کو یاد کراتے ہوئے کچھ دیر پہلے والی کیفیت کو پرے جھٹکا کہ تلخی دل و روح کے بہت اندر سے ابھری تھی اور شہریار کو پوری قوت سے پرے دھکیلا اور وہ جیسے جھٹکے سے کسی طلسم خاص سے آزاد ہوا تھا، آنکھوں میں خفیف سی سرخی اتری غصہ اشتعال کی اور تمام نرم گرم جذبات بھاپ بن کر اڑ گئے۔

"یہ رشتہ چاہیے کسی وجہ سے طے ہوا ہو، رخصتی کی حامی میں نے کیسی ہی مصلحت اور مجبوری کے تحت بھری ہو اور ابتک کتنے ہی حوصلے کا ثبوت دیا ہو مگر اب اور انہیں آپ کا یہ انداز یہ رویہ اور یہ پیش قدمی میں برداشت نہیں کرسکتی کیونکہ آپ اس وقت بھی میرے لئے دنیا کے ناپسندیدہ ترین شخص ہیں اور اگر میرے بس میں ہوتا تو میں آپ سے کبھی شادی کی حامی نہ بھرتی چاہے آپ دنیا کے آخری شخص کیوں نہ ہوتے۔" غصے و ناگواری، نفرت و حقارت کے جذبات سے تمتماتے سرخ چہرے سے وہ بولی تو شہریار کا چہرہ خود کو رویے کیے جانے اس ارمانوں بھری شب عروس میں خالی رہ جانے کے احساس توہین سے سرخ ہوا تھا، غصہ سے جبڑے بھینچے ہوئے اور پیشانی کی سبز

رگیں واضح دکھائی دینے لگی تھیں، اسے یقیناً سنعیہ سے اس رویے وانداز والفاظ کی توقع نہ تھی۔

"میری ایک ہاں اور ذرا سی چپ نے شیر کر دیا آپ کو لیکن اس خوش فہمی سے نکالنے کو میرا یہ بتانا ضروری ہے کہ آپ کی طرح میرا نہ تو ذہن غائب ہوا ہے نہ دماغ خراب اس لئے ایسی فضولیات میں آپ کی پذیرائی کر سکتی ہوں نہ مجھ سے اس کی توقع رکھیئے۔"

"شٹ اپ......" اس کے بازو کو خفیف سا جھٹکا دیتے ہوئے وہ غصے درشتگی سے بولا تو سنعیہ کے لبوں سے تکلیف کے احساس سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی، اس نے قدرے حیرت اور ڈر سے شہریار کے رویے کو دیکھا تھا پھر بہ سرعت خود کو سنبھالتی اس نے محاذ کو سر کرنے کا حوصلہ دینے لگی۔

"بیوی ہو تم میری نکاح ہوا ہے میرا تم سے ہزاروں کے مجمعے میں تم میرے ساتھ رخصت ہو کر آئی ہو۔" اس کے لہجے وانداز میں عجیب وحشت تھی۔

"آپ کے ساتھ نکاح اگر میرے باشعور ہونے کے بعد ہوتا تو میں کبھی حامی نہ بھرتی اور رخصتی اگر دوسروں کی تسلی اور اپنے پیرنٹس کی خوشی کے لئے ہو گئی تو یہ نہ سمجھیں میں سب کرتی جاؤں گی، مجھے یہ منظور نہیں۔" اس نے سر جھٹک کر کہا تو شہریار نے غصے سے دانت بھینچ لئے اور شعلہ بار نظروں سے گھورتا ہوا بولا تھا۔

"محبت کرتا ہوں میں تم سے پھر شوہر ہوں تمہارا، تمہاری جوابی توجہ حق ہے میرا۔"

"نہیں مانتی میں یہ ڈھونگ محبت کا، یہ آسیب زدہ رشتہ۔" وہ چلائی تو شہریار کی بھوری آنکھیں آنچ دینے لگیں سلگتی نگاہوں سے وہ اسے گھور رہا تھا۔

☆☆☆

خوشیوں بھرا دن گزرتے تو ایک پل لگتا ہے یہ تو غموں کے دن ہوتے ہیں جو پوری زندگی پر محیط ہو کے ہر پل ہر لمحے کو لہولہو کرتے دل کی انگلیاں فگار کرتے رہتے ہیں، جاب پہ آتے جاتے اپنا دفتری کام نمٹاتے گھر میں امی کو دباتے مالش کرتے جویریہ اور ربیعہ سے کچھ کہتے سنتے بھلا کون سا لمحہ تھا جو اس کی یاد سے خالی تھا وہ ہر وقت اس کے دھیان میں رہتا اس کی پلکوں تلے چھپ کر بیٹھ جاتا اس کی نیندیں چراتا تفکر کے سب زاویوں سے گزرتا تب تب اسے طیبہ یاد آتی اپنی واحد غمگسار، اکلوتی ہمدرد جو اپنے الفاظ کے جادو سے اس کا دھیان بٹاتی غم بانٹا کرتی تھی، وہ اس کے ہر گلے شکوے پہ کہا کرتی۔

"سب لوگ خوبصورت نہیں ہوتے، نہ سب خوبصورت لوگ اچھے ہوتے ہیں، کسی کسی آدمی سے بہاروں کی خوشبو آتی ہے اور تم ایسی خوشبو کا سندیسہ ہو تو خود کو اتنا رلایا اور کھپایا نہ کرو بس مہکنے دیا کرو۔"

پھر ابو جنہیں اسے بہت سا پڑھانے اور پروفیسر بنانے کا شوق تھا اور ان کے ہوتے ہوئے وقت کیسا مطمئن اور خوش گزرتا تھا، زندگی کتنی بے پروا اور فکروں سے دور تھی، گھر، بہن بھائی ماں باپ اور تعلیم زندگی انہی کے گرد گھومتی تھی، بے فکری بے کھانا پینا، پڑھنا اور سونا پھر وہاج کی محبتیں، شرارتیں ہنسی مذاق تب کتنی خوش نصیب سمجھا کرتی تھی وہ خود کو اور اسی خوش نصیبی کے ادراک نے اسے بہت چاق وچوبند اٹریکٹیو بنا رکھا تھا، خوبصورتی اور تیکھے نقوش جسمانی سمارٹنس وجود پہ بے پناہ

تروتازگی اور بشاشت عمدہ لباس، ہلکا پھلکا میک اپ اس کی شخصیت کیسے بکھرے ستھرے رنگوں میں ڈھلی رہتی تھی، امی کی صورت اس کے لئے رحمتیں، برکتیں اور محبتیں تھیں تو ابو کا وجود دھوپ کی کڑی دھوپ میں گھنا ٹھنڈا سایہ جان چھڑکنے والے بہن بھائی اور ساتھ کسی کے دل، نگاہوں اور زندگی میں خواب، محبت بن کے رہنے کا فرحت بخش احساس، کتنی با اختیار اور خود مختار تھی وہ، اپنے کالج گھر خاندان اور محلہ میں سب لڑکیاں اس پر رشک کرتیں اور کچھ حد بھی کہ وہ اپنے طبقہ کی سب لڑکیوں بلکہ اپر کلاس سے تعلق رکھنے والی کلاس فیلوز میں بھی تعلیم ذہانت، اخلاق، رویے خوبصورتی ہر لحاظ سے ممتاز، نمایاں اور منفرد تھی۔

اپنی ساتھی لڑکیوں سے اچھی ہیلو ہائے کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ آؤٹنگ بھی کرتی ہوٹلنگ بھی، موڈ میں ہوتی تو خوب ہنستی بولتی، تب معلوم ہی نہ تھا اونچے نیچے راستے کیسے ہوتے ہیں زندگی کے باپ کا سایہ سر سے ہٹا، ماں حواس کھو بیٹھی تو وہ ایکدم سے دھوپ میں آ کھڑے ہوئے، اب اندازہ ہوا تھا کہ زندگی کے ناہموار راستے کیسے ہوتے ہیں؟ اور زندگی صرف کھانے پینے سونے یا خواب دیکھنے تک محدود نہ تھی، بلکہ اور بھی بہت سے کام تھے بہت مسئلے اور باتیں بہت سے مرحلے جنہیں تنہا اپنے بل بوتے پر پار کرنا تھا، اشفاق احمد کی زندگی میں روپے پیسے کی کمی نہ تھی اور وہ یہ دولت اولاد کو سہولیات دینے پر استعمال کرتے تھے، بچے بھی ان کے خدائی خزانہ تھے پورے خاندان میں اتنے خوبصورت بچے کسی کے نہیں تھے جیسے اللہ نے انہیں دیے خصوصاً اریبہ تو اپنے موہنے نقوش اور ملکاؤں جیسا شاہانہ حسن رکھنے کی بنا پر منفرد تھی ماں باپ کو بے حد عزیز وہ اسے اعلیٰ تعلیم دلوانے کے ساتھ اچھا مستقبل دینے کے خواہاں تھے۔

اور اب......اس کی آنکھوں سے کئی آنسو گرے اور رخسار تر ہوتا چلا گیا۔

دکھ درد کے ماروں سے میرا ذکر نہ کرنا
گھر جاؤ تو یاروں سے میرا ذکر نہ کرنا
وہ ضبط نہ کر پائیں گے آنکھوں کے سمندر
تم راہ گزاروں سے میرا ذکر نہ کرنا

اپنے مستقبل کو بھلا کے وہ اپنے گھر والوں کی فکر میں تردد میں ہلکان رہتی، بہنوں کے لئے سوچتی جن کی تعلیم شادی اہم مسئلہ تھا، پھر شہباز جو آوارہ، نشئی، جواری اور غیر ذمہ دار لڑکا بن چکا تھا، باپ سر پر تھا نہ کوئی بڑا بھائی، ماں خود سے اجنبی، ایسے میں اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور بھی شدت سے ہوتا اور جان جوکھوں میں ڈال کے وہ انہیں ہر صورت پورا کرنے کی کوشش کرتی، خاص طور پر بہنوں کے لئے اس کا رویہ بہت زیادہ حساس اور محتاط تھا اور ان کے ہر کام وہ خود کرتی خواہ بازار سے کچھ منگوانا ہوتا یا کہیں جانا تو ساتھ جاتی، ان کے اپنے سگے اور خونی رشتے نگاہیں، رویے بدل چکے تھے اور خود ان پر اتنے برے حالات مسلط تھے کہ ہر وقت ڈر، پریشانی، گھبراہٹ رہتی، کہیں کچھ ہو نہ جائے، کسی غلط جگہ، غلط لوگوں میں نہ پھنس جائیں، فکر وتشویش ہر لمحہ گھیرے رہتی اور اب واہموں کا زور کسی اور طرف سے بھی زور پکڑ چکا تھا، کبھی وقت اور حالات اچھے تھے خوشحالی نے ان کے گھر پہ بسیرا کر رکھا تھا تو وہاج سے دوستی محبت کا رشتہ مضبوط تھا خوش شکل اور وجیہہ

ہونے کے ساتھ وہ اپنی تعلیمی ذہانت و ڈگریوں کی وجہ سے بھی اسے ممتاز اور منفرد لگتا، آپس میں دوستی، محبت کے ساتھ کزنز بھی تھے گھنٹوں بیٹھے ہر موضوع پر گفتگو کرتے، ایک دوسرے کی عادتیں اچھی لگتیں خیالات متاثر کرتے، اپنی ہر خوشی ہر ایکسائمنٹ شیئر کرتے مگر اب...... وہ سب ماضی کا حصہ بن چکا تھا، اس نے شدت کرب سے آنکھیں موند لیں۔

میں زندگی کی اداس
وسعتوں میں الجھ گئی ہوں
میں لمحہ لمحہ بکھر رہی ہوں
میرے لہو میں سمٹے جانے کی
اک خواہش سی آگ رہی ہے
ہر ایک تمنا سلگ رہی ہے
تمہیں شریک سفر بنا لوں
لیکن میں دنیا کو جانتی ہوں
کہ میری سوچیں حقیقتوں کے
لہو سمندر میں نہا چکی ہیں
میں سوچتا ہوں
تیرے سارے خواب ریشمی ہیں
تو میری کھدر رفاقتوں کا بھرم
کہیں بھی نہ رکھ سکے گا

اب وقت اور حالات نے ان کے سامنے روپے کے ڈھیر لگانے شروع کر دیئے تھے اور اس روپے نے نہ صرف رویوں کو بدل دیا تھا بلکہ لہجے بھی سرد اور روکھے کر دیے تھے۔

اکثر ملنے پر رویہ اتنا خشک اور بے مہر ہوتا کہ وہ بھلاتے ہوئے نادم ہوتی، وہ پرانی بے تکلفی اور احساس اپنائیت خواب ہو چکا تھا، صرف وہاج نہیں بلکہ خالہ، ثمن، ہما اور آمنہ کا رویہ بھی ایسا ہوتا کہ بلاتے جھجک آڑے آتی ورنہ پہلے کچھ پوچھنے کہنے میں کہاں دیر لگتی تھی اب ان کے اس رویے سے کچھ کہنے یا بولنے کی ہمت ہی نہ پڑتی تھی اور یوں رفتہ رفتہ ملنا ملانا آنا جانا سارے میل جول تقریباً ختم ہو گئے۔

مگر میل جول ختم ہونے سے جینا تو ختم نہیں ہوتا نہ فکریں، پریشانیاں گھٹتی ہیں، وہ اب بھی پہروں بیٹھی اپنی زندگی کے لئے سوچا کرتی اپنے ناساز گار حالات، امی کی طویل تر ہوتی بیماری جویریہ اور ربیعہ کے لئے تعلیم کے ساتھ اچھے رشتوں کی تگ و دو ساتھ شہباز کو سمجھانا، راہ راست پر لانے کی کوشش کرنا پھر وہاج کے موجودہ رویے خالہ لوگوں کی بدلتی ذہنیت کے قصے یہ سب سوچتی تو اک جہنم اس کے اندر چل اٹھتا اپنے دل کو حوصلہ دینا اپنی لرزشوں پر قابو پانا کتنا کٹھن تھا یہ سب بے بسی، غصہ، طیش، انکار اقرار اور ساتھ زندگی کا بھی سامنا کرنا یہ سب کرنا صبر و ضبط کی وہ جس منزل سے گزر رہی تھی کوئی نہ جانتا تھا۔

وہ جیسے تیسے خود کو سنبھالتی کام پر جاتی تھی جویریہ اس کی حالت دل سے واقف اور فکروں، پریشانیوں سے آگاہ تھی، وہ بہن سے بچی پر خلوص ہونے کے ساتھ اس کے جذبات و احساسات سے بھی آگاہ تھی، سوا سے حوصلہ دیتی رہتی، جو اپنی محدود آمدنی میں خون پسینہ بہا کر گھر چلاتی تھی حتی المقدور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتی اور زندگی جواب میں اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کر رہی تھی، وہ چاہتی تھی اریبہ چپ نہ رہے بولا کرے، زندگی سے جو شکوے شکایات تھیں اپنوں کے بدلنے کا جو عذاب سہا تھا اس کے دل نے، مگر وہ پہلے سے بھی زیادہ چپ رہنے لگی تھی اور بنا کچھ کہے سنے خاموشی سے معمول کے مطابق سب امور انجام دیتی، ایک بے جان بے قیمت وجود کی مانند جیتی وہ اندر سے کتنی تنہا اور اکیلی تھی اسے ہنسنے بولنے کی کتنی چاہ تھی کوئی نہ جانتا تھا۔

☆☆☆

God is one ,God is one

خدا ایک ہے، واقعی خدا ایک ہے، اس نے بھیگی نگاہوں سے ایک بار پھر نظر آتی اسکرین پہ چمکتے عربی حروف اور ان کے انگلش ترجمہ کو دیکھا۔

''اس نے کسی کو پیدا کیا نہ خود کسی سے پیدا ہوا۔''

''واحد یکتا خدا جس کا کوئی شریک ہے نہ ہم پلہ۔''

اس نے تو یہ سنا تھا ابتک کہ خدا ئی ہیں ہندو مت میں بھی اور خود عیسائیت میں مسیح کا خدا ہونا، عقیدہ تثلیث یعنی ایک میں تین اور تین میں ایک ہونا اور سب سے بڑھ کر کنواری مریم کو خدا کی ملکہ (یعنی بیوی) ماننے کے ساتھ حضرت عیسیٰ کو ان کا بیٹا مانا جاتا تھا، یہودیت میں بھی حضرت عزیز علیہ السلام کو یہودی خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔

''پھر یہ مذہب کون سا ہے جو ان تمام باتوں کو یکسر رد کر کے خدا کے واحد اور اکیلا ہونے کے ساتھ ہمسر نہ ہونے کا اعلانیہ اظہار کرتا ہے۔''

وہ زندگی میں پہلی بار پڑھ اور سن رہی تھی کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی بیٹا ہے نہ وہ کسی کی اولاد اور دنیا میں کوئی اس کے برابر کا نہیں اور اس حقیقت کو پا کر وہ واقعی دنگ رہ گئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ متن کسی مذہبی کتاب سے لیا گیا ہے کسی ولی پیغمبر یا اوتار کا فرمان ہے یا کسی شاعر کی دلفریب شاعری، لیکن ذرا دیر کو اپنے دل و دماغ کو تعصب سے پاک کر اپنی ذہانت اور سمجھ بوجھ استعمال کر کے دوبارہ یہ کلام و ترجمہ دیکھا اور پڑھا تو اسے جیسے ہر بات سمجھ آ گئی اور بے اختیار اٹھ کھڑی ہونے لگی اپنی جگہ سے مگر پشت پہ حفاظتی بیلٹ بندھے ہونے سے وہ صرف کسمسا کر رہ گئی اور کچھ دیر پر سوچ انداز میں اس نے ذرا پرے جاتی ائیر ہوسٹس کو بے ساختہ پکارا تھا، اپنے مخصوص سبز و سفید یونیفارم میں سر پر بڑے نفیس انداز میں اسکارف کے ساتھ کیپ رکھتے وہ خوش اخلاق لڑکی مسکراتی ہوئی پلٹی اور شستہ انگلش میں پوچھا۔

''Yes mem i can help you?''

''ابھی جو الفاظ آئی مین جو کلام سامنے سکرین پہ دکھایا اور سنایا گیا ہے وہ کیا تھا؟'' ائیر ہوسٹس اسے بہ غور دیکھتے ہوئے نرمی سے مسکرائی پھر انگلش لب و لہجہ میں بولی۔

""یہ آسمانی کتاب ""قرآن مجید"" کا کلام ہے جو دنیا کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری الہامی کتاب ہے بلکہ یہ واحد صحیفہ خداوندی ہے جس میں صدیاں گزر جانے کے باوجود آج تک معمولی سی بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔""

""یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ دیگر صحائف مثلاً زبور، انجیل، توریت اور بائبل میں ہزاروں تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں اور ہر ایک نے اسے اپنے انداز سے لکھا، وہ سب متعدد مصنفوں کے ذہنوں کا شاخسار ہیں تو قرآن اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی قطع برید یا خرد برد سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔"" وہ بے طرح الجھی۔

""کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔"" ائیر ہوسٹس جواب دے کر کسی اور مسافر کی طرف بڑھی اور وہ ایک بار پھر اپنی سوچوں میں غلطاں تھی۔

""اللہ تعالیٰ!"" اس نے بہت آہستگی سے بالکل سرگوشی کے انداز میں لبوں کو حرکت دی، یہودیوں کے بعد یہ دوسری قوم اسے خدا کو اللہ کہنے والی نظر آئی اور اسلام کی پہلی خصوصیت جو چند لمحات قبل اس پر وارد ہوئی، ""توحید خداوندی"" ہی تھی اور اس سے بھی بڑھ کر مسلمانوں کی الہامی کتاب جسے وہ آج تک واحد محفوظ صحیفہ خداوندی مانتے ہیں، اس نے تو ابتک جتنی مذہبی کتابیں پڑھی تھیں سب کو قصوں کہانیوں غیر مربوط پیش گوئیوں اور شاعرانہ انداز کی سوانح عمریوں کا ایک غیر متجانس مجموعہ پایا تھا جنہیں مختلف زمانوں میں ترتیب دیا تھا جن کے الگ الگ منصف تھے اور جن کو ایک سانچہ میں خدا جانے کب اور کس طرح ڈھال لیا تھا، اس چیز نے اس کے اندر اسلام کے بارے میں مزید معلومات لینے کا شوق ابھارا، اسے یہ جان کر بھی خوشی ہوئی تھی کہ اسلام خدا کی وحدانیت کا قائل ہے، جبکہ عیسائیت کے عقیدہ تثلیث سے وہ ہمیشہ چڑا کرتی تھی، تثلیث پر اس کا ایمان نہیں تھا وہ شروع سے حضرت مریم کو خدا کی ماں اور عیسیٰ کو خدا کا بیٹا تسلیم نہیں کرتی تھی، نہ یہ مانتی تھی کہ حضرت عیسیٰ نے ہمارے گناہوں کے کفارے کی خاطر جان دی، آرامی زبان میں حضرت عیسیٰ کی طرف جو قول منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے صلیب پر کہا تھا۔

""خدایا! خدایا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔"" وہ کبھی بھی اسے درست نہیں مانتی تھی، حضرت عیسیٰ کو بخوبی علم تھا کہ وہ پیغمبر بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں، ایسے میں وہ ایسا کیونکر کہتے اور ""اب اللہ پاک ہے"" یہ وہ جملہ تھا جو بار بار اس کے دل پر دستک دیتا اور ذہن میں گونجتا تھا، جبکہ ایک اور چیز بھی دل و دماغ کے بند دروازوں پر دستک دے رہی تھی وہ اسلام کے بارے میں ابتک پڑھی، سنی جانے والی باتیں تھیں، جو عربوں اور مسلمانوں کو بنیاد پرست، انتہا پسند، صنف نازک کے حق میں جلاد، مذہبی جنونی اور دہشت گردوں کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں اور یہ نوع بہ نوع غلط فہمیاں یا معلومات اس کے ذہن میں راسخ ہو چکی تھیں ویسے بھی ابتدائی اور ثانوی جماعتوں میں اس نے یہی پڑھا تھا کہ اسلام ایک فرسودہ مذہب ہے جو تلوار کے زور پر پھیلا، ایسے میں خود کو مطمئن کرنا اور اسلام جیسے مذہب کے لئے ریسرچ بحث و مباحثہ ایک کوشش فضول لگتی تھی، اس نے چند منٹ خود کو پرکھا۔

وہ یقیناً مضبوط دل و دماغ کی لڑکی تھی، تنگ خیالی، تنگ نظری سے پرے ایسی وسیع ذہن لڑکی

جو تعصب کی شدید مخالف تھی اور صرف اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ کل بنی نوع انسان کے ساتھ خواہ وہ کیسی بھی مذہب وملت سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں، مروت، محبت، ہمدردی اور اتحاد انسانی کی قائل تھی بنا کسی تفریق کے اور اسی سلسلے میں اس نے عیسائیت کو چھوڑ کر کئی سال یہودیت، ہندو دھرم، بدھ مت جین مت کی تحقیق و تفتیش میں لگ دیے، کتنے برس لگے تھے اسے سیر وسیاحت کے ذریعہ متعدد ممالک کی خاک چھانتے ان مذاہب کے تقابلی مطالعے اور روحانیت کی تلاش میں، ان کے مروجہ عقائد ورسومات پہ بحث مباحثہ کرتے ہوئے اس نے ان گنت گھنٹے تکلیف میں بسر کیے تھے، اپنے راحت و آرام کو قربان کر کے وہ پاگلوں کی طرح ان مذاہب کی تعلیمات اور پیروؤں کے دعوے وعقائد پرکھتی اور زمانہ دراز کے بعد اسے احساس ہوا کہ کئی کئی گھنٹوں کی گفتگو بلکہ بعض اوقات اپنے ہی ہمدرد ساتھیوں سے گرما گرم بحث مباحثہ بے معنی ہے ہر مذہب میں بعض باتوں کی کشش کے باوجود خدا کی ہستی پر یقین رکھتی تھی اس کا وجدان کہتا تھا کہ ""ہے کوئی اعلیٰ اوصاف کی حامل، بزرگ و برتر ہستی جو تنہا کائنات وہستی کے اسرار و رموز سے واقف اور ان کی تقدیروں کی مالک ہے، اگرچہ توحید کا عقیدہ اسے کہیں نہ ملا تھا اور اس نے پچھلے ماہ سے مختلف مذاہب کی چیدہ چیدہ کچھ باتیں لے کر اپنا ایک الگ معجون سا مذہب بنالیا تھا اور اسی میں مگن تھی۔

اب اسے ایکدم سے اسلام میں دلچسپی ہوگئی وہ اس کو جانچتے، پرکھتے، دیکھتے ہوئے درست معلومات اور مکمل آگاہی حاصل کرنے کی خواہش مند ہوگئی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ بے دین مر کے اپنی مغفرت کھو دے اور مذاب کے حوالے سے اس کے ذہن میں کوئی خانہ کوئی بات غیر مبہم یا دھندلی رہے اور یہ صرف اسی صورت ممکن تھا جب وہ اپنے دل و دماغ کو تعصب سے پاک کر کے اچھے برے میں تمیز کر سکتی۔

اس وقت وہ جلد از جلد سرزمین پاکستان پر قدم رکھنے کی شائق تھی جسے اس نے پہلے سے ہی دہشت گرد لوگوں کا گڑھ سن رکھا تھا، وہ یہاں کے مسلمانوں کو دیکھنا چاہتی تھی، جن کے مرد لمبی داڑھیوں چوغہ نما لباس پہلے خشونت ورعونت کی تصویر بنے شیطانی مذہب کی پیروی کرتے سنے تھے اس نے، پھر وہ یہاں کی عورتیں دیکھنا چاہتی تھی جن کے متعلق اس نے سنا تھا کہ سیاہ برقعوں میں ملبوس اپنے حقوق و آزادی سے ناآشنا وہ جانوروں جیسا تشدد اور سلوک برداشت کرتی ہیں۔

یہ سنی سنائی باتیں کچھ تنگ ذہن مغربی فلاسفروں کے تجزیے، خودساختہ مشاہدے کتنے درست تھے اگلے دنوں میں اسے اندازہ ہونے والا تھا فی الحال وہ پائلٹ کی آواز سننے لگی جو سب مسافروں کو کراچی کے انٹرنیشنل ائیر پورٹ پہ فلائٹ لینڈ کرنے کا مژدہ سنا رہا تھا۔

☆☆☆

""بیوی کیا ہوتی ہے محبت کسے کہتے ہیں، آپ کا ان جذبوں اور رشتوں سے کوئی واسطہ ہی نہیں کیونکہ یہ سب آپ نے اپنا جھنڈا اونچا رکھنے کو کیا ہے اور مجھے اس غرض کی محبت کو برتنے یا بن مرضی کی قید میں زندگی گزارنے کا کوئی شوق نہیں اور ایک بات جان لیں کہ نام کے رشتے بنا کر رشتے برتنا نہیں آجاتے، رشتوں کو نبھانے بنانے سنوارنے اور برتنے کے لئے جس خلوص اور بے

غرضی کی ضرورت ہوتی ہے وہ آپ میں ناپید ہے اور یہ مت سمجھیئے گا کہ میں نفس کی غلام بن کر ایک اشارے پر آپ کے سامنے زیر ہو جاؤں گی لاکھ مجبور سہی مگر اتنی بے بس اور کمزور نہیں ہوں۔'' کتنی بے خوف ہو کر ہر قسم کے نتائج سے بے پرواہ بولی تھی اور شہریار لب بھینچے درشت انداز میں اسے دیکھے جارہا تھا جس کا چہرہ اس وقت ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا آنکھوں میں آنسو تھے اس پل نہ خوف کی لہر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی وہ پہلے سے کتنی مختلف لگی تھی، شہریار حتی الامکان خود پر قابو پاتا اپنے اعصاب کو سنبھالتا اس کا ہاتھ تھامنے لگا تو سعیہ نے وہ ہاتھ پوری قوت اور ناگواری سے جھٹکا تو شہریار کا چہرہ احساس توہین سے سرخ ہوا تھا، مٹھیاں بھینچ گئیں، سارے نرم گرم جذبات جیسے بھک سے اڑے تھے اور غصے کے مارے ماتھے کی سبز رگیں واضح دکھائی دینے لگیں۔

تلخی، غصہ، نفرت کبھی بھی اس کی سرشت کا حصہ نہیں رہے تھے وہ بہت برداشت رکھتا تھا مگر اتنی بھی نہیں کہ اپنے رحم و کرم پر کھڑی اس چھٹانک بھر کی لڑکی کے ہاتھوں اپنی عزت نفس رولتا، وہ تو محبت کے نام پر اس کی طنز پر تش سہہ رہا تھا اور کیا سمجھ رہی تھی وہ اسے کہ اپنے فطری جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ یہ سب کر رہا ہے یہ سوچ اور اس کا اظہار سعیہ کے منہ سے سنا اسے اپنی شدید توہین اور گالی کے مترادف محسوس ہوا اور یہ ناقابل برداشت تھا اشتعال کی اک تیز لہر اسے بے قابو کر گئی مگر خود کو کسی بھی جارحانہ اقدام سے روکتا وہ ایک بار پھر مصلحت کی انگلی تھام بیٹھا اسے بڑے سبھاؤ سے وقت کو اپنے لئے اپنے حق میں ہموار کرنا تھا شدید دکھ اور غصے کا شکار ہونے کے باوجود کچھ ایسا کہنا تھا ایسا کرنا تھا جو اس کے سکون کو بھی غارت کرتا اس کا اطمینان بھی تہہ و بالا ہوتا، وہ جب اسے اہمیت دینے کو تیار نہیں تھی تو وہ کیوں خود کو کم اہمیت اور ارزاں کیے دیتا، اسی لئے پورے کا پورا اس کی طرف گھومتا وہ اس کے مقابل کھڑا ہوا اور پھر بڑے اطمینان سے بولا تھا چند لمحوں کے توقف کے بعد۔

''بات یہ ہے تم بھلے دل و نگاہ کی پہلی طلب و محبت سہی مگر اس کے لئے نہ تو مجھے کسی دکھاوے کی ضرورت ہے نہ نام نہاد توجہ لینے دینے کی اور تمہیں تو یہ بات سمجھانے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ انسان کو بہت کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی محض مجبوری کے تحت کرنا پڑتا ہے۔'' اپنی خوشنما آنکھوں کو جنبش دیتا بولتا کتنا پرسکون تھا وہ، سعیہ کی آنکھوں میں اک تحیر آمیز بے یقینی چھلکی جو شہریار کے دل میں مزید طمانیت بھرنے لگی۔

''اگر یہ رشتہ یہ تعلق آپ کو مجبوری لگ رہا ہے اور آپ خود کو اس مجبوری کے تقاضے نبھانے پہ تیار نہیں کر پا ئیں تو اتنا شائق میں بھی نہیں کہ بلاوجہ اور خواہ مخواہ میں لائحہ عمل بنائے جاؤں ویسے بھی جب فاصلے سمیٹنے کے ارادے ہی نہ ہوں تو وہ سمیٹے بھی نہیں سمٹتے آپ چینج کر کے سو سکتی ہیں۔'' اور بہت عجیب تھا یہ اس بے بیزاری کے باوجود کسی بھی قسم کی خواہش و توقع نہ رکھتے ہوئے بھی اس کے الفاظ نے سعیہ کو شدید قسم کی تکلیف دی تھی، کتنے آرام سے جتا دیا تھا کہ اگر وہ طلبگار نہیں تو جذبات دوسری طرف بھی سرد ہیں، سرخ پتیوں سے سجے بیڈ کے عروسی بستر پر بیٹھے وہ اپنے آپ کو اہانت و ذلت کے گہرے احساس میں گڑی محسوس کر رہی تھی، کتنے سکون سے وہ اس کی پرواہ کیے

بغیر لیٹ چکا تھا وہ ششدر تھی بلکہ اس کی تو ساری تیزی طراری بھک سے اڑ چکی تھی، کچھ دیر پہلے کا غصہ بیزاری تلخی اور شہریار سے دور رہنے کے طریقے سب جیسے موجودہ لمحات کی کھلی تذلیل تلے دب چکا تھا، شہریار جواباً اسے اتنی آسانی سے اپنی بے رغبتی یا اجنبیت کا نشانہ بنا سکتا ہے بنا کسی معافی تلافی یا منت سماجت کے اس کا وار اس پہ پھینک کے اس قدر آرام سے اس کی نفی کر سکتا ہے وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی، جس کا نازک و کومل سراپا پور پور اس کے لئے سجا تھا وہ بے درد بے مہر اور سنگدل بندہ جس کا صبر و برداشت وہ اپنی ناگواری سے آزما رہی تھی، وہ جواباً اپنی سنجیدگی و سرد مہری سے اس کے حواس مختل کرتا اسے شاک، بے یقینی اور صدمے کی حالت میں چھوڑ کر خود سو چکا تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا اس بندے کو جھنجھوڑ کر اٹھا دے اور اس کا گریبان تھام کر پوچھے، ''کیا کمی ہے مجھ میں جو تمہیں دور کرتی ہے۔'' وہ وارفتہ نگاہیں وہ پرشوق انداز سب دھوکہ، کج ادائی کا حصہ تھے اصل حقیقت تو یہ ناقدری ہے کہ وہ اسے بے وقعت جان کر منہ موڑ چکا تھا، بھلے یہ شادی اس نے کیسی ہی مجبوری کے تحت کی ہو اور سعیہ نے کسی بھی مصلحت کے تحت حامی بھری ہوتی تو اس کی بیوی اور وہ بھی من چاہی پھر اتنی جلدی گریز اپنا نا کیا وہ اسے اپنے قرب کے قابل نہیں سمجھتا تھا وہ خفت خجالت سے زمین میں دھنستی جارہی تھی۔

''اگر تمہارا یونہی مراقبے میں گم رہنے کا ارادہ ہے تو لائیٹ آف کے نائیٹ بلب جلا دو مجھے سونا ہے۔'' چند لمحوں بعد وہ چہرے کا رخ پھیرے بغیر ناگواری سے بولا تو سعیہ کا ضبط جیسے جواب دے گیا وہ چیخ کر بولی۔

''آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے، آپ کا دوغلا چہرہ میں سب کو دکھا دوں گی۔'' اور شہریار جھٹکے سے اٹھ بیٹھا ایک پرسکون سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی سحر طراز آنکھوں کو جنبش دیتے بولا۔

''اپنی ہر بات ہر الزام کا جواز بھی تمہی کو پیش کرنا ہوگا، میں تو کسی کے سامنے جوابدہ ہو نہیں سکتا، آفٹر آل سب کی گڈ بکس میں ہوں اور مجھ میں کیسی برائی یا بے اعتنائی کا تم چرچا بھی کرو تو کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔''

سعیہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی تھی کتنا شاطر تھا وہ شخص اپنے بچاؤ کے تمام داؤ موقع پر کھیلنے والا اور وہ اپنے معصوم سے مان و تفخر کو اس در پہ کھو بیٹھی ملال سا دل کے اندر اترنے لگا تو آنکھوں میں پھیلتی نمی سامنے بیٹھے شاندار سے شخص کے وجیہہ نقوش دھندلانے لگی اور وہ اپنی نمی کو پیچھے دھکیلتی لہجے کو سوگوار ہونے سے بچاتی بولی۔

''یہ دھوکہ دہی، یہ چالبازیاں یہ پلاننگ یہی ہے آپ کی محبت اسی محبت کا زمانے بھر میں ڈھونڈورا پیٹ کر مجھے پابند سلاسل کیا ہے۔''

''محبت'' وہ بھنوؤں کو خفیف سی جنبش دیتا اسے بہ غور دیکھتا بڑی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''تم نے میری محبت کو ابھی برتا کہاں ہے جو پرکھا ہے وہ غلط ہے۔''

''ابھی تک تو آپ نے اپنی چالاکیاں دکھائی ہیں وہ منصوبے ساز ذہنیت جو پلان میکرز کی ہوتی ہے محبت کو برتنے کا موقع کب دیا ہے۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''تم نے موقع مانگا کب ہے۔'' اس کے غصہ سے محظوظ ہوتا وہ برجستگی سے بولا تو سعیہ کو جیسے

کرشان کی ذات نے آمیز اور بے سوچے سمجھے والی زبان پہ بے طرح غصہ آیا کہ وہ اپنے دفاع میں مزید کچھ کہہ بھی نہ پائی پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''یہ رشتہ میں نے بہت سی محبتوں کو کرائسس سے بچانے کے لئے کسی ذلت کی طرح قبول کیا ہے مجھے اتنے سستے جذبات کی مالک یا نفسانی خواہشات کی غلام نہ سمجھیے، جو جذبات کے غلبے میں بہہ کر آپ کے نفس کی تسکین کر دے۔'' اپنے تئیں اس نے اچھا جواب دیا تھا، جبکہ شہریار بہت آرام سے بولا تھا۔

''اگر یہ رشتہ تمہارے لئے ناپسندیدہ ہے تو بہت سی مصلحتوں نے مجھے بھی پابند کر رکھا ہے اور کسی بھی تعلق کو بے ایمانی سے پروان چڑھانے کا میں بھی ہرگز قائل نہیں، مگر ہے ناں کہ بہت کچھ ان چاہا محض اوروں کے لئے کرنا پڑتا ہے، تو اب تک جو ہوا سو ہوا آج کیا اس معاملے میں قصوروار یقیناً میں تنہا نہیں اس کے باوجود تمہارے جذبات کا پاس رکھنے کی میں کوشش کرتا مگر تم......'' وہ رکا پھر یک لخت شانے اچکاتے بولا۔

''او کے ایز یو وش۔''

اور اگلے پل مین لائیٹ آف کر کے نائٹ بلب جلاتا وہ کروٹ بدل کر سو چکا تھا۔

اسے سمجھ نہ آئی کیا تھا یہ شخص، اس کے رویے سے کیا اخذ کرے اس کڑی آزمائش سے کیسے نکلے اس کی آنکھیں بھر آنے لگیں، جاگتی جلتی کڑھتی وہیں بیڈ کے کونے میں گھٹنوں پر سر رکھے وہ بے آواز روتی رہی اور شہریار بے خبر سوتا رہا۔

☆☆☆

''فرسٹریشن ایسی چیز ہے جس سے ذہن پر دباؤ کی قوت بہت زیادہ عمل کرتی ہے اور یہ انسانی ذہن کو براہ راست متاثر کرتی ہے، خاص کر اس صورت میں جب مریض بلڈ پریشر اور دل کی بیماریوں جیسے امراض میں مبتلا ہو تو کوئی بھی حد درجہ کیفیت کی مشکل غیر متوقع یا اچانک ہونے والی ایسی بات جو فرد کے لئے معاشرتی سماجی سب سے بڑھ کر ذاتی اور ذہنی نقصان وصدمے کا باعث بنے تو اس کی شریان دماغی پھٹنے یا دل کا دورہ پڑنے کا خدشہ ہوتا ہے ورنہ وہ اپنے اعصاب وحواس کو مختل محسوس کر کے ہوش کھو بیٹھتا ہے اور آپ کی والدہ ذہنی جسمانی مدافعت میں کمزور ہو کر یہ (Obslacle) میں پھنس چکی ہیں، ابھی تک ان کو ایسی دوائیں استعمال کروائی جاتی رہی ہیں جو انہیں زیادہ دیر خوابیدہ رکھیں اس چیز نے ان کے اعصاب ونروز کو زیادہ کمزور تر کر دیا ہے اور ہو سکتا ہے یہ کمزوری بڑھ کر انہیں لقوہ یا فالج جیسی کیفیت سے دوچار کر دے۔''

ڈاکٹر نے جتنی سنجیدگی و دھیان سے نجمہ بیگم کی کیس ہسٹری پہ بات کرتے ہوئے آخری بات کہی وہ اریبہ کو ایک لخت حواس باختہ کر گئی، محض دماغی کیفیت میں معذوری ہی ان کے لئے والدہ کو سنبھالنے اور علاج کروانے میں سخت ثابت ہو رہی تھی مزید کوئی اور پریشانی ایک نئی مشقت کا باعث بنتی جو یقیناً پہلے سے زیادہ دشوار تر ہوتی۔

''اس حالت میں جانے سے روکنے کے لئے ان کے لئے کوئی بہتر کوشش نہیں ہو سکتی، کوئی ایسا تدارک جو انہیں کچھ نہ کچھ صحت مند رکھے۔'' وہ اپنے آپ کو مایوسی میں گھرنے سے بچانے کو

بولی تو ڈاکٹر نے اک خالص پروفیشنل مسکراہٹ سے دیکھا پھر کہا۔

''کچھ دوائیں ہیں جو سٹریس پیدا کرنے والے کیمیکلز کی مقدار زیادہ ہونے سے روک سکیں اور انہیں استعمال کروا کے صحت مند دماغی خلیات کو پہنچنے والے نقصان سے کسی حد تک مریض کو بچایا جا سکتا ہے۔''

''تو یہ دوائیں ہم اپنی والدہ کو دے کر دیکھ سکتے ہیں۔'' وہ اک امید لئے بولی۔

''یقیناً اگر وہ دستیاب ہوں تو...... کیونکہ فی الحال ایسی ادویات صرف بیرون ممالک ہی استعمال کروائی جا رہی ہیں اور پاکستان میں یہ کسی معیاری میڈیسن کمپنی کے تھرو منگوائی جا سکتی ہیں یا کسی گورنمنٹ ہسپتال کے میڈیکل آفیسر کی ریکوائرمنٹ پہ مگر یہ بھی خاصا مشکل عمل ثابت ہوگا آپ کے لئے کیونکہ ایک تو اس پہ ایکسائز ڈیوٹی بہت پڑے گی پھر یہ ادویات بہت مہنگی ہیں کم از کم آپ کی قیمت خرید سے باہر۔'' ڈاکٹر نے جلد ہی اسے حقائق سے آگاہ کیا تو وہ پھر دیر کو بالکل چپ رہ گئی۔

''ویسے میرا ہمدردانہ مشورہ ہے کہ آپ اپنی والدہ کو کسی سرکاری یا نجی ویلفیئر ٹرسٹ کے حوالے کر دیں کیونکہ انکی مزید بگڑتی دماغی حالت اور گرتی جسمانی صحت پھر مہنگی ادویات یہ سب آپ کی استطاعت سے باہر ہے۔'' اب ڈاکٹر نے ازراہ ہمدردی کہا تو وہ اک گہری سانس بھرتی خالی خالی نظروں سے اپنی پاگل ماں کو دیکھنے لگی جو ہر احساس سے خالی چہرہ ہر تاثر سے مبرا آنکھیں کسی غیر مرئی چیز پہ جمائے گم سم بیٹھی تھی۔

پاگل سہی مگر ماں تو تھی اک بے نام تحفظ اور مضبوطی کا احساس تو تھا گھر کی چادر دیواری میں ان کے وجود سے، بھلے وہ کسی بے کار شے کی طرح پڑی رہتیں پر بیٹیوں کے لئے بہت کارآمد تھیں کہ جن کو سب نے نظروں میں بے رکھا تھا تیر، طعنوں، تشنوں باتوں کے گھاؤ دیے تھے اور اگر ماں نام کا وجود بھی نہ ہوتا تو وہ ہر ایک کے لئے مال مفت ہو جاتیں کہ بھائی تو اپنی بری عادات کے سب گھر کے تمام فرائض ومسائل سے بے پرواہ ہو چکا تھا ایسے میں ماں کو وہ کیسے گھر سے کہیں اور چھوڑ آئیں، طیبہ اچھی دوست ہونے کا حق ادا کر کے کئی بڑے ڈاکٹرز اور نیوروسرجنز کو ان کی والدہ کو دکھا چکی تھی مگر سب کا خیال یہی تھا کہ انہیں اس اسٹیج پہ مینٹل ہاسپٹل چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے اور یہ فیصلہ اریبہ کے لئے موت کے برابر تھا وہ ماں جس نے انہیں اپنے خون سے سینچا پیدا کیا پالا روتے دیکھ کر آنسو پونچھے، ڈرتے پا کر گود میں چھپایا، رنجیدہ پا کر دلاسہ دیا چھوٹے چھوٹے ہاتھ پکڑ کر لکھنا سکھایا پھر بال سنوارنا اور کپڑے پہنانا اچھا کھلانا پیار محبت، شفقت کس چیز کی کمی تھی بھلا ان کی زندگی میں محبت اور مروت کے ہاتھوں ماری دھیمے مزاج کی ماں، وقت وقسمت کے ہاتھوں آج اگر بیمار اور مجبور تھی تو وہ اولاد ہو کر اپنی وفاداریاں کیسے تبدیل کر لیتی، یقیناً اریبہ جیسی حساس اور ہمدرد لڑکی کے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا، پھر وہ کیا کرتی؟ یہ سوال تمام تر موجودہ صورت حال سے بھی زیادہ پریشان کن تھا، وہ اس پہلو پہ جتنا سوچتی اتنا الجھتی، کسی اپنے سے مدد طلب کرنے کا خیال دل میں آتا تو دھیان کے زاویے بار بار وہاج حسن کی طرف مڑتے، مگر ان دنوں اس کا سلوک اتنا بیگانہ رویہ سرد تھا کہ اسے اپنی سوچ کی خود ہی نفی کرنا پڑ جاتی جبکہ ایک اکیلی اس کی

ساتھ کروا پاتی خود اپنے کپڑے جوتے کا خیال رکھنا بھی اس کی اولین مجبوری تھا کہ جاب پہ جنے کے ساتھ اچھا یا ماڈ نہ سہی مگر صاف ستھرا اور قدرے بہتر نظر آنا ایک فطری سی خواہش تھی، پھر وہ تو شروع سے بہت خوش لباس اور نفیس طبع رہی تھی، اب بھی مہنگے نہ سہی پر جدید طریقے سے سلے درمیانہ درجہ کا کپڑا اس کے زیر استعمال رہتا۔

ربیعہ نے ریگولر تعلیم چھوڑ کر گھر پہ پرائیویٹ تیاری شروع کر دی تھی اس کی دیکھا دیکھی جویریہ نے بھی کالج کو خیر باد کہہ کر گھر رہنا بہتر سمجھا۔

کیونکہ ماں کو ہر وقت دیکھنے اور سنبھالنے کے لئے ان دونوں کا گھر رہنا ضروری تھا اریبہ اپنی جاب کی مجبوری کی وجہ سے یہ فریضہ ادا کرنے سے قاصر تھی کہ پورا گھر اسی کی محنت سے چلتا تھا اگرچہ وہ جویریہ اور ربیعہ کے کالج چھوڑنے کے حق میں نہ تھی، مگر موجودہ حالات میں سوائے اس کے کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔

ہاں یہ ضرور فائدہ ہوا تھا ان کے گھر رہنے سے اب امی اسے واپسی پہ نکھری ستھری حالت میں ملتیں، ناخن کٹے ہوئے بال سنوارے ہوئے کمر، کاندھوں اور بازوؤں ٹانگوں کی مالش ہوئی ہوتی اور سب سے زیادہ صد اطمینان بات یہ تھی کہ وہ اب زیادہ تنگ نہ کرتیں بلکہ آرام سے سب کروا تی جاتیں، جو پہلے قول یا غصے ہیجان میں ناگوار رویہ اختیار کرتی تھیں بہت کم ہو چکا تھا اسی وجہ سے انہیں خواب آوار ادویات دینے کی ضرورت کم ہی پڑتی۔

''ڈاکٹر کے مطابق یہ خاموشی تندرستی نہیں مزید بیماری کا پیش خیمہ تھی کیونکہ سائیکی تحقیق کے مطابق ہیجان کے مریض اکثر شدید ترین اضطراری حالت میں جانے سے قبل عموماً ایسی خاموشی اور گم صم کیفیت کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کی ہر کیفیت میکانکی، غیر ارادی اور خودکار ہوتی ہے اور کسی بھی قسم کے جبر سے ان میں ترمیم نہیں لائی جا سکتی اور اس کے زیر اثر فرد اچانک ایک شدید قسم کا ہیجانی اشتعال محسوس کرتا ہے تو کسی خاص قسم کی فعالیت کے نتیجے میں وہ ایسے نتائج ظاہر کر دیتا ہے جن کا تعلق یا علم نہیں ہوتا۔'' اریبہ کو نہیں علم تھا کہ ماں کی Nervous weekness انہیں کس موڑ تک پہنچانے والی تھی یا وہ آگے کیا مشکلات دیکھنے جا رہی تھی فی الحال اسے ان کی خاموشی بہت پرسکون اور غنیمت محسوس ہو رہی تھی۔

وہ بہت حد تک خود کو سنبھالتی مضبوط کرتی اپنی جاب کا یہ مہینہ پورا کرنے کے ساتھ کئی اور جگہوں پہ بھی اپلائی کر رہی تھی، کیونکہ طیبہ کے والد بزنس وائنڈ اپ کر کے دوبئی جانے والے تھے اور وہ پہلے سے کسی جاب کی تلاش میں تھی تا کہ وقت پہ اسے زیادہ دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے، اس کی پریشانی کا طیبہ کو دور جا کر بھی احساس تھا اور وہ بذریعہ نیٹ اس سے رابطہ رکھتی اس کے گھریلو حالات والدہ کی کیفیت سے بھی آگاہی رکھتی پھر طیبہ کے والد نے ہی جانے سے قبل اس کے لئے ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں اچھے عہدے پہ جاب کا بندوبست کر دیا تھا اور آفس کی جانب سے اچھا الاؤنس بھی ملا تھا جسے بہت سوچ سمجھ کر اس نے بینک میں جمع کروا دیا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ ہر ماہ کچھ نہ کچھ رقم پس انداز کر کے علیحدہ سے اسی اکاؤنٹ میں رکھتی جائے گی تا کہ کل کو جویریہ اور

ربیعہ کے رشتے ہوں تو ان کی شادی اور جہیز کے اخراجات کے لئے اس کے پاس ایک اچھی نہ سہی خاطر خواہ رقم ضرور موجود ہو۔

مگر ماں کی یکدم بگڑتی ہیجان انگیز طبیعت و رویہ کی اشتعال آمیز شدت نے اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے اس کا مستقبل محفوظ بنانے اور کچھ نہ کچھ رقم پس انداز کرنے کا سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا اور وہ سب بھلا کے ایک بار پھر ڈاکٹرز سے رابطوں میں مصروف ہو گئی، زندگی ایک بار پھر اس کی سلگتی گرم دوپہر کی مانند محسوس ہونے لگی، گر یہ رخ بھی اسے ہی جھیلنا تھا کہ یہ اس کی زندگی کا حصہ تھا۔

کوئی صورت نہیں ہے زندگی سے بچ نکلنے کی
غم و آلام کے ماروں کو بھی مرنے نہیں دیتی

☆☆☆

قائداعظم انٹرنیشنل ائیر پورٹ کے رن وے پر جب ان کا جہاز اترا تو اندھیرا خوب پھیل چکا تھا پھر بھی ٹارگٹ کلنگ اور کراچی کے حساس حالات کی وجہ سے انہیں خصوصی سیکیورٹی اور حفظ ماتقدم کے طور پر ویٹنگ روم کے الگ پورشن میں بٹھایا گیا سب کو ان کی طلب کے مطابق مشروب کوک یا کافی جسے جو پسند تھا دیا گیا جس خوف و دہشت کے سائے میں لپٹے وہ سب یہاں تک آ پہنچے تھا وہ دل کے اندر کنڈلی مارے بیٹھا تھا، خواہش کے باوجود وہ اٹھ کر ائیر پورٹ کو دیکھنے یا گھومنے کے موڈ میں بالکل نہ تھیں دورہ پاکستان کے لئے ان کے وفد میں دو اور ینگ لیڈی ڈاکٹرز اور میڈیکل آفیسرز اینجلا مارشل اور جیفر لوسن سیدھی نیوزی لینڈ سے پہنچی تھیں ان کی آپسی ملاقات اسی ائیر پورٹ پہ ہو گئی اور اب ان سب کا وفد معہ ان دونوں کے آدھ گھنٹہ بعد اسلام آباد روانہ ہونے والا تھا۔

حالانکہ ان کی خواہش تھی کہ وہ کچھ دن کراچی میں سٹے کریں سمندر دیکھنے سی فوڈز کھانے اور یہاں کا کلچر دیکھنے کا شوق انہیں بہت تھا مگر نیوزی لینڈ کی حکومت کے اپنے شہریوں کے لئے کچھ تحفظات تھے جو پہلے کلیئر کر دیئے گئے تھے سو ان کی یہ استدعا یہاں آمد سے قبل ہی رد کر دی تھی، البتہ ماریا جوزف اپنے فطری تجسس کے باعث کچھ دیر بعد اٹھ کھڑی ہوئی اس کا ارادہ یہاں کے ماحول کا جائزہ لینے کا تھا۔

اس کی دیکھا دیکھی اینجلا جیفر اور کیتھرین بھی ساتھ ہو لی ویٹنگ روم میں بیٹھے کچھ باریش لوگ اسے ٹھٹکا گئے اگرچہ یہاں کلین شیوڈ لوگ بھی تھے حجاب میں ملبوس عورتیں تھیں تو قدرے ماڈرن لک دیتی ننگے سر پھرتی خواتین بھی مگر اپنے اندرونی خوف کے پیش نظر کیتھرین تو آگے بڑھنے کو بالکل تیار نہ تھی، اس کے اندر وہم سرسرایا۔

''کیا خبر ان میں کوئی بمبار چھپا بیٹھا ہو اور ہم جو ایک تحقیقی و معلوماتی سیاحتی ٹوئر کے شوق میں اس خطرناک جگہ آ پہنچے ہیں ہمارے گھر والوں کو صرف ہماری لاشیں ملیں اور کیا خبر لاشیں بھی کٹی پھٹی ہوں۔'' یہ اذیتناک موت اور اس کا تصور اتنا خوفناک تھا کہ وہ بے ساختہ مڑی۔

''کیتھی واپس کیوں جا رہی ہو؟'' ماریا نے پکارا۔

"ٹائم بہت شارٹ ہے ہمیں اپنے بیگز سنبھالتے ہوئے اگلی فلائیٹ کے لئے تیار رہنا چاہیے۔" بہت سے متوقع سوالوں سے بچنے کو وہ بولی۔

"کم آن کیتھی ابھی پورے پندرہ منٹ ہیں۔" اینجلا نے کہا۔

"آئم سوری مجھے بھوک بھی لگ رہی ہے۔"

"پلین میں اتنا کچھ کھا چکنے کے بعد بھی ایسی شوقین بسیار تو تم کبھی نہیں رہیں۔" ماریا کچھ حیرت سے بولی۔

"اوفوہ ماریا سمجھا کرو، مجھے کچھ اچھا محسوس نہیں ہو رہا پلیز تم یہ ایکیوپٹی وائنڈ اپ کرو اور آ جاؤ ایسا نہ ہو کہ ذرا سا تھرل عمر بھر کے نقصان سے دوچار کر دے۔" اس بار وہ کچھ جھلا کر دبے دبے انداز میں بولی تو وہ تینوں اک گہرا سانس خارج کرتیں کاندھے اچکاتیں ڈھیلے قدموں سے پلٹ آئیں اور کچھ دیر بعد وہ پھر سے روانہ تھے اسلام آباد میں نیوزی لینڈ کے سفارتی عملہ کو ان کی آمد کی اطلاع تھی سوائیر پورٹ پہ سفارتی عملہ کے ساتھ کچھ اعلیٰ پاکستانی شخصیات بھی ان کے خیر مقدم کو موجود تھیں، اپنے فضائی میزبانوں کے اچھے اخلاق اور نفیس طبع اطوار اچھے بہترین لوازمات طعام کے ساتھ ایک خوشگوار اور ذہن کو مطمئن کرنے والے ویوز لئے وہ اپنے استقبال کو آنے والے لوگوں سے خوشدلی سے مل کر سرکاری پروٹوکول اور سیکیورٹی کے ساتھ اپنے لئے بک کیے گئے اسلام آباد کے مہنگے ترین ہوٹل میں پہنچی تھیں چونکہ سفر کے دوران وہ سب اتنا کچھ کھا چکے تھے کہ اب کچھ طلب نہ تھی سوائے آرام کے تو انہیں ان کی خواہش کے مطابق آرام دہ نیند کے لئے Holiday im کے خوبصورت ڈیکوریٹڈ اور اعلیٰ انتظام و احترام کے ساتھ مختص کردہ وی آئی پی رومز میں پہنچا دیا گیا تھا۔

اپنے خوف کو پس پشت ڈالتے ایک طویل اور پرسکون نیند کے اختتام پر بیدار ہوئے تو اسلام آباد کے خوبصورت موسم میں چمکتا دوپہر کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا، نیوزی لینڈ کا موسم بے حد سرد تھا تو چین کا درمیانہ مزاج لئے جبکہ انڈیا کا قدرے خشک و سرد تر اور اسلام آباد کے موسم میں انہیں شدید نوعیت کی خنکی اور ٹھنڈی سردی محسوس ہوئی جو دن روشن ہونے کے باوجود ہڈیوں کو سنسناتی محسوس ہو رہی تھی گرم ملبوس پہنے ناشتے سے فراغت کے بعد وہ سب ہوٹل انتظامیہ کی اجازت سے چھت پہ چلے آئے یہاں سب سے اوپر کی منزل پہ کھڑے ہو کر دیکھتے ہوئے اسلام آباد کا بہت خوبصورت ویو نظر آ رہا تھا، اس سرسبز و شاداب شہر کی صدیوں پرانی تاریخ اور دلکشی کے بارے میں انہوں نے بہت کچھ پڑھ اور سن رکھا تھا مگر یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھنا ایک الگ ایکسائٹمنٹ تھی، دوربین آنکھوں سے لگائے وہ سب اس نظر آنے والے ویو کو دیکھ رہے تھے اسی شام گورنمنٹ آف پاکستان کی جانب سے عشائیہ دیا جانا تھا اور عشائیے میں ان کی ملاقات پاکستانی سکالرز، محقق، دانشوروں طبی ماہرین سرجنز اور ڈاکٹرز سے کروائی جانی تھی یقیناً اس کا اہتمام اگر پرتکلف تھا تو ان کا جوش بھی دیدنی تھا بقول ماریا کے بھلے پاکستان کو دہشت گردی کا گڑھ یا خطرناک علاقہ مانا جاتا مگر اس کو جاننے دیکھنے اور پاکستانیت و اسلامیات کو پرکھنے کا تجربہ بھی یقیناً سب سے ہٹ کر اور دلچسپ کام تھا، سوطب و سائنس جیسے خشک و بور مضامین سے

سخت الرجک ہونے کے باوجود بہت دل سے اس عشائیے میں شریک ہوئی، حیرت کا پہلا جھٹکا انہیں عشائیے میں موجود خواتین ڈاکٹرز اور کئی مشہور سکالرز خواتین کو ملتے ہوئے لگا جدید اور فیشن کے مطابق ملبوسات پہنے متناسب میک اپ اور خوشگوار رویے یقیناً سب مسلم نہیں ہونگی پاکستان میں ویسے بھی متنوع ثقافتوں کے لوگ رہتے ہیں ہو سکتا ہے کسی اور مذہب سے ان کا تعلق ہو۔" وہ چاروں آپسی گفتگو میں یہی بات ڈسکس کر رہی تھیں۔

سب لوگ تعارف کے بعد اب ایک دوسرے کے نظریات و رویے اور ہابیز پھر موجودہ ٹوئر کے حوالے سے کچھ نہ کچھ پوچھ اور بتا رہے تھے جبکہ عشائیے میں آنے والے چند لوگ تاخیر سے تھے اسی لئے انہیں آپس میں بہت کچھ کہنے سننے کا موقع مل رہا تھا۔

نیوزی لینڈ کے سفیر اور ان کی اہلیہ بھی اس عشائیہ میں مدعو تھے وہ لوگ اپنی قومی عادت کے باعث عین پراپر ٹائم پہ پرائم منسٹر ہاؤس موجود تھے جبکہ اس عشائیے کے میزبان اپنی قومی عادت سے مجبور لیٹ تھے اور ان کے پی اے سب کو ریسیو کر رہے تھے۔

"اچھا بہت حیرت انگیز بات ہے کہ پاکستان ایک الگ اور کافی بڑے شہروں پر مشتمل ملک ہے ورنہ اس دورہ سے قبل میں اسے ہمیشہ انڈیا کا ایک ریاستی حصہ سمجھا کرتی تھی۔" اینجلا مارشل نے بے ساختہ حیرت کا اظہار کیا۔

"اور اس کے الگ ہونے کا پتا بھی ریاستی گردی خاص کر نائن الیون کے واقعہ کے بعد طالبان کے ملوث ہونے اور یہاں کی مذہبی منافرت کی بنا پر لگا۔" جینفر لوپن نے کہا۔

"یقیناً ورنہ میں بھی اسے مسلم اکثریت پر مشتمل ایک ہندوستانی علاقہ سمجھتی تھی۔" ماریا بولی۔

"ویسے سنا ہے کہ دیکھنے کی چیز اور خاصے کا آئٹم لاہور ہے جسے زندہ دلوں کا شہر اور پاکستان کا دل بھی سمجھا جاتا ہے۔" کیتھرین کو یقیناً کافی معلومات تھیں یہاں کے متعلق۔

"اور لاہور میں مغلیہ دور کی تاریخی عمارات بھی ایک کلاسیک درجہ رکھتی ہیں جنہیں دیکھنا ہر غیر ملکی کی اولین خواہش ہوتی ہے۔" انہیں اپنے بہت پاس شستہ انگلش میں یہ بات سنائی دی تو کیتھرین نے بے طرح چونکتے ہوئے چہرہ موڑا اگلے لمحہ اس کے چہرے پر تحیر، استعجاب آمیز خوشی کے بے ساختہ تاثرات ابھرے تھے۔

وہ خوشی کے گہرے احساس میں ڈوبی اس کے گلے لگی اور وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"دیکھ لو جذبے خالص اور دوستی بے لوث ہو تو بچھڑنے والے کہیں نہ کہیں مل ہی جاتے ہیں۔"

"ماریا دیکھو میری فرینڈ جس کا تم سے ذکر کیا تھا۔" کیتھرین نے اسے متوجہ کیا جو کسی اور طرف متوجہ تھی سیدھی ہوئی اپنے سے کچھ فاصلے پر موجود شخصیت کو دیکھا اور جیسے ایکدم سکتے میں آ گئی اور بھلا اس چہرے کو کل بھولی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

سعدیہ عابد

مکمل ناول

اشہب لطیف، شاندار آفس کے ویٹنگ روم میں اپنی باری آنے کا منتظر بیٹھا تھا، جیسے جیسے وقت گزرنے لگا اس کی کوفت و بے زاری میں اضافہ ہونے کے ساتھ یہاں بیٹھنا اسے اپنا بے کار لگنے لگا، کیونکہ وہ گزرے سال میں کتنی ہی بار ان مرحلوں سے گزر چکا تھا اور ایسے میں جتنا وقت بیتتا جاتا تھا نوکری ملنے کی امید دم توڑتی جاتی تھی، وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں، بالکل ہی الجھ کر رہ گیا تھا۔

اس کی باری آ گئی اور وہ تمام مایوسیاں اپنے اندر ہی دباتا ایک نئی امید کے ساتھ خود اعتمادی سے اجازت ملتے ہی اندر چلا آیا وہی روایتی انداز میں انٹرویو کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کی امید پھر دم توڑنے لگی، اس نے بے بسی سے ایک نگاہ انٹرویو لیتے اس معمر شخص پر ڈالی تھی جس نے پوچھا تھا کوئی تجربہ ہے اب وہ کیا کہتا کہ جاب ملے گی تو ایکسپیریئنس ہو گا، ہاں البتہ انٹرویو دینے کا تجربہ کافی ہے اسے، مگر یہ وہ اس شخص کو نہیں کہہ سکتا تھا۔

انٹرویو لینے والے کے چہرے پر اس کا شاندار تعلیمی ریکارڈز دیکھ حیرت سی تھی کہ وہ نوجوان کافی کم عمر اور دگرگوں حالت میں ان کے سامنے تھا کہ شرٹ کا رنگ ڈھل ڈھل کر ماند پڑ گیا تھا، خوبصورت چہرے پر تازہ کی گئی شیو کی نیلاہٹیں اور روشن آنکھوں سے جھلکتی ناگواری و بے بسی اور انہوں نے اس کا اور اس کی تعلیمی اسناد کا جائزہ لینے کے بعد فائل بند کر کے اس کی طرف واپس بڑھا دی کہ انہیں فریش چہروں کی نہیں کچھ ایکسپرٹنس بندوں کی ضرورت تھی، اس نے لب بھینچ کر خود کو بمشکل کچھ کہنے سے روکا تھا کہ اس طرح کا جواب وہ تقریباً روز ہی سنتا تھا اور کبھی وہ خاموشی سے تو کبھی لحاظ کیے بناء سنا کر

وہاں سے نکل جاتا تھا، کل رات سے اس کی طبیعت کچھ ناساز تھی اس لئے چپ چاپ اٹھ گیا کہ نہ خاموشی اسے کچھ دیتی تھی نہ اس خاموشی کو توڑنے کا کوئی فائدہ ہوتا تھا، اس نے اپنی فائل اٹھانے کو ہاتھ بڑھایا تھا کہ ایک آواز پر چونکا نگاہ اٹھائی تو اسے دیکھتے ہی اس کی طرح وہ بھی اسے پہچان گیا جو اس کا حال احوال دریافت کر رہی تھی۔

''آئی ایم فائن، اینڈ یو؟'' اس نے اس کی خوش اخلاقی کو دیکھتے ہوئے مروت و رواداری نبھائی۔

''آپ کی وجہ سے زندہ سلامت ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی اور فائل اٹھا کر کھول لی اور ڈاکومنٹس پر طائرانہ نگاہ ڈالتی اس کو دیکھنے لگی۔

''کافی شاندار تعلیمی ریکارڈ ہے آپ کا؟''

''جی، لیکن ایسے شاندار تعلیمی ریکارڈ کا کیا فائدہ جو بندے کو سال بھر میں بھی ایک معمولی سی جاب تک نہ دلوا سکے۔'' وہ تلخ ہو ہی گیا تھا اور وہ بے ساختہ ہنس دی، نقرئی گھنٹیوں سی ہنسی، متوجہ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی اور وہ اس کو دیکھنے لگا جس کا چہرہ و آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔

''آئی ایم سوری، بٹ کچھ چیزیں انسان کے اختیار میں نہیں ہوتیں۔'' اس نے گویا اپنی ہنسی کو نرمی سے وضاحت کی تھی اور وہ نگاہ اس خوبصورت چہرے سے ہٹا گیا تھا۔

''نہیں میڈم اسی طرح جاب حاصل کرنا ہوتی تو سال بھر سے خوار نہ ہو رہا ہوتا۔'' جب نے مینجر کو اپائمنٹ لیٹر تیار کرنے کو کہا تھا تو وہ بے زاری و کوفت سے بولتا سیٹ سے اٹھ گیا۔

''یقین کریں میں نے یہ فیصلہ احسان اتارنے کو نہیں لیا کہ بریقہ آفندی کی جان اب تنی بھی سستی و معمولی نہیں ہے کہ جس شخص نے کبھی جان بچائی تھی اس کو جاب مہیا کر کے اس احسان کا قرض اتار دیا جائے، میں نے آپ کو جاب پر رکھنے کا فیصلہ آپ کی تعلیمی اسناد و قابلیت کو دیکھتے ہوئے کیا ہے کہ میں اس آفس کو پچھلے دو ماہ سے سنبھال رہی ہوں (قطعاً سراسر جھوٹ کہا گیا تھا) میں نے جس کسی کو بھی جاب پر رکھا اس کی قابلیت کو دیکھ کر رکھا کہ میں خود ینگ ہوں تو ینگ و فریش لوگوں کو آگے آنے کا موقع فراہم کر رہی ہوں اور یہاں فی الحال اکاؤنٹنٹ کی جاب کے لئے انٹرویوز ہو رہے تھے لیکن میں آپ کو اپنے پرسنل سیکرٹری کے لئے اپائنٹ کر رہی ہوں، بطور اکاؤنٹنٹ تو ڈیڈی ہی کسی کو رکھیں گے کہ وہ نا تجربہ کار لوگوں کو کسی صورت نہیں رکھتے اور میرا یہ موقف ہے کہ جب تک تجربہ حاصل کرنے کا موقع نہیں ملے گا، تجربہ کیونکر ہو گا؟ ڈیڈی کبھی نہیں مانتے، وہ تو مجھے اتنی اہم سیٹ بھی نہ دیتے دو دن بھوکی رہی تو کہیں جا کر مانے۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بلا تکان بولتی چلی گئی تھی مگر اس کے بولنے پر جہاں وہ متحیر ہوا تھا وہاں اس کی تسلی بھی ہو گئی تھی۔

''ویسے مزے کی بات یہ ہے کہ دو دن بھوکے رہنے کی محض اداکاری کی تھی۔'' وہ نہایت دوستانہ انداز میں بولی تھی۔

''جانتا ہوں میں یہ بیٹا جان، مگر تمہاری پیار بھری ضد مانی تھی اس لئے ظاہر نہیں کیا تھا۔'' سلطان آفندی، روم میں داخل ہوتے ہوئے بولے تھے اور وہ جھینپ کر ہنس دی تھی۔

''ڈیڈی، یہی وہ مہربان ہیں جنہوں نے آپ کی لاڈلی کی ایک ماہ قبل جان بچائی تھی۔'' اس نے اپنی کرسی باپ کے احترام میں پہلی فرصت میں چھوڑی تھی اور ان کے بیٹھتے ہی تعارف کروایا تھا۔

''او نائس ٹو میٹ یو، مسٹر مہربان۔'' عادت و فطرت کے برخلاف انہوں نے خوشگواری دکھائی تھی اور ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھایا تھا۔

''آئی ایم اشہب لطیف۔'' اس نے اپنا درست نام بتایا تھا۔

''ڈیڈی، مہربان مدد کرنے، مہربان ہونے والے سینس میں کہا تھا۔'' اس نے باپ کو مسکرا کر دیکھا تھا اور وہ جواباً مسکراتے اس کی طرف گھومے تھے اور وہ ایک ہی دن میں مختصر وقت میں گویا تیسرا انٹرویو دے رہا تھا اور وہ بھی باقی دونوں کی طرح اس سے کافی متاثر ہوئے تھے کہ اتنا تعلیمی شاندار ریکارڈ سو میں کسی ایک کا ہی ہوتا ہے اور اس نے کچھ ڈرتے ڈرتے ان کو بتایا تھا کہ وہ اس کو جاب پر رکھنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔

''وقاص آپ مسٹر اشہب کو اپائنمنٹ لیٹر دے دیں، یہ اس کے حق دار ہیں۔'' وہ تعریف کرنے و سراہنے کے معاملے میں کافی بخل تھے مگر اس وقت اپنی ازلی کنجوسی نہ دکھا سکے تھے کہ وہ فی الحال تعریف کے لائق ہی لگا تھا۔

''تھینک یو سو مچ سر!'' وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

''آپ کو ہمارے ساتھ ایک کپ چائے تو پینی ہی پڑے گی کہ آپ جو احسان کر چکے ہیں اس کے بعد آپ سے ملنے کی بڑی تمنا تھی مگر احسان کسی صورت نہ اتار سکیں گے کہ آپ نے ہماری بیٹی کی جان بچا کر ہمیں نئی زندگی دی ہے، مقروض کر لیا ہے آپ نے ہمیں اپنا۔'' وہ شائستگی سے کہہ رہے تھے اور وہ قدرے شرمندہ سا ہوتا ان کا خاص پروٹوکول وصول رہا تھا، آفس سے نکلتے ہوئے، لیکن وہ بے حد خوش تھا کہ بالآخر اسے جاب مل ہی گئی تھی۔

☆☆☆

اشہب لطیف کا تعلق سفید پوش گھرانے سے تھا، دو بہنوں سے بڑا اور ایک بھائی اس سے چھوٹا تھا، والد سرکاری ملازم تھے مگر انہوں نے معمولی سی جاب کے باوجود بچوں کو اچھی تعلیم دلوائی، باپ کی موت کے بعد ہی صحیح معنوں میں اسے حالات اور اپنی غربت کا احساس ہوا کہ حالات کے پیش نظر ہوم ٹیوشنز تو وہ کیا کرتا تھا اس سے زیادہ کی لطیف صاحب نے اسے اجازت نہیں دی تھی وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کی تعلیم متاثر ہو، فائنل ائیر کا لاسٹ سمسٹر چل رہا تھا جب لطیف صاحب بیمار ہو گئے اور چند ہی دنوں میں چٹ پٹ ہو گئے، ایگزامز اس نے جیسے تیسے دیئے اور جب سے ہی نوکری کی تلاش شروع کر دی جو فائنلی اسے آج ایک سال اور تین ماہ بعد مل ہی گئی تھی۔

اشہب نے سی اے کیا ہے اور دونوں جڑواں بہنیں انٹر کی اور بھائی میٹرک کا طالب علم ہے، وہ تینوں بہن بھائیوں کا باپ کی خواہش کے مطابق تعلیم دلوانا چاہتا ہے اور نوکری ملنے کے بعد اسے لگا ہے کہ وہ شاید کچھ کر لے کہ اب تک خود اس کے ہاتھ خالی تھے، معمولی سی چار پانچ ہزار والی جاب میں گزارہ کرنے میں اس کی ماں کے حوصلے و قناعت کا ہی ہاتھ تھا اور آج اسے یقین آ گیا ہے کہ نیکی کبھی ضائع نہیں جاتی، ایک ماہ قبل بھی انٹرویو کے لئے ہی نکلا تھا، شاہراہ فیصل پر بری طرح ٹریفک جام تھا اور انتظار کرتے دس منٹ گزر رہے تھے کہ وہ کچھ سوچ کر بس سے اتر گیا تھا کہ اس کی مطلوبہ جگہ واکنگ ڈسٹینٹ پر ہی رہ گئی تھی، روڈ کراس کر کے وہ اس طرف آیا تھا کہ بری طرح چونکا تھا ایک لڑکی سیل فون کان سے لگائے باتوں میں محو چلی جا رہی تھی اور اسے اندازہ بھی نہ تھا کہ غفلت میں اس نے موت کی دہلیز پر قدم رکھ دیا ہے، مگر جس کو اللہ رکھے اس کو

کون چکھے؟ اس نے بروقت اس کو بازو سے تھام کر اپنی طرف گھسیٹا تھا، سیل فون ہاتھ سے چھوٹا تھا اور وہ اس کے کاندھے سے جا ٹکرائی تھی، کار تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی تھی۔

"مرنے کا شوق ہے بھی تو یہ طریقہ بہت گھسا پٹا ہے۔" بازو آزاد کر کے وہ تلخ ہوا تھا اور وہ بھیگی نگاہوں سے اس کے بگڑتے زاویے کے چہرے کو دیکھنے لگی تھی کہ اس کے حواس قابو میں ہی نہیں آئے تھے اور یزدان آفندی اس کے مشکور تھے وہ مال سے نکلتے ہوئے اس کو موت کی طرف بڑھتے دیکھ لیکے ضرور تھے مگر انہیں دیر ہو گئی تھی مگر اللہ نے کسی اور کو وسیلہ بنا دیا تھا اور وہ اس کا شکر ادا کرتے بہن کو کاندھوں سے تھام گئے تھے اور وہ بھائی کے سینے سے لگی رو دی تھی۔

"ریلیکس میری جان۔" اس کا سر تھپکا تھا مگر وہ سہمی ہوئی تھی کہ جو نہیں ہوا تھا ہو جانے کا خوف اس کے رونگٹے کھڑے کر رہا تھا۔

"مسٹر آپ نے بہت بڑا احسان کیا ہے ہم پر، کبھی کسی بھی وقت ہماری مدد کی ضرورت ہو تو رابطہ ضرور کیجئے گا کہ آپ کے کام آ کر ہمیں دلی مسرت حاصل ہو گی۔" بہن کو بازو کے حصار میں لیتے شائستگی سے بولے تھے اور کارڈ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"نیکی کا صلہ تو اللہ دیتا ہے جناب، آپ کا کہہ دینا ہی بہت ہے کہ میں نے وہ کیا جو کرنا ضروری تھا اب اس کو آپ احسان سمجھیں تو آپ کی ذرہ نوازی، جبکہ میں نے کوئی احسان نہیں کیا، اس لئے احسان کے بدلے کی بھی اسی لحاظ سے کوئی چاہ نہیں ہے، اللہ حافظ۔" وہ جب خود اعتمادی سے بول رہا تھا وہ بھائی کے کاندھے سے لگی سوں سوں کرتی اس کو دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی،

آنکھیں، بھرے بھرے عنابی ہونٹ، ہلتے ہوئے کافی دلکش لگ رہے تھے، سفید چمکتے دانت، سیاہ سلیقے سے بنے ہوئے بال، کھڑی مغرور ناک، متناسب بھرا ابھرا جسم، وہ شاندار مردانہ وجاہت کا حامل ہو یا نہیں مگر اسے وہ خاص لگا تھا اتنا خاص کہ گزرے ماہ و سال میں اپنے آپ وا اپنی ذات میں مگن رہنے والی بریقہ آفندی اسے بھلا نہیں سکی تھی، بریقہ آفندی کا تعلق اپر ہائی کلاس سے ہے، بریقہ (روشن چمکیلی) یزدان آفندی سے چھ سال چھوٹی تھی، سلطان آفندی کے دو ہی بچے تھے۔

یزدان آفندی نے ہائیر اسٹڈی کمپلیٹ کر کے سال بھر پہلے ہی باپ کا بزنس جوائن کیا تھا، بریقہ کو پڑھائی میں زیادہ انٹرسٹ نہیں تھا اس لئے بی کام کے بعد اس نے سلطان آفندی کی ہزار ہا مخالفت کے باوجود تعلیم کو خیر باد کہا اور ضد کر کے آفس جوائن کر لیا، اس میں جتنا بچپنا تھا یا جتنی وہ امیچورڈ تھی اس کی وجہ سے وہ اس سب کے لئے راضی نہ تھے مگر وہ بریقہ ہی کیا جو کہہ دے، سوچ لے، پورا کر کے نہ دکھائے اور یزدان کی اس کو حمایت حاصل تھی اس لئے اس نے آفس جوائن کر لیا تھا، اس میں نہ اہلیت تھی نہ قابلیت نہ ہی عمر مگر یزدان کی حمایت پر ہی اسے اہم پوسٹ تجویز کر دی گئی تھی یہ اور بات ہے کہ نہ اس سے کام لیا گیا، نہ اس نے کیا، گیارہ بجے شان سے آفس آتی ہے اور ویل ڈیکوریٹڈ روم میں آ بیٹھتی ہے، انٹرویو لینے میں اس کو مزا آتا ہے اس لئے مختصر عرصے میں تین انٹریوز بھگتا چکی ہے اس کے سلیکٹ کیے گئے ورکر گرچہ سلطان آفندی کے معیار پر نہ اترے تھے مگر خاموش ہی رہے تھے اور اس انٹرویو کے متعلق اس کو بے خبر رکھا گیا اور آج صبح اس کا آفس آنے کا موڈ بھی نہ

تھے مگر پھر اس کے دماغ میں نہ جانے کیا سمائی جو وہ دن کے ساڑھے بارہ بجے آفس پہنچ گئی، ویٹنگ روم میں گرچہ اس وقت ایک دو ہی لوگ تھے مگر اس نے کچھ سوچ کر ریسپشنٹ سے معلومات لی تھیں اور انٹرویو روم کی طرف آ گئی تھی اور اس کو دیکھ تو جیسے دل کی کلی ہی کھل گئی تھی، اس کی آمد کی اطلاع پاتے ہی سلطان آفندی وہاں آئے تھے مگر اتنی دیر ضرور ہوئی تھی کہ اس نے فیصلہ کر لیا تھا، مگر اشہب کی اسناد سے وہ متاثر ہوئے تھے اوپر سے اس کا تعارف کچھ ایسا تھا کہ انکار کی گنجائش ہی نہ بچی تھی۔

☆☆☆

اس وقت اپنے روم میں بیٹھی وہ تو بے حد بے تحاشا خوشی محسوس کر رہی تھی اور وہ خوشی کو چاہ کر بھی چھپا نہیں پا رہی، راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے گنگنا رہی تھی کہ اس کے روم میں آتا یزدان آفندی بے طرح چونکا۔

"کیا بات ہے لعل سسٹر کافی خوش دکھائی دے رہی ہو؟" اس نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس کے روشنی بکھیرتے چہرے کو دیکھا تو بولے بنا نہیں رہ سکا تھا۔

"خوش تو میں بہت ہوں بھائی، بہت بہت زیادہ۔" وہ کھلکھلائی تھی۔

"کچھ مجھے بھی تو وجہ پتہ چلے۔"

"میں خود نہیں جانتی بھائی، بس بے وجہ خوش ہونے کھلکھلانے کو دل کر رہا ہے۔" وہ مزے سے کہتی کل کل کرتی ہنسی ہنس دی تھی۔

"ہم تو چاہتے ہی یہی ہیں کہ تم ہر وقت خوش رہو، یہ تو بتاؤ، تمہیں انٹرویوز کی کس مخبر نے پہنچائی تھی۔" وہ نہال ہو کر بولا تھا اور کافی منگوائی تھی اور دوبارہ اس کی جانب گھوما تھا۔

"کسی نے بھی نہیں بھائی، گھر میں دل نہ لگا تو آفس آ گئی۔"

"تم کچھ کرتی ہو نہیں لعل سسٹر اور......"

"آپ لوگ کچھ کرواتے کب ہیں، روز آتی ہوں، بیٹھی ہوں چلی جاتی ہوں۔" وہ خفا ہوئی تھی اور وہ قہقہہ لگا گیا تھا۔

"ہمارے آفس میں نا تجربہ کار افراد جمع کر رہی ہو یہ کام کم ہے کیا؟" اس کو چھیڑا تھا وہ خجل ہو گئی تھی۔

"اب ایسا بھی نہیں ہے بھائی اور جب تک موقع نہیں ملے گا تجربہ کیسے حاصل ہو گا؟ اور بات تجربے کی ہی ہے تو جب آپ نے آفس جوائن کیا آپ بھی بالکل نہ تجربے کار تھے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔

"میری جان تمہاری ہر بات میں سچائی ہے مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی سچائی کو اپنی ضرورت اور فائدے کے تحت پس پشت ڈالنا پڑتا ہے، ایک جاب کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کو نظر انداز کیا ہی نہیں جا سکتا کہ تمہاری تھیوری پر چلنے لگے تو ٹکے کا فائدہ نہ ہو اسی لئے کہتے ہیں کہ بزنس اموشنز سے نہیں برین سے کیا جاتا ہے۔" انہوں نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔

"یعنی آپ کو لگتا ہے کہ میرے پاس دماغ نہیں ہے۔" وہ برا مان گئی تھی۔

"ارے نہیں میری جان، دماغ ہے، ذہانت کے ساتھ جذبات بھی وافر مقدار میں موجود ہیں، اب تم میری اور ڈیڈی کی ہی مثال لے لو تم سے ہم بہت محبت کرتے ہیں صرف اس لئے تمہیں آفس آنے کی اجازت دی، تمہارے کیے فیصلوں کا مان رکھا، وگرنہ اگر دماغ سے سوچتے تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔"

"آپ لوگوں کو میرا آفس آنا نہیں پسند تو

اب نہیں آؤں گی۔" آنسو گرنے لگے اور وہ کرسی سے اٹھ گئی۔

"کیا چاہتی ہے میری گڑیا؟" اس کو بمشکل روک کر صوفے پر بٹھایا اور نرمی سے پوچھا۔

"آپ اور ڈیڈی کی طرح میں بھی بزنس ڈیلنگز کرنا چاہتی ہوں، کانٹریکٹ سائن کرنا چاہتی ہوں۔" وہ منہ بنا کر بولنے لگی تھی کہ اس مسکراتے دیکھ چپ کر کے اسے خفگی بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"تمہیں آفس آنے کی اجازت دی، میٹنگز میں شریک رکھا، اس سب کا مقصد یہی تھا کہ تم سمجھ سکو کہ بزنس کیسے ہوتا ہے، جہاں تک کام کی بات ہے وہ میں نے خود ہی تمہیں نہیں سونپا کہ ہم نہیں چاہتے کہ تم خود کو تھکاؤ۔" وہ پیار سے بول رہا تھا نہیں۔

"لیکن بھائی یہاں آنے کا پھر کیا فائدہ گیارہ بجے آتی ہوں لنچ ٹائم میں واپس چلی جاتی ہوں، میں مانتی ہوں مجھے کام کرنا نہیں آتا، آپ لوگوں نے مجھے پھر ایڈمن کیوں بنایا؟ اس سے بہتر تو یہ ہوگا کہ میں آفس ہی نہ آؤں؟" سوں سوں کرتی بولی تھی۔

"اوکے مائی چائلڈ، کچھ ذمہ داریاں آپ کو تفویض کر دی جائیں گی کہ کل سے تو آپ کے پرسنل سیکرٹری صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں جب باس ہی کچھ نہیں کرتا ہوگا تو سیکرٹری کیا کرے گا؟" اس نے بہن کو چھیڑا تھا۔

"پتہ ہے بھائی، وہ وہی شخص تھا جس نے میرا ایکسیڈنٹ ہونے سے بچایا تھا۔" وہ پرجوش ہوئی تھی اور وہ ہنس دیا تھا کہ سلطان آفندی کے ذریعے اس کے علم میں بات آ چکی تھی۔

"چلو اٹھو گھر چلتے ہیں آج کچھ کرنے کا موڈ نہیں ہے۔"

ہاں میں بھی بور ہو رہی تھی کیونکہ آج سیل فون لانا بھول گئی تھی اور میرا لیپ ٹاپ بھی کام نہیں کر رہا، میری طرح۔" وہ آفس آ کر میسج اور فیس بک پر لگی رہتی تھی، بھی شرارت سے کہا۔

"اچھا کل تمہیں کام سونپ دیئے جائیں گے اور بچو جب ڈیڈی سے غلط کرنے یا لیٹ کرنے پر ڈانٹ پڑے گی نہ تو مزا آئے گا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"بھائی! ڈیڈی تو کافی سخت گیر قسم کے باس ہیں، وہ تو آپ کو بھی ڈانٹ دیتے ہیں۔" وہ ڈری ڈری بہت معصوم لگی تھی۔

"اسی لئے میری جان، بزنس اموشنز سے نہیں چلتا اور تم تو پوری ملکہ جذبات ہو، مگر ڈونٹ وری، ڈیڈی کی تم لاڈلی ہو وہ تم کو کچھ نہیں کہیں گے۔" اس پر بھاری قسم کی ذمہ داری عائد کرنے کا ارادہ ہی نہ تھا اور وہ پریشان اچھی نہ لگی تو دلاسہ دے ڈالا۔

"ہاں وہ تو میں ہوں۔" فرضی کالر کھڑے کر کے بولی اور وہ دونوں ہی ہنس دیئے۔

☆☆☆

"تھینک گاڈ، اشہب تمہیں جاب تو ملی اگر کچھ ماہ یونہی گزرتے تو اماں نے میری شادی اپنے بھتیجے سے طے کر دینی تھی، اب تم وقت ضائع کیے بغیر خالہ کو بھیجو۔" مہوش کو جیسے ہی اس کی جاب ملنے کی نوید ملی تھی اس کے گھر میں آ گئی تھی۔

مہوش اس کی اکلوتی خالہ کی اکلوتی بیٹی تھی جو اشہب سے محبت کرتی تھی، کہ وہ کھلی ہوئی رنگت تیکھے نین نقش کی کافی خوش شکل لڑکی تھی بس تھوڑی فربہی مائل تھی۔

"یہ سب قبل از وقت ہوگا مہوش، اگر ابا زندہ ہوتے تو بات کچھ اور ہوتی اب مجھ پر بہت ذمہ داریاں ہیں، مجھے اپنی نہیں اپنی بہنوں کی

شادی کے بارے میں سوچنا ہے، راحب کو ڈاکٹر بنانا ہے، شادی تو سات آٹھ سالوں تک میری پلاننگ میں ہی نہیں ہے، اس لئے جہاں خالہ کہتی ہیں شادی کر لو۔" اس نے حقیقت کیا سامنے رکھی وہ تو بلبلا اٹھی تھی کہ اس نے صاف صاف اسے بری جھنڈی دکھا دی تھی۔

"میں تمہاری ذمہ داریوں کو سمجھتی ہوں اشہو اور میں نے کب تم سے شکوہ کیا یا شادی فوراً کرنے کو کہہ رہی ہوں، بس اماں کی وجہ سے ایسا کہا کہ وہ میری شادی جلد سے جلد کر دینا چاہتی ہیں، تم رشتہ بھیجو گے تو وہ مان جائیں گی، بہت محبت کرتی ہیں تم سے، اگر تم نے کوئی پیش رفت نہ کی تو میں کیسے اماں کو روکوں گی کہ پھپھو لاسٹ سنڈے کو رئیس کے لئے کہہ گئی ہیں، وہ تو اماں نے سوچنے کو وقت لیا اماں کو رئیس تم سے زیادہ عزیز نہیں ہے اتنا تو مجھے بھی اندازہ ہے اور جب میں ہی......"

"تم سمجھ نہیں رہیں مہوش، میری ذمہ داریاں اتنی زیادہ ہیں کہ میں کسی کو بھی اپنا پابند نہیں کر سکتا ہوں۔" اسے سمجھ نہ آیا کہ اسے کس طرح سمجھائے؟

"جب مجھے اعتراض نہیں ہے انتظار کرنے کو تیار ہوں تو تم کیوں اعتراز کر رہے ہو؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ محبت کا سفر میں نے اکیلے ہی طے کیا ہے، تم اس راہ کے مسافر ہی نہیں ہو اسی لئے مجھے پانا نہیں چاہتے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو گیا تھا۔

"محبت کی مجھے خبر نہیں مہوش، مگر تم میری زندگی میں واحد لڑکی ہو جس کو بھی سوچا ہے، شادی کے نام پر کبھی کسی کا خیال آیا ہے تو وہ صرف تم ہو اور اس خیال سے دست برداری قبول کرنا اتنا بھی آسان نہیں ہے جتنا کہ تم سمجھ رہی ہو، مگر میں بہت مجبور ہوں مجھے اندازہ ہے کہ خالہ کبھی سات آٹھ سال انتظار نہیں کریں گی اور تم کیوں میرے لئے اپنا قیمتی برباد کرو گی، وقت تمہارے ہاتھ میں ہے، رئیس کافی اچھا لڑکا ہے، اچھی جاب کرتا ہے، پڑھا لکھا ہے اور اس پر کوئی ذمہ داری بھی نہیں ہے عقلمندی کا تقاضہ یہی ہے کہ تم اس سے شادی کر لو۔"

"کبھی بھی نہیں اشہو، میں نے صرف تم سے محبت کی ہے، تمہاری آنکھوں میں اپنے لئے محبت نہ پا کر پسندیدگی محسوس کر کے مطمئن رہی، میرے اطمینان کو میری محبت کو یوں آندھیوں کی زد پر نہ رکھو سات آٹھ سال تو کیا میں ساری عمر تمہارا انتظار کر سکتی ہوں کسی محبت، کسی صلے کی آس کے بغیر، لیکن کوئی احساس تو مجھے سونپو کہ انتظار کٹھن نہ لگے تم تو بیچ راستے میں چھوڑے جا رہے ہو، محبت تم نے نہیں، میں نے تو کی ہے، میری محبت کا ہی کچھ خیال کر لو۔" وہ روتی ہوئی آنکھوں میں امید بھر کر اسے دیکھ رہی تھی، وہ کچھ نہ بولا کہ اتنا طویل انتظار کسی کو کروانا معیوب لگ رہا تھا وہ ان سب باتوں پہ سوچ چکا ہے تبھی تو اس سے بات کر لی تھی مگر اندازہ تھا کہ وہ اتنی آسانی سے نہ مانے گی مگر اتنی شدت کی بھی امید نہ تھی۔

"یاد رکھنا اشہو، کہ میں شادی کروں گی تو صرف تم سے، ورنہ کبھی نہیں۔" اس کی محبت نے جو خود اعتمادی عطا کی تھی اس کے تحت ٹھوس لہجے میں کہتی وہ وہاں رکی نہیں تھی نسیمہ نے بھانجی و بیٹے کی ساری باتیں سنی تھیں اسی لئے وہ رات کو بیٹے سے بات کرنے آ گئیں۔

"ٹھیک ہے اماں، اگر آپ کو یہ سب ٹھیک لگتا ہے تو آپ خالہ سے بات کر لیں، لیکن یہ یاد رکھیئے گا کہ میں عشنہ، عشبہ سے پہلے شادی نہیں کروں گا اور یہ بات خالہ کو ضرور بتایئے گا تا کہ

ان کے ساتھ کوئی نا انصافی نہ ہو کہ کسی کو اندھیرے میں رکھنا دھوکے کے برابر ہوتا ہے۔"

نسیمہ نے بیٹے سے یہی کہا تھا کہ انہوں نے مہوش کو ہمیشہ بہو کے روپ میں ہی دیکھا ہے اور یہی اس کے ابا کی بھی خواہش تھی، راضی تو وہ تھا ہی مگر ذمہ داریاں آڑے آرہی تھیں۔

اس کا رونا اس کی باتیں شام سے ہی اس کا ذہن بوجھل کیے ہوئے تھیں، ماں کی بات باپ کی خواہش، ماں کا سمجھانا اس نے ان سب کی مرضی کے مطابق فیصلہ کر دیا، نجمہ کو اعتراض تھا بھی تو کیا نہ تھا کہ بیٹی کی رضا اس کی خوشی جس میں ہے اس نے وہی فیصلہ کیا اور یوں بہت سادگی سے چند ایک رشتے داروں کی موجودگی میں منگنی کی رسم طے پا گئی، ساجدہ اس سب پر ناراض تو ہوئیں، بھائی بھاوج سے آ کر خوب لڑیں بھی مگر پھر بھائی کے لئے منگنی میں شریک ضرور ہوئیں کہ رئیس نے بھی ماں کو جانے کو کہہ دیا تھا ہاں البتہ وہ خود نہیں آیا تھا کہ اپنی محبت کو کسی اور کا ہوتے دیکھنا اس کے بس میں نہ تھا اس لئے نہ آنے میں ہی عافیت جانی تھی، رئیس، ساجدہ کا اکلوتا بیٹا تھا، ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرتا تھا، ساجدہ کے شوہر انتقال کر گئے تھے، بیٹے کی خواہش کو اپنی بھی رضا جانتے ہوئے مہوش کا ہاتھ بھائی سے طلب کیا تھا مگر مہوش، اشہب سے محبت کرتی تھی اسی لئے وقت مانگا اور پھر شرمندگی سے معذرت کر لی، نجمہ نے رشتے میں دوریاں نہ آئیں اس لئے نند سے صاف کہہ دیا تھا کہ اشہب کو فوقیت مہوش کی پسندیدگی اس کے اقرار پر دی گئی ہے وگرنہ رئیس بھی انہیں کم عزیز نہیں ہے، اس لئے ساجدہ کی ناراضگی ختم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

"آپ کے گھر میں کون کون ہے؟" کی بورڈ پر حرکت کرتی ہوئی انگلیاں تھمیں، نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا جو اس کی ٹیبل کے پاس کھڑی تھی، اسے یہاں کام کرتے ہوئے دو ماہ ہو گئے تھے، وہ محض نام کو ہی بریقہ آفندی کا پرسنل سیکرٹری ہے وگرنہ وہ یزدان آفندی کے انڈر میں اپنی قابلیت کے مطابق کام کر رہا ہے، اب وہ بھی کچھ نہ کچھ کر ہی لیتی ہے، کمپیوٹر ورک اکثر یزدان اسی کو دے دیتا ہے مگر اس کے کیے کام کو احتیاطی طور پر اشہب سے چیک کروا کے خود بھی چیک کر لیتا ہے، دو ماہ میں اسے احساس ہوا تھا کہ وہ چھوٹی سی لڑکی اس کے باس یزدان آفندی اور انڈسٹری کے اونر سلمان آفندی کے لئے بہت اہم ہے اس کے لئے اس کی چھوٹی سی ضد کو پورا کرنے کے لئے بڑے سے بڑا نقصان برداشت کر سکتے ہیں کہ اس لڑکی میں کچھ ہوتا ہو لیکن ضد کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور وہ ضد کے تحت ہی آفس میں ہے یہ اور بات ہے کہ وہ پہلے دو ماہ میں ہر تیسرے دن غائب ہو جاتی تھی اور جب سے اس نے آفس جوائن کیا ہے آدھے گھنٹے کے لئے ہی سہی آتی ضرور ہے، وہ کام میں بزی ہوتا تھا اور اس کی غیر مردوں سے بات کی عادت بھی نہیں تھی اس لئے ضرورت ہی کے تحت اب تک مخاطب کیا تھا پرسنل قسم کا سوال پہلی دفعہ وہ بھی اچانک آ کر ڈالا تو وہ متحیر ہوا وہ کسی کو اپنی پرسنلز میں گھسنے کی اجازت نہیں دیتا مگر وہ اس کی باس نام کو ہی سہی مگر باس کی بہن تو تھی اس لئے جواب دیتے ہی بنی۔

"او سوسیڈ، آپ کے فادر کو کیا ہو گیا تھا؟ کیسے ڈیتھ ہوئی ان کی؟" وہ محض اس کی جھیل سی آنکھوں میں ہلکورے لیتی نمی کو دیکھ کر رہ گیا۔

"بیمار ہو گئے تھے۔" دھیمے لہجے میں بتایا تھا۔

"آپ دکھی نہ ہوں، بھائی کہتے ہیں کہ جو نہ ہو اس پر دکھی ہونے کی بجائے جو ہو اس پر خوش ہونا چاہیے، آپ اپنی مما کا بہت خیال رکھا کریں۔" اس کی آنسو گرنے لگے تو وہ پریشان ہو گیا کہ کوئی آ گیا کسی نے دیکھ لیا تو کیا سوچے گا اور وہ کرسی کھسکا کر اٹھا تھا کہ یزدان آفندی کو گلاس ڈور دھکیلتے اندر داخل ہوتے دیکھ اس کی پریشانی مزید بڑھ گئی جبکہ وہ تو بہن کو روتے دیکھ متفکر ہو گیا تھا۔

"دبقی، کیا ہوا گڑیا؟" اس کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا بہن کے کاندھے پر ہاتھ رکھ گیا تھا اور وہ اس کے کاندھے سے لگی بلک اٹھی تو وہ دونوں ہی بھونچکا رہ گئے، وہ اس کو ہی خشمگیں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اس کو اپنی پوزیشن آکورڈ لگنے لگی تھی کہ۔

"بھائی جن سے ہم بہت پیار کرتے ہیں، جن کی ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے وہ ہمیں کیوں اکیلا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔" وہ اس کے سینے میں منہ چھپائے منمنا رہی تھی۔

"کون کسے چھوڑ گیا میری جان، مجھے بتاؤ؟" وہ جی جان سے اس کی طرف متوجہ تھا، سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔

"بھائی، اشہب کے ڈیڈی، وہ نہیں ہیں، جیسے میری مما نہیں ہیں۔" اس کے رونے میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"اشہب ایک گلاس پانی لے آئیے۔" اسے دیکھے بناء کہا اور اسے لئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، بریقہ کی والدہ کی ڈیتھ جب ہوئی جب وہ محض گیارہ برس کی تھی، اس کی شخصیت میں جو کمی تھی وا اسی سبب تھی کہ ماں کی موت نے اسے اندر تک جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، گھر کے سناٹے وتنہائی سے بھاگنے کو ہی تو اس نے آفس جوائن کیا کہ باپ اور بھائی ہی اس کی کل کائنات تھے، گھر میں بولائے بولائے پھرنے سے بہتر اسے آفس آنا لگتا کہ یہاں اتنے سارے لوگ آتے جاتے کام میں مگن اسے کافی اچھے لگتے تھے اور فارغ بیٹھ کر بھی وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ دونوں ہی اس کی خبر گیری کرتے رہتے ہیں کہ وہ ان دونوں کے لئے ہی بہت زیادہ اہم تھی۔

"آئی ایم سوری سر! مجھے ذرا بھی اندازہ نہ تھا کہ میرے فادر کی ڈیتھ کا سن کر میڈم اس طرح ری ایکٹ کریں گی۔" ساری تفصیل جان کر پیار سے اس کو سمجھا کر فریش ہونے بھیجا تھا اور وہ جو شرمندگی کوئی غلطی نہ ہو کر بھی محسوس کر رہا تھا بولے بناء نہیں رہ سکا۔

"اٹس او کے، مسٹر اشہب، بس بقی ہی کچھ زیادہ ہی حساس ہے، پیرنٹس کی ڈیتھ کا سن کر وہ اسی طرح ری ایکٹ کرتی ہے کہ مما کی موت کو اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی ذہن و دل سے قبول نہیں کر سکی۔" وہ کچھ اداس ہو گیا تھا کہ ماں کی کمی تو اس نے بھی بڑی مشکل سے برداشت کی اور کر رہا ہے۔

"آئی ایم سوری بھائی، میں بہت بری ہوں آپ کو بہت پریشان کرتی ہوں اور آج تو مسٹر اشہب کو بھی پریشان کر دیا۔" وہ بہن کو دیکھ کر چپ کر گیا تھا اور وہ بھائی کے برابر بیٹھی قدرے شرمندگی سے بولی تھی۔

"اٹس او کے مائی چائلڈ۔" گال تھپتھپایا تھا اور وہ جو اجازت طلب کرنے کو تھا اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا، ان نگاہوں میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ پہلو میں موجود دل اپنے ہونے کا احساس دلا گیا تھا، اس نے ڈائریکٹ اس سے بھی سوری کر ڈالی وہ گڑبڑایا اور "اٹس او کے" کہہ دیا کہ

اس کے سوا بولنے کو کچھ تھا ہی کب۔
”مجھے گھر جانا ہے بھائی۔“ وہ اس کو دیکھنے کے بعد یزدان سے بولی تھی۔
”تمہاری گاڑی پرابلم کر رہی تھی میں نے کچھ دیر قبل ہی ڈرائیور کو چیک کروانے کے لئے بھیجا ہے، آدھے گھنٹے بعد میری میٹنگ ہے میں بھی نہیں لے جا سکتا۔“ وہ قدرے پریشانی سے بولا تھا۔
”بٹ میں بیٹر فیل نہیں کر رہی، مجھے گھر جانا ہے۔“ وہ بولی تھی اور وہ کچھ سوچ کر اپنے روم سے نکلتے اشہب کو آواز دے گیا۔
”ڈرائیونگ آتی ہے آپ کو؟“ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا کہ اس نے صوفے سے اٹھ کر ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔
”مسٹر اشہب، آپ ایسا کیجئے، جی کو گھر ڈراپ کر آئیں۔“ وہ الجھن کا شکار ہوا تھا اور وہ کھل اٹھی تھی کہ اس کے ساتھ سفر کرنے کا احساس ہی اس کے لئے خوش کن ہے۔
”آپ بھروسے کے لائق ہیں محض اس لئے، وگرنہ میں کافی محتاط پسند شخص ہوں۔“ اس کی الجھن محسوس کر کے کہا تھا اور اس نے نہ چار چابی لے لی تھی۔
”گڑیا آپ اشہب کے ساتھ چلی جاؤ، وزیٹر روم میں روبینہ موجود ہے، آپ اسے کال کر کے ساتھ لے جانا، غفور آپ کی گاڑی بعد میں گھر ہی لے آئے گا۔“ روبینہ غفور ڈرائیور کی بیوی تھی ڈرائیور کے لئے جب آج سے چھ سات سال قبل جب وہ نائنتھ میں تھی ڈرائیور کے لئے ایڈ دیا تھا تو اس کی شادی شدہ ہونے کی شرط رکھی تھی اور جب سے غفور ہی اس کا ڈرائیور ہے وہ جہاں بھی جانا ہوتا ہے غفور کے ساتھ ہی وقت بے وقت آتی جاتی ہے اور وہ اس کی بیوی روبینہ کی موجودگی کی وجہ سے بھی قسم کی اونچ نیچ کے خوف سے آزاد تھے اور اسی لئے اس نے بلا جھجک چابی اشہب کو تھما دی، حالانکہ وہ بریقہ کے معاملے میں بہت ہی کم کسی پر بھروسہ کرتے ہیں کہ۔
ان کے گھر کے چھ ملازم چھ کے چھ پڑے لگے ہیں کہ بہت سوچ بچار کے بعد انہیں جاب پر رکھا گیا تھا، یہ پانچویں سرونٹ کوارٹرز میں رہتے ہیں، کہ بریقہ کو باغبانی کا بہت شوق ہے، اس لئے روز پودوں کو وہ خود پانی دیتی ہے، کانٹ چھانٹ بھی خود ہی کرتی ہے، جو اس سے نہیں ہوتا وہ مالی بابا کو دیتے ہیں کوئی کام جو توجہ شوق و انہماک سے کرتی ہے تو وہ باغبانی ہی ہے وگرنہ باقی کسی کام سے اسے دلچسپی نہیں ہے، کوکنگ اس نے کبھی نہیں کی اس کے کام زیادہ تر روبینہ کے ہی سپرد ہیں، نازک مزاجی و سہل پسندی کا یہ عالم ہے کہ کبھی شو ریک سے اپنے جوتے اٹھا کر نہیں پہنے اس نے بہت شاہانہ طرز زندگی گزارا تھا اور گزار رہی ہے۔
”ٹھیک ہے بھائی، اللہ حافظ۔“ وہ صوفے سے اٹھی اور باہر کی طرف بڑھی تھی پھر کچھ سوچ کر جانے کیا اس کے دل میں سمائی وہ یزدان تک آئی۔
”آئی لو یو بھائی۔“ ہاتھ تھام کر نہایت جوش سے بولتی وہ اس کو بہت معصوم لگی تھی کہ یہ اس کا مخصوص انداز تھا خوش ہوتی تو یونہی پیار کا اظہار کرتی تھی جبکہ اس نے قدرے اچنبھے سے اسے دیکھا تھا کہ بائیس سال کی بالغ لڑکی کسی چھوٹی بچی کی طرح معصوم لگی تھی۔
”لو یو ٹو، مائی سویٹ ہارٹ۔“ نرمی سے اس کا گال تھپکا تھا اور اسے چھوڑنے وہ خود باہر تک آیا، بیک ڈور اس کے لئے اوپن کیا اور اس

کے بیٹھتے ہی روبینہ سے بولا۔
”گھر پہنچ کر فون کر دینا اور جی نے لنچ نہیں کیا ہے، دیکھ لینا کہ وہ کھانا کر سوئے، کھائے بغیر نہیں۔“ وہ سر ہلاتی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی تھی۔
”آپ روز بس سے آتے ہیں؟“ کچھ دیر بعد وہ حیرت و بے یقینی سے بولی تھی اور وہ طنزیہ مسکرا دیا تھا کہ چلو آج تو بس کی سواری نصیب ہے وگرنہ باپ کی موت کے بعد وہ وقت بھی دیکھا تھا کہ اپنے گھر سے انٹرویو کے لئے پیدل ہی چل پڑتا تھا کہ کرائے کے پیسے نہیں ہوتے تھے۔
”آپ رہتے کہاں ہیں؟“ اس نے نیا سوال کیا تھا جواب دینا اس کی مجبوری تھی۔
”اورنگی ٹاؤن“
”یہ کہاں پر ہے؟“ اس کے بتائے ہوئے مقام کو زیر لب کہتی اشتیاق سے پوچھ رہی تھی اور وہ کچھ نہیں بولا تھا کہ کلفٹن کی رہائشی اس امیر زادی کو وہ بتاتا بھی تو کیا؟ اور وہ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر جو بولی وہ اس کے لئے حیرانگی و بے یقینی کا باعث بنا، گاڑی ڈگمگا گیا، اس نے بمشکل سے ہی سہی گاڑی قابو کر لی تھی، مگر وہ افسردگی سے بولی تھی۔
”آپ مجھے اپنے گھر نہیں لے جا سکتے؟“ اس کی خاموشی سے اس نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا۔
”نہیں ایسی تو بات نہیں ہے۔“ وہ مزید گڑبڑایا تھا۔
”یعنی آپ مجھے اپنے گھر لے کر جائیں گے۔“ وہ خوش ہوئی تھی اس نے بیک مرر سے اسے دیکھا وہ کافی پرجوش لگی۔
”جی۔“ ایک لفظ کہہ کر جان چھڑانا چاہی تھی لیکن وہ تو جیسے اس کے پیچھے ہی پڑ گئی تھی۔
”ہم ابھی آپ کے گھر چلتے ہیں۔“ وہ پریشان اور روبینہ حیران ہو گئی تھی۔
”ابھی کیسے جا سکتے ہیں؟ سر نے مجھے آپ کو گھر ڈراپ کرنے کو کہا ہے اور مجھے آفس واپس......“
”میں بھائی سے کہہ دوں گی، آپ آفس کی فکر نہ کریں۔“ وہ بات کاٹ گئی تھی۔
”آپ میرے گھر کیوں جانا چاہتی ہیں؟“ وہ جھنجھلا گیا تھا اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو دماغ ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔
”ویسے ہی، کیا آپ کو یا آپ کی مدر کو میرا آپ کے گھر جانا اچھا نہیں لگے گا؟“ وہ افسردگی سے بولی تھی اور اس نے لب بھینچ لئے پھر کچھ سوچ کر بولا۔
”اصل میں میری مدر اپنی سسٹر کے گھر گئی ہوئی ہیں، بس اس لئے میں آپ کو ساتھ لے نہیں لے جا سکتا آپ ایسے وقت چلیں جب اماں گھر پر ہوں تو اماں کو آپ سے مل کر اچھا لگے گا۔“ بچاؤ کا کوئی راستہ نا پا کر جھوٹ کا سہارا لیا تھا اور وہ اس پر ہی خوش ہو گئی تھی کہ اشہب کی مدر اس سے مل کر خوش ہوں گی، ابھی وہ کچھ کہتی کہ اس کا سیل بجا تھا۔
”ہیلو، واٹ کون سے ہاسپٹل میں؟“ بریقہ کی بچپن کی دوست فاطمہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور فاطمہ کی مدر نے یہی بتانے کو فون کیا تھا۔
”آنٹی فاطمہ ٹھیک ہے نہ؟“ وہ بری رح رو رہی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ اس کی حالت کافی خراب ہے، اس نے کانپتے لہجے میں اس سے لیاقت نیشنل چلنے کو کہا تھا۔
”بی بی آپ روئیں نہیں۔“ اس کا بچوں کی طرح بلکنا اشہب پر گراں گزر رہا تھا جبکہ وہ پریشانی سے بول رہی تھی۔

''آپا، وہ فاطمہ، وہ ٹھیک نہیں ہے، آنٹی کہہ رہی تھیں......'' آگے اس سے بولا ہی نہیں گیا وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے روئے جارہی تھی اس نے پریشانی سے روبینہ کو دیکھا، جو اپنے سیل سے کسی کا نمبر ملا رہی ہے، دوسری بیل پر کال ریسیو ہوئی تھی۔

''او کے، روبینہ میں اس وقت بزی ہوں۔'' اس کو معلوم تھا کہ پہنچنے کی اطلاع دینے کو فون کیا ہوگا اس لئے کال ریسیو کرتے ہی کہا تھا لائن کٹ کرتا کہ اس نے پریشانی سے ساری بات بتادی تھی۔

''چھوٹے صاحب، بی بی بہت رو رہی ہیں اور ہاسپٹل جانے کا کہہ رہی ہیں۔'' اس نے ساری بات بتائی۔

''میری بات کرواؤ بجی سے۔'' وہ پریشانی سے بولا، میٹنگ کینسل کی اور روم سے نکلا۔

''بجی میری جان اس طرح مت رو، فاطمہ ٹھیک ہے۔'' وہ موبائل کان سے لگائے ایک لفظ نہیں بولی تھی اور اس کی سسکیاں وہ پارکنگ کی طرف بڑھا کہ خیال آیا کہ گاڑی تو ہے نہیں، ریسپشن پر کھڑی لڑکی کو باپ کے پاس سے چابی لانے کو دوڑایا۔

''نہیں وہ ٹھیک نہیں ہے، آنٹی بہت رو رہی تھیں۔'' سسکتے ہوئے بولی تھی۔

''آئی ایم سوری بھائی، میں فاطمہ کو مما کی طرح کھونا نہیں چاہتی، آپ آجائیں پلیز، بھائی آپ آجائیں۔''

وہ ریش ڈرائیونگ کرتا پہنچا جب تک سب کچھ ختم ہوگیا تھا کہ اس کی اکلوتی بیسٹ فرینڈ زخموں کی تاب نہ لاکر انتقال کرگئی تھی وہ فاطمہ کی مما کے سینے سے لگے بہت بری طرح رو رہی تھی، وہ جوان بیٹی کی موت پر نڈھال تھیں اس کا رونا تڑپتا، ان کی تکلیف بڑھانے لگا کہ وہ کسی کے قابو میں نہیں آرہی تھی، یزدان آفندی کو دیکھ کر اشہب اور روبینہ نے سکھ کا سانس لیا۔

''بجی۔'' وہ بھائی کی آواز پر اس سے الگ ہوئی اور بھائی سے آلگی۔

''بھائی، فاطمہ...... وہ نہیں رہی بھائی، مما کی طرح نہیں رہی، مما کی طرح چھوڑ گئی مجھے۔'' وہ سسکتے فریاد کرتے ہوش و خرد سے بیگانہ ہوگئی تھی، فاطمہ اس کے لئے بہت اہم تھی، اس کی واحد غمگسار، دوست جس سے وہ اپنی ہر بات کر لیتی تھی، اس کی اچانک موت نے اسے اندر تک توڑ ڈالا تھا، بیماری بھی طویل ہوگئی اور وہ محض اپنے کمرے کی ہوکر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

''میری جان اس کی اتنی ہی زندگی تھی، تمہارے رونے سے وہ نہیں آئے گی، جو چلے جاتے ہیں ان کے لئے مغفرت کی دعا طلب کرنا چاہیے کہ ایسے رونے سے تو کچھ نہیں ہوتا، جانے والے آتے نہیں ہیں۔'' وہ اس کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا تھا مگر اس کا کہاں اپنے آنسوؤں پر بس چلتا ہے۔

''تم پورے ایک ماہ سے آفس بھی نہیں آئی ہو، سب تمہیں کتنا مس کر رہے ہیں۔'' اس نے ذہن بٹانے کو موضوع ہی بدل ڈالا۔

''آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟'' وہ بے خیالی سے بولی تھی۔

''سب کی پورا اسٹاف میں اور ڈیڈی تمہیں مس کر رہے ہیں، تمہاری کمی محسوس کی ہے ہم سب نے، یار تمہارے عادی ہوگئے ہیں، اس لئے رونا دھونا بند اور کل سے تم دوبارہ آفس آرہی ہو اور ابھی اٹھو فریش ہو، ہم گھومنے جارہے ہیں۔'' وہ راضی نہیں تھی مگر اس نے منا کر ہی دم لیا تھا کہ تین دن بعد اس کی سالگرہ ہے اسی کے لئے اسے شاپنگ کروانی ہے کہ وہ ہمیشہ کی طرح سرپرائز پارٹی دینے والے ہیں، اس کی برتھ ڈے پارٹی وہ ہمیشہ شاندار ارینج کرتے ہیں جبکہ ہوتے صرف باپ بیٹا گھر کے ملازم اور فاطمہ اور وہ خود تھی اور اس دفعہ فاطمہ بھی نہیں ہوگی۔

☆☆☆

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ اسے پورے ایک ماہ تین دن بعد دیکھ رہا تھا، ہمیشہ کی طرح فریش تو نہیں لگی مگر اسے دیکھ کر اس کو کچھ اطمینان سا ملا تھا نہ جانے کیوں؟

''ٹھیک ہوں، آپ نے مجھے مس کیا تھا؟'' وہ اس کے خوبرو چہرے کو دیکھ کر پوچھتی اس کو گڑبڑا گئی کہ اس کے ساتھ یزدان آفندی بھی موجود ہے اس نے بے اختیار یزدان کی طرف دیکھا تھا اور اس نے مثبت جواب دینے کا اسے اشارہ کیا تو وہ الجھتا کہہ گیا۔

''جی، سب ہی آپ کو مس کر رہے تھے میڈم!'' اس کو سب سے کچھ لینا دینا نہیں تھا وہ اس کے اقرار پر خوش ہوگئی پل کی پل اس نے اس کی جگمگا اٹھنے والی آنکھوں سے نگاہ چرائی تھی۔

''تم اپنے روم میں جاؤ۔'' وہ سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

''ڈیٹا فائنل ہوگیا اشہب؟'' وہ یزدان کی بات پر چونکا اور پوری توجہ سے اس سے ساری تفصیل ڈسکس کرنے لگا۔

''اوکے ویلڈن۔'' وہ اس کے کام سے کافی مطمئن ہے اور وہ تھینکس کہہ کر اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

''مے آئی کم ان سر؟'' اجازت پاتے ہی وہ یزدان کے روم میں داخل ہوگیا۔

''سر! میری مدر کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے مجھے ہاف لیو......''

''آپ بجی سے جاکر بات کرلو، لیکن کہیں جانے کا کہہ دینا اپنی مدر کی خرابی طبیعت کا بتاؤ گے تو وہ اپ سیٹ ہوجائے گی۔'' وہ سر ہلاتا اس کے روم سے نکل گیا، اس نے ایسا کرنے کو محض اس لئے کہا کہ رابعہ نے ایک دفعہ اس سے پوچھ کر ہاف لیو لی تھی تو وہ کافی ناراض ہوئی تھی کہ باس وہ ہے تو پرمیشن بھی اسی سے لی جاتی، یزدان نے اس وقت تو اسے کول ڈاؤن کردیا تھا اور اس کے اپائنٹ کیے ورکرز اس کے فیصلوں کا محتاج کر دیا تھا، کوئی اس کو بتائے بغیر اس کے بعد چھٹی نہیں کرتا، ان تینوں کو یہ سب پتہ تھا مگر آج اسے بھی پتہ چل گیا تھا، جبکہ ان چاروں کو سیلری بھی وہ ہی دیتی تھی۔

''بیٹھ کر بات کریئے۔'' وہ کھڑے کھڑے ہی لوٹ جانا چاہ رہا تھا کیونکہ وہ منہ دھو کر آئی اور ٹاول اس کے ہاتھ میں ہے اور دوپٹہ راکنگ چیئر پر رکھا تھا، اس کے قیامت خیز سراپے سے اس نے بڑی مشکل سے نگاہ چرائی تھی اور وہ اس کی کیفیت سے انجان ٹاول صوفے پر اچھالتی، اپنی چیئر پر آبیٹھی۔

''جی کہیے۔'' وہ اس کی طرف متوجہ تھی مگر اس نے بمشکل اپنا مدعا سامنے رکھا تھا۔

''آپ جائیں گے کیسے؟'' وہ اس کو دیکھ رہی تھی۔

''جیسے روز جاتا ہوں میڈم۔'' وہ کھڑا ہوگیا کہ نگاہ کے سامنے ہی وہ حشر سے سراپے سنگ موجود تھی۔

''ابھی میں نے آپ کو جانے کی اجازت نہیں دی۔'' اس کے اٹھتے قدم رکے مگر پلٹتا

نہیں۔
''آپ مجھ سے اتنا بھاگتے کیوں ہیں؟ کیا میں آپ کو اچھی نہیں لگتی۔'' بہت بڑی بات اس نے نہایت آرام سے پوچھ لی تھی، وہ پلٹا اور اسے دیکھا جو چیئر سے اٹھ کر اس تک آ گئی تھی، گلابی کپڑوں میں ادھ کھلی گلاب کی کلی ہی تو لگی، اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں بے قراری و الجھن سی تیر رہی تھی۔
''آپ کی غلط فہمی ہے کہ میں آپ سے بھاگتا ہوں، بس آپ کے اور اپنے رتبے کا ہر لحاظ خیال رہتا ہے، آپ یہ بتایئے کہ میں جلدی چلا جاؤں یا ٹائم پر ہی جا سکتا ہوں۔'' اب کے وہ خود اعتمادی سے بولا تھا کہ نفس کے بے لگام گھوڑے کو لگام ڈالنے کے ہنر سے واقف تھا۔
''آپ کی لیو اپروو ہو چکی ہے بس آپ کچھ دیر ٹھہریئے۔'' وہ مسکرا کر بولی اور سیل فون اٹھا کر یزدان کو کال کی۔
''بھائی کیا میں اپنی گاڑی اشہب کو دے سکتی ہوں؟'' وہ حیرانگی سے اس کی پشت دیکھ رہا تھا۔
''نہیں وجہ کوئی خاص نہیں ہے، بٹ وہ بس میں آتے ہیں نہ تو، میں نے سوچا کہ ان کے پاس اپنی گاڑی ہونی چاہیے، اس لئے میں نے سوچا کہ اشہب کو اپنی گاڑی دے دیتی ہوں، لاسٹ منتھ بخاری انکل کی پروموشن ہوئی تھی تو ڈیڈی نے انہیں اپنی گاڑی گفٹ کر دی تھی نہ بس اس لئے، آپ کو اعتراض ہے تو......''
''نہیں میری جان تم اشہب کی پروموشن کرنا چاہتی ہو تو میں کیسے اعتراض کر سکتا ہوں، یار باس ہو تم اس کی دے دو اپنی گاڑی، ہم شام میں شو روم جا کر تمہارے لئے نیو کار لے لیں گے۔'' وہ جو لمحہ بھر کو ٹھٹکا تھا اس کی وضاحت پر مطمئن ہو گیا تھا اور شرارت سے پر لہجے میں مزید بولا کہ
''بخاری کو ڈیڈی نے فرنشڈ فلیٹ بھی ساتھ ہی گفٹ کیا ہے اور سیلری بڑھائی ہے۔''
''آپ ڈیڈی سے کہہ کر اشہب کے لئے فلیٹ کا انتظام کروا دیں رہ گئی سیلری وہ میں خو بڑھا دوں گی۔'' وہ ادائے بے نیازی سے بولی تھی۔
''تمہیں ڈیڈی آفس سے نکالنے والے ہیں۔'' وہ ہنسا تھا۔
''جی نہیں اتنے سے فلیٹ اور گاڑی کے لئے ڈیڈی مجھے آفس سے نہیں نکال سکتے، فلیٹ اور گاڑی مجھ سے بڑھ کر تو نہیں سکتی۔''
''ہاں بابا تم کہو تو سارے ورکرز کی تنخواہوں میں بونس کے ساتھ اضافہ کر دیتے ہیں۔'' اس نے اس کا مان بڑھایا تھا۔
''آئیڈیا اچھا ہے، بعد میں اس پر بات کریں گے، اس وقت اشہب ویٹ کر رہے ہیں کہ انہیں کہیں کام سے جانا ہے، ہاف لیو لی ہے مجھ سے۔'' اس نے ہنستے ہوئے فون بند کیا تھا اور گاڑی کی چابی اس کی طرف بڑھائی تھی۔
''آپ کی پروموشن ہو گئی ہے، کل آپ کو فلیٹ کی چابی مل جائیں گی۔''
''لیکن مجھے اس سب کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ تلخ ہوا تھا کہ اس کی مہربانیاں اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔
''بات آپ کی ضرورت کی نہیں میری مرضی کی ہے۔'' وہ کہاں انکار سننے کی عادی تھی فوراً ہی برا مان گئی تھی۔
''میں لیکن آپ کی مرضی کا محتاج نہیں ہوں آپ کے پاس جاب کرتا ہوں، خود کو گروی نہیں رکھا۔'' اس کا بھی غصہ عود کر آیا اور وہ کڑوے لہجے میں کہہ کر رکا نہیں اسے ششدر چھوڑ وہاں سے

نکلتا چلا گیا اور وہ اتنی اہانت پر سنگ ہی تو اٹھی کہ اتنی سختی سے انکار تو اس کی کسی بے جا ضد پر بھی اس کے باپ بھائی نے نہیں کیا ہو گا اور کہاں وہ اس کا ملازم اس کی انسلٹ کر گیا، اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔
''وہ خود کو سمجھتا کیا ہے بھائی؟ اس نے میری انسلٹ کی......''
''کس کی بات کر رہی ہو، کچھ بتاؤ تو سہی۔'' یزدان کو بے وقت کی راگنی بہت کھلی تھی اور اس نے روتے ہوئے تفصیل بتائی تھی۔
''ڈونٹ وری بجی، میں بات کروں گا اس سے۔''
''نہیں آپ بات نہیں کریں گے، میں اشہب کو جاب سے نکال دوں گی۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی، آنسو رگڑے اور آفس سے نکل آئی، وہ سر جھٹک کر کام میں لگ گیا تھا، دوسرے دن وہ آفس ہی نہیں آیا کہ اس کی مدر کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔
تیسرے دن اس کی برتھ ڈے تھی، یاد نہ تھا اسے مگر آفس آنے کا موڈ نہ ہوا تو گھر پر ہی تھی، کسلمندی سے بستر پر پڑی تھی کہ روبینہ نے اشہب کے آنے کی اطلاع دی تھی۔
''میرا کسی سے بھی بات کرنے کا موڈ نہیں ہے۔'' اس نے بے زاری سے کہا تھا، روبینہ نے آ کر اشہب سے وہی کہا تھا جو اس نے بولا تھا۔
''میرا میڈم سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔'' اشہب نے بے بسی سے کہا تھا اور اس کا مضمحل انداز دیکھ کر وہ دوبارہ بریقہ کے پاس چلی آئی اس کے باوجود کہ اسے ڈانٹ کی سو فیصدی توقع تھی، اشہب کو ماں کے علاج کے لئے پیسوں کی ضرورت تھی، آفس گیا تھا وہ وہاں نہیں تھی مگر یزدان نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ایڈوانس سیلری کی بات اس سے ہی کرے اور مشہود کے مشورے پر وہ بریقہ ولاز چلا آیا کہ مشہود کو بریقہ نے اپائنٹ کیا تھا اور وہ اس کی کافی مدد کرتی رہتی تھی، یہ سب اسے اچھا تو نہیں لگا تھا بٹ مجبوری میں تو حرام بھی حلال ہو جاتا ہے اور وہ تو محض انا و خودداری کو اپنے ہی پیروں تلے روند کر آیا تھا اور بس۔
''بی بی آپ اس سے مل لیں، وہ کچھ پریشان لگ رہا ہے۔'' لفظ پریشان پر وہ خود پریشان ہو گئی تھی کہ اس نے جاب سے نکال دینے کا کہہ تو دیا تھا مگر عمل کی راہ میں دل رکاوٹ بن رہا تھا، تبھی تو کل اس کے غائب ہو جانے پر شدید غصہ تھا، کل آفس میں زیادہ ٹھہری نہ تھی اور آج تو گئی ہی نہیں، اسے یہیں بلا لانے کا کہا اور بیڈ سے اٹھ گئی کہ آج اس نے بریک فاسٹ نہیں کیا، جوس کمرے میں ہی منگوا لیا تھا، چینج کر کے آئی تو وہ کھلے دروازے کے باہر کھڑا تھا۔
''آ جایئے اشہب۔'' وہ اندر آ گیا، وہ دوپٹہ شانوں پر ڈالتی بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی اور اسے صوفے پر بیٹھ جانے کو کہہ دیا جبکہ بڑھی ہوئی شیو اور سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ اسے بے حد پریشان لگا تھا۔
''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اس کی پریشانی لفظوں کی صورت ادا ہو رہی تھی۔
''جی میڈم۔'' اتنا ہی بولا تھا اور ایڈوانس طلب کرنے کے لئے لفظ جوڑنے لگا، تب اس نے خود ہی آنے کا سبب دریافت کر لیا۔
''آپ گھر آئے کیا بہت ضروری بات کرنی تھی؟''
''نہیں...... جی...... وہ میڈم...... مجھے ایڈوانس سیلری کی ضرورت تھی۔'' اس نے جھجکتے، اٹکتے کہہ ہی دیا تھا۔

"اتنی سی بات تھی، آپ فون پر کہہ دیتے، منیجر صاحب آپ کو پے منٹ کر دیتے۔" وہ بہت غصہ میں تھی، مگر اس کو دیکھ کر غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"جی مجھے خیال نہیں آیا۔" اس نے کہا تھا جب کہ اس نے اٹھ کر دراز کھولی تھی، ہزاروں روپیہ جس میں یونہی پڑا رہتا تھا، اس نے روبینہ کو بلوالیا۔

"میں آپ سے شدید ناراض تھی، آپ اس دن چابی لئے بغیر چلے گئے، آپ کے انداز سے میں ہرٹ ہوئی تھی اور مجھے اپنی انسلٹ بھی فیل ہوئی تھی، آپ گاڑی لینے پر کیوں معترض ہیں؟ پروموشن تو جاب کا حصہ ہوتی ہے۔" وہ روبینہ کو ہدایت دیتی اس سے بولی تھی۔

"میرا مقصد آپ کی انسلٹ کرنا نہیں تھا، آئی ایم سوری۔" اسے اپنی اور اس کی حیثیت کا مزید اندازہ ہوگیا تھا۔

"آپ سوری مت کریں، میرا مقصد یہ نہیں تھا، میں ہرٹ ہوئی تھی اس لئے کہا، آپ ہمارے آفس میں کام کرتے ہیں، لیکن ہم خود کو آپ سے اس وجہ سے سپریئر نہیں سمجھتے، بلیو کریں، آپ کو جو بھی دے رہے ہیں وہ آپ کا حق ہے، میں جانتی ہوں کہ آپ نام کو میرے انڈر میں کام کر رہے ہیں، آپ بھائی کے انڈر میں کام کرتے ہیں، وہ آپ کے کام سے مطمئن ہیں، وہ آپ کے کام کی تعریف کر رہے تھے، پہلے پروموشن کی بات انہوں نے ہی کی تھی۔" وہ سادگی وسچائی سے بول رہی تھی اس کے بولنے کی گنجائش تو پہلے بھی نہ تھی اب تو بالکل ہی ختم ہوگئی ہے۔

"بی بی چالیس ہزار ہیں۔" پیسے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے روبینہ نے کہا تھا۔

"تھینکس، اشعب کے لئے چائے لے آیئے۔" اسے جانے کو کہا تھا۔

"تھینکس، میڈم مجھے جلدی ہے۔" چائے پینے کے لئے معذرت کرلی تھی۔

"آپ فرسٹ ٹائم آئے ہیں، اس لئے ہی تو جانے نہیں دیا جاسکتا۔" پیسے اس نے رائٹنگ ٹیبل پر ڈھونڈنے کے بعد ایک لفافے میں ڈال کر اس کی طرف بڑھائے تھے، لفافے پر لکھی عبارت پر اس کی نگاہ پھسلی تھی۔

"ٹو مائی سویٹ ہارٹ لعل سی بچی، فرام یزدان آفندی۔" اس نے لفافہ شکریے کے ساتھ تھام لیا تھا۔

"تھینکس اشعب، یہ آپ کی محنت کا ہی صلہ ہے۔" وہ مسکرائی تھی۔

"بٹ میڈم میری سیلری بیس ہزار ہے اور یہ فورٹی......"

"ون منتھ کی سیلری آپ کو ایڈوانس دی ہے، مائنڈ نہ کریں تو پوچھ سکتی ہوں کہ اچانک آپ کو پیسوں کی ضرورت کیوں پڑی؟ سب ٹھیک تو ہے؟" اور اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی ماں کی طبیعت کا بتادیا تھا۔

"آپ کی مدر کو کچھ نہیں ہوگا، میں ان کی صحت کے لئے دعا کروں گی اور آپ اب جایئے کہ آپ کی مدر کو آپ کی ضرورت ہوگی، چائے ادھار رہی۔" وہ اس کے بے اختیاری میں دیکھنے لگا، وہ نہ جانے کیوں اسے کچھ خاص سی لگتی تھی اور اس کی جھیل سی آنکھوں میں دیکھ تو سینے میں موجود دل اپنے ہونے کا احساس دلانے لگتا تھا، اس کے دیکھنے پر اس کے چہرے کی گلابیاں سرخیوں میں ڈھلنے لگیں، پلکیں لرزنے لگیں اور اس کی بدلتی کیفیت اس پر یا خود اس پر انداز ہوتی وہ پلٹا اور اللہ حافظ کہتا وہاں سے نکل گیا اور وہ پیچھے اپنی

دھڑکنوں کو شمار کرتے رہ گئی۔

"مجھے اپنی فیلنگز بھائی سے شیئر کرنے ہی ہوں گی۔" مسکرا کر سوچا اور مطمئن ہوگئی۔

☆☆☆

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" ان دونوں نے اسے باری باری وش کیا تھا۔

"میں ہر سال کی طرح آج بھی بھول گئی تھی۔" وہ باپ کے کاندھے سے لگی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہماری ننھی گڑیا کی یادداشت بھی ننھی سی ہے۔" سلطان آفندی نے مسکرانے میں بیٹی کا ساتھ دیا تھا، وہ کھنکی تھی یزدان آفندی کا قہقہہ وہ خجل ہوگئی تھی اور اسی چھیڑ چھاڑ میں اس نے کیک کاٹا تھا کہ یکدم وہ رو پڑی تو وہ دونوں ہی پریشان ہوگئے، اسے فاطمہ یاد آگئی تھی، اسے بہت مشکل سے ان لوگوں نے فاطمہ کے موضوع سے ہٹایا تھا۔

"یار، ڈیڈی کرلوں گا نہ شادی جلدی کیا ہے؟" سلطان آفندی نے جان کر بیٹے کی شادی کا موضوع چھیڑ دیا تھا۔

"اور سنوان صاحب بہادر کی اٹھائیس برس کے ہوگئے ہیں صاحب اور شادی کے لئے یہ عمر بھی کم لگتی ہے۔" انہوں نے بیٹے کو گھورا تھا اور وہ باپ کے انداز پر جہاں خجل ہوا تھا وہ ہنس دی تھی، وہ سخت مزاج کے بندے تھے لیکن دونوں بچوں کے لئے ہمیشہ نرم سایہ دار چھایا ہی ثابت ہوئے، تینوں میں گہری دوستی تھی اور اس کا کریڈٹ سلطان آفندی کو جاتا تھا کہ انہوں نے بچوں کو اچھا دوستانہ ماحول فراہم کیا۔

"بھائی ڈیڈی ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں، آپ بس اب شادی کر ہی لیں، مجھے بھی کسی فرینڈ کی ضرورت ہے۔"

"بھابھی فرینڈ نہیں جان کا عذاب ہوئی ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔

"وہ آتے ہی تمہیں یہاں سے رفو چکر کرے گی۔"

"بھائی اب ایسی بھی بات نہیں ہے، اب ہر انسان تو برا نہیں ہوتا اور جب آپ اور ڈیڈی میرے ساتھ ہیں تو کوئی بھی مجھے کسی بھی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" وہ باپ کے کندھے سے لگی لاڈ سے بولی تھی۔

"ہاں بھئی ہماری بچی نے بالکل ٹھیک کہا، بھابھی نئی ہوگی نہ، تم تو نہیں، تم اس بھابھی کو جان کا عذاب نہیں دوست بننے میں مدد کرنا، سمپل۔" انہوں نے خوب ہی بیٹے کی کھنچائی کی تھی۔

"اسی لئے تو میں شادی نہیں کر رہا، وہ بے چاری آئی نہیں ہے اور بیر باندھ بھی لیا ہے آپ دونوں باپ بیٹی نے۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا تھا وہ۔

"او......او" کرنے لگی تھی۔

"یار بچوں مذاق برطرف، سیریس ہو جاؤ کہ میں بس واقعی اب یزدان کی شادی کر دینا چاہتا ہوں، تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو فوراً بتا دو۔"

"اتنی خاص تو کوئی کبھی لگی ہی نہیں ڈیڈی۔"

"صنوبر کے بارے میں کیا خیال ہے؟" انہوں نے جگری یار کی اکلوتی بیٹی کا نام لیا تھا، یزدان سے پہلے وہ بول پڑی۔

"وہ مجھے اچھی نہیں لگتیں۔" اس نے منہ بنایا تھا، باپ بیٹا ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"کیوں اچھی نہیں لگتی، خوبصورت اسمارٹ پڑھی لکھی۔"

"انکا ایٹی ٹیوڈ مجھے نہیں پسند، کتنا بن بن

کے بولتی ہیں، ڈریسنگ بھی ایکدم فضول کرتی ہیں، میں نے صنوبر آپی کو قمیض شلوار پہنے تو کبھی دیکھا ہی نہیں۔" وہ ناپسندیدگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈال رہی تھی۔

"ڈیڈی! صنوبر تو مجھے بھی پسند نہیں، بٹ آپ بے فکر رہیں آج سے میں نے لڑکیوں کو نظر میں رکھنا ہے، جیسے ہی کوئی اچھی لگی بتا دوں گا، وگرنہ آپ اپنے سرکل میں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر کوئی لے ہی آئیے گا۔" اس نے بالآخر شادی کے لئے ارادہ ظاہر کر ہی دیا۔

"ویسے میں تو کہوں گا، آپ جی کے لئے کوئی لڑکا دیکھیں، اس کی......"

"مجھے نہیں کرنی شادی۔" وہ تھی، کال آنے لگی تو سلطان آفندی معذرت کرتے اٹھ گئے۔

"کیوں نہیں کرنی شادی؟"

"بس نہیں کرنی۔" وہ انگلیاں چٹخانے لگی وہ اس کو غور سے دیکھ رہا تھا، وہ کچھ کہنے نہ کہنے کی الجھن میں لگی۔

"کیا بات ہے میری جان کچھ کہنا ہے؟" اس نے چونک کر بھائی کو دیکھا اس کے خوبرو ڈیسنٹ چہرے پر نرم سا تاثر بکھرا تھا جو محض اس کے لئے مخصوص ہے۔

"وہ...... بھائی...... آئی......" ہر بات اس سے بلا جھجک کہنے والی جھجک گئی تھی کہ بات ہی کچھ ایسی تھی اس نے حیرانگی سے اسے دیکھا سمجھ نہ سکا، جبکہ وہ اٹھی سنگل صوفے پر بیٹھے یزدان کے پاس رکی۔

"آئی لو یو بھائی۔" اپنے مخصوص انداز میں اس کے گال پر پیار کرتی وہاں سے بھاگ لی تھی اور آج وہ اس کی اس معصوم ادا پر مسکرا نہ سکا کہ اس کا ذہن الجھ گیا تھا، ذہن میں کچھ گردش کرنے لگا ہے کہ اس کا گزرے تین ماہ کا بی ہیوئیر بھی اسے بارہا چونکا گیا تھا۔

"کیا ہوا برخودار ایسے کیوں بیٹھے ہو؟" سلطان آفندی اس کو سوچتا پا کر اس تک چلے آئے۔

"میں جی کو سوچ رہا تھا آئی مین ڈیڈی، میں چاہتا ہوں کہ اس کی شادی کر دی جائے۔" وہ انہیں حیران کر گیا۔

"قبل از وقت نہیں لگ رہی تمہیں یہ بات؟"

"نہیں ڈیڈی، آج جی کی تئیسویں سالگرہ منائی ہے، شادی کا سوچیں تو قبل از وقت تو نہیں ہوگا۔"

"یہ سوچنے کی خاص وجہ؟" وہ بیٹے کو جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"اصل میں ڈیڈی جی بہت زیادہ حساس ہے، تنہائی و اکیلے پن سے بھاگنے کے لئے ہی تو اس نے آفس جوائن کیا، اس سب کا کیا فائدہ تنہا ہی و اکیلا پن تو اب بھی برقرار ہے، شادی ہو گئی تو لائف ایکدم چینج ہو جائے گی، شوہر اور بچوں میں لگ کر تنہائی کے حصار سے نکل جائے گی۔" اس نے درست سمت کی جانب نشاندہی کی تھی۔

"یس یو آر رائٹ، لیکن آس پاس تو ایسا کوئی لڑکا ہی نہیں ہے جس کے متعلق سوچا جا سکے، پرپوزل تو بہت ہیں نظر میں، کچھ نے تو کہہ بھی رکھا ہے، مگر میں نے اس نہج پر سوچا ہی نہیں تھا کہ جی مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اتنی بڑی ہو گئی ہے، ٹھیک کہا کہ ہمارے سرکل میں لڑکے تو بہت ہیں، لیکن جی کی سوچ کے مطابق تو کوئی ایک بھی نہیں ہوگا، جی اموشنل لڑکی ہے اور ہمارے درمیان بزنس مائنڈڈ لوگ ہیں، ذرا سی بات پر ہم سے اختلاف ہو تو وہ بے سکون ہو جاتی ہے، الگ سوچ کے بندے کے ساتھ کیسے گزارہ کر پائے گی؟"

وہ بہن کی ذات و سوچ کا تجزیہ کرتا الجھن کا شکار تھا۔

"تمہاری مما ہوتیں تو وہ جی کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتیں تھیں، وہ ہم دونوں سے ہی اٹیچڈ ہے لیکن کچھ باتیں وہ یقیناً ہم سے نہیں کر پاتی۔" انہوں نے انڈرسٹوڈ بات کی تھی۔

"آئی نو ڈیڈی، فاطمہ اس کے لئے بہت امپورٹنٹ تھی، فاطمہ کی کمپنی میں جتنی خوش ہوتی تھی اندازہ ہوگا آپ کو۔"

"ہاں اور اس لئے فی الحال جی کی نہیں اپنی شادی کا سوچو کہ تمہاری بیوی نہ صرف اس گھر کو جی کو بھی سنبھال لے گی، جی کی شخصیت میں ماں نہ ہونے کی وجہ سے جو کمی رہ گئی ہے وہ تمہاری بیوی ہی مکمل کر سکتی ہے۔" اس کی سمجھ میں باپ کی بات آ گئی تھی اور وہ شادی کے لئے مکمل حامی بھرتا ہی وہاں سے اٹھا تھا۔

☆☆☆

"جی! بتاؤ نہ کیا بات ہے، کیوں اتنا رو رہی ہو؟" وہ جو روبینہ کی ایک فون کال پر بھاگا آیا تھا اس کا رونا اس کی فکر بڑھا گیا تھا۔

"بھائی وہ انگیجڈ ہے بھائی...... وہ...... وہ کسی اور کا ہوا نہ بھائی تو میں مر جاؤں گی، آئی لو ہیئر بھائی آئی لو ہیئر۔" وہ روتے سسکتے کہتے ہوئے اس کا وجود آندھیوں کی زد پر لے گئی جو کھٹکا و خدشہ تھا وہ حقیقت بن کر سامنے آ گیا تھا۔

"تم کس کی بات کر رہی ہو؟"

"اشہب کی بھائی میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں اس لمحے سے بھائی جب اسے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔" وہ ہچکیاں لے رہی تھی اور اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ وہ نہ غیرت دکھا پا رہا ہے نہ غصہ، تکلیف سے اسے تکلیف میں دیکھ رہا ہے۔

"اشہب کی مدر کی طبیعت خراب تھی آج میں اشہب کے گھر ان کی عیادت کو گئی تھی، وہاں وہ بھی تھی بھائی، اشہب کی فیانسی، میں وہاں سے آ گئی، یہ مجھ سے برداشت ہی نہیں ہوا بھائی میں اشہب کے بغیر مر جاؤں گی بھائی، مما سے پیار کیا وہ چھوڑ گئیں، فاطمہ سے پیار کیا وہ بھی چھوڑ گئی، لیکن اب میں اشہب کو نہیں کھونا چاہتی۔" وہ کہتے ہوئے اٹھی تھی، وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن قدم چکرانے کے سبب لڑکھڑائے تھے اور وہ اس کو زمین بوس ہوتے دیکھ کر اس کی طرف لپکا، سر زانو پر رکھا، گال تھپتھپایا کوئی جنبش نہ پا کر اسی وقت اسے ہاسپٹل لے گیا، گیارہ گھنٹے گزر گئے مگر اسے ہوش نہیں آیا کہ شدید قسم کے شاک کے سبب اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔

☆☆☆

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا یزدان اس کی اور ہماری حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔" وہ بیٹے پر اتنے سخت لہجے میں پہلی دفعہ بگڑے تھے۔

"جانتا ہوں ڈیڈی، مگر اسی زمین کو جی سر کا تاج بنانا چاہتی ہے۔"

"ہاں تو وہ پاگل ہو گئی ہے تم تو پاگل مت بنو، اسے سمجھانے کی بجائے الٹا حمایت کر رہے ہو......" وہ تڑختے لہجے میں اس کی بات کاٹ گئے تھے۔

"وہ سمجھنے کی حدود میں ہوتی تو ضرور سمجھاتا ڈیڈی۔" وہ اب بھی نرمی سے ہی بولا ہی تھا۔

"ڈیڈی! جی، اشہب سے محبت کرتی ہے اور ہم محض اسٹیٹس کی خاطر جی کی خوشیاں داؤ پر نہیں لگا سکتے کہ اس شخص کو جی کی خوشیوں کے لئے اپنے اسٹیٹس تک با آسانی لایا جا سکتا ہے۔"

"واٹ ربش، یزدان یہ ناممکن ہے۔"

''ناممکن کو جی کی خوشیوں کے لئے ممکن بنانا ہوگا کہ ڈیڈی اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو جی کو کھو دیں گے۔'' وہ دکھی ہو گیا تھا۔

''ایک ماہ میں ہی جیسے اس کی ساری شادابی، ساری رونق ختم ہو گئی ہے، ڈیڈی بزنس برین سے کیا جاتا ہے لیکن رشتے تو اموشنز سے ہی بنتے ہیں، ہم نے ساری زندگی جی کو چاہا، اس کی ہر جائز و ناجائز ضد پوری کی، تو شادی اس کی پسند سے کیوں نہیں کر سکتے؟ محض اس لئے کہ وہ لڑکا غریب ہے، یہ تو سوچیں ڈیڈی کہ آپ ہمارے اسٹیٹس اور جی کی شان شایان لڑکے سے اس کی شادی کر دیں اور وہ خوش ہی نہ رہے تو اس سے بہتر یہ نہیں ہوگا کہ وہ اس غریب شخص کو پا کر خوشیاں حاصل کر لے اور ڈیڈی کیا وہ شخص غریب ہو سکتا ہے، جسے ہماری جی محبت کرتی ہے؟'' اس نے باپ کا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ میں لے رکھا تھا۔

''ڈیڈی! جی کے حصے کی جتنی جائیداد ہے اگر وہ کم ہے یا نہیں بھی ہے تو میں اپنے حصے کی تمام جائیداد جی کے نام کر دوں گا، لیکن کیا ہماری جی دولت پر مرنے والی ہے؟ وہ ہمارے دیئے گئے مہنگے مہنگے گفٹس پر خوش نہیں ہوتی کبھی، اس کی خوشی کا باعث بات یہ ہوتی ہے کہ وہ گفٹ اس کے ڈیڈی نے دیا ہے، اس کے بھائی نے دیا ہے اور جس کو ساری زندگی دیتے آئے کیا اس لئے کہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھین لیں؟ وہ خوشیوں کو ترسے۔''

''اللہ نہ کرے یزدان ہماری جی کو زندگی کی ہر خوشی و راحت ملے گی، آمین۔'' ان دونوں نے ہی صدق دل سے کہا تھا۔

''آئی ایم پراؤڈ آف یو مائی سن کہ تم نے جی کے لئے اتنا سوچا اس کو اہمیت دی اور مجھے بھی احساس دلایا۔'' فرط جذبات سے لبریز ہوتے وہ بیٹے کو سینے سے لگا گئے تھے۔

☆☆☆

''آئی ایم سوری سر، میں اپنی کزن سے انگیجڈ ہوں۔'' یزدان آفندی نے باپ کے مان جانے کے دوسرے ہی دن اسے گھر بلا کر ڈائریکٹ اس سے شادی کی بات کی تھی۔

''اشہب ہم چاہتے ہیں کہ تم جی سے شادی کر لو۔'' وہ حیران ہی تو رہ گیا تھا پانچ منٹ خاموشی کی نظر ہو گئے یزدان نے اسے خود کو کمپوزڈ کرنے کا موقع دیا تھا اور وہ بالآخر خود کو کمپوزڈ کر کے کہہ گیا تھا جو وہ پہلے سے جانتا ہے۔

''آئی نو اشہب، اور منگنی ختم بھی تو کی جا سکتی ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتا اس کی حیرانگی و بے یقینی کئی گناہ بڑھا گیا۔

''لیکن، میں منگنی ختم کیوں کروں گا؟ یہ رشتہ میری پسند سے جڑا ہے ختم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' ذہن و دل میں کچھ زبان سے کچھ ادا کر رہا ہے۔

''تمہاری بات اپنی جگہ ٹھیک ہے، لیکن جی تم سے محبت کر بیٹھی ہے۔'' وہ بے یقینی سے اس کو دیکھ رہا ہے۔

''اور جی کی خوشی کے لئے ہم کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں، یہ بات ہے تو غلط لیکن ہم بھی مجبور ہیں صرف اس لئے آپ کو منگنی ختم کرنے کا کہا ہے۔'' انہوں نے تفصیل سے اسے ساری صورتحال بتائی تھی کہ اس کے راضی ہوئے بغیر کچھ بھی ممکن ہو ہی نہیں سکتا۔

''دیکھو اشہب تم نے خود کہا تھا کہ تم اپنی منگیتر کو پسند کرتے ہو، لیکن جی تم سے محبت کرتی ہے پسند سے دستبرداری قبول کرنا آسان لیکن محبت سے دستبرداری قبول کرنے میں عمر کٹ

مسافت بھی کم پڑ جاتی ہے۔'' وہ بہن کی خوشیوں کے لئے دلائل دے کر اس کو قائل کر لینا چاہتا ہے۔

''میں نے میڈم کے لئے کبھی اس طرح نہیں سوچا، نہ سوچنا چاہوں گا حیثیتوں کا فرق سمجھتا ہوں اور اپنی انا و خودداری میں گروی نہیں رکھ سکتا، بات اگر میری نہیں کسی اور کی ہے تو مہوش مجھ سے محبت کرتی ہے مجھ پر کچھ ذمہ داریاں ان کو پورا کرنے تک اس نے انتظار قبول کیا ہے، میں نے میری ماں نے زبان دی ہے اور جس سے میں پھر نہیں سکتا ہوں۔'' وہ احساس جو اس نے کبھی مہوش کے لئے محسوس نہیں کیا تھا وہ بریقہ آفندی نے جگایا تھا، مگر وہ اپنی خوشی کے لئے مہوش کی خوشیاں داؤ پر لگا کر اس کا انتظار رائیگاں جانے نہیں دے سکتا، وہ یزدان کو مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر وہاں سے نکل گیا، وہ الجھا پریشان بیٹھا تھا کہ وہ یہ تک محسوس نہیں کر سکا کہ وہ کب اس کے برابر آ بیٹھی وہ اس کی آواز پر چونکا تھا۔

''بھائی وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا، شادی بھی نہیں کرنا چاہتا تو آپ اسے فورس نہ کریں کہ میں اپنی خوشیوں کے لئے اشہب اور اس لڑکی کو دکھی کرنا کبھی نہیں چاہوں گی۔'' اس نے ان کی باتیں سن لی تھیں، وہ اس کو روتے دیکھ کر آج چاہ کر بھی چپ نہ کرا سکا، مگر چند ہی ماہ میں اس کی اجڑی حالت، ویران آنکھیں زرد چہرہ ان کا سارا سکون درہم برہم کر گیا، بیٹی کی اجڑی حالت برداشت نہ ہوئی تو خود اشہب سے بات کی مگر اس نے ان کو بھی انکار کہہ دیا اور وہ بیٹی کی حالت سے پریشان تھے، اس کا انکار تو پہلے بھی سلگا گیا تھا مگر اب تو شدید توہین محسوس ہوئی اور ان کا ازلی جاہ و جلال عود آیا اور وہ ایک ایسے بزنس مین بن گئے جو صرف و صرف اپنا ہی مفاد سوچتا ہے، اس کے جانے کے بعد انہوں نے ایک بھروسے کے آدمی کو فون کیا اور اس کی اور اس کی منگیتر کی تمام تر انفارمیشن ڈھونڈ کر ان کو بتانے کو کہہ دیا اور کچھ اطمینان محسوس کرنے لگے۔

☆☆☆

''مہوش تم تو ساری عمر انتظار کرنے کو تیار تھیں، محض چھ ماہ میں ہی تھک گئیں۔''

کل رات نسیمہ بہن کو منگنی کی انگوٹھی واپس کر گئیں تھیں یہ کہہ کر کہ انہیں اپنی بیٹی کو فوری شادی کرنی ہے وہ اتنا طویل انتظار نہیں کر سکتیں، نجمہ نے کہا بھی کہ یہ پہلے کیوں نہیں سوچا تھا تو وہ بیٹی کی ضد کہہ کر بری ہو گئیں اور آج وہ اس سے جواب طلبی کرنے چلا آیا تھا۔

''میں تھکنا نہیں چاہتی تھی، میں تو مجبور ہو گئی اماں اور ابا نے صرف میری ضد کی وجہ سے تمہاری شرط مانی تھی، مگر تین دن پہلے ابا کے ہونے والے ایکسیڈنٹ نے اماں اور ابا کو پرتشویش کر دیا ہے اور وہ اپنی زندگی میں مجھے میرے گھر کا کر دینا چاہتے ہیں۔'' ذہن و دل میں ہوتی کشمکش کے برعکس وہ نارمل لہجے میں بولی تھی۔

''اگر یہ بات ہے نہ، تو میں شادی کے لئے تیار ہوں۔'' وہ اس کے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

''نہیں اب بہت دیر ہو گئی ہے، ابا پھپھو سے بات کر چکے ہیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی آنسو گرنے لگے تھے۔

''مہوش، جو بات تمہاری زبان کہہ رہی ہے اسی کی نفی چہرہ و آنکھیں کیوں کر رہی ہیں؟ کیا ہوا؟ کیوں ایسا فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئی ہو؟''

اس کے ذہن میں جو بات آئی ہے وہ زبان سے کہہ نہیں سکتا اس لئے چاہتا ہے کہ اس کی الجھن

وہ دور کر دے مگر وہ کچھ نہ بولی کہ جو کہنا نہ چاہا تھا وہ کہہ کر اصل حقیقت اپنے آپ دم توڑنے لگی ہے۔

''تمہیں تو مجھ سے محبت کا دعویٰ تھا، یہی تھی تمہاری محبت کہ چھ ماہ میں ہی دم توڑ گئی۔''

''میں نے محض دعوی نہیں کیا تھا مسٹر اشہب، محبت کرتی تھی کرتی ہوں کرتے رہنا چاہتی ہوں، لیکن......'' اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

''میں تم سے زیادہ محبت اپنے والدین سے کرتی ہوں، تم تو کچھ نہیں جانتے اشہبو، کہ میں نے یہ فیصلہ کس مشکل سے کیا ہے، صرف ابا کی زندگی کے لئے۔''

''مطلب کیا ہے تمہاری بات کا؟''

''صاف ہے ابا کا ایکسیڈنٹ ہوا نہیں تھا کروایا گیا تھا۔''

''کیا کسی نے؟'' وہ بے یقینی سے بولا وہ تلخی سے ہنس دی۔

''تمہارے باس کے باپ نے، سلطان آفندی آئے تھے یہاں انہوں نے صاف اپنے جرم کا اعتراف کیا اور کہا کہ ابا کا یہ معمولی ایکسیڈنٹ محض ٹریلر تھا، اگر ہم نے منگنی نہیں توڑی تو وہ ابا کی جان لے لیں گے۔'' بلی تھیلے سے باہر آ گئی تھی، کچھ نہ کچھ اسے خدشہ ضرور تھا مگر بات اتنی بڑی ہو گی اس کے تصور میں بھی نہ تھا۔

''نہیں اشہبو، وہ طاقتور ہیں ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، تم سے شادی کر لی اور انہوں نے ابا کو کوئی نقصان پہنچا دیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گی، تم کو بھلانا آسان نہیں ہے مگر کوشش کر دیکھوں گی اور تمہارے لئے تو مجھے بھولنا آسان ہو گا کہ محبت تو صرف میں نے کی ہے اور میں تو تم سے یہ ہی کہوں گی کہ تم اس لڑکی سے شادی کر لو کہ میں یہ ہی چاہوں گی کہ تم خوش رہو۔'' اس نے بیٹی ہونے کا فرض ادا کیا تھا، محبت بین کر رہی تھی لیکن تسلی دلا سے دیتی محبت محبوب کی خوش کی منتظر ہے۔

''مجھے کیا کرنا چاہیے کیا نہیں یہ رہنے دو، میں تم سے شرمندہ ہوں اور مجھے خود پر فخر بھی ہو رہا ہے کہ مجھے تم جیسی اعلیٰ سوچ کی لڑکی نے چاہا، تم میرا نصیب نہ بن سکیں، اس کا مجھے بھی افسوس رہے گا اللہ حافظ۔'' وہ سچائی سے بولا اور وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی۔

☆☆☆

''تم سوچ بھی نہیں سکتے ہو اشہب کہ ہم کس حد تک جا سکتے ہیں۔'' اس کو اپنے انکار پر ڈٹے دیکھ کر سلطان آفندی بھڑک کے تھے۔

''نمونہ دیکھ چکا ہوں سر، لیکن رشتے یوں زور زبردستی کی بنیاد پر قائم نہیں ہوتے، جب مجھے میڈم سے شادی کرنی ہی نہیں ہے تو میں شادی کیوں کروں؟ آپ میری فیانسی کو ڈرا دھمکا سکتے تھے، آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو بھی گئے، لیکن مجھ سے زبردستی نہیں کر سکتے کہ ڈرا دھمکا کر آپ نے میری منگنی ختم کروا دی، نکاح نامہ سائن نہیں کروا سکتے۔'' یہ معاملہ اگر سلطان آفندی کے لئے ضد اور انا کا بن گیا ہے تو ایسی ہی صورتحال اس کے بھی ساتھ ہے اور انا کی بقاء کے لئے ہی تو دھڑکتے دل کو گواہی بھی پس پشت ڈال دی ہے کہ محبت و انا کا وجود تو سنگ سانس لے ہی نہیں سکتا، اس کا اٹل فیصلہ کن لہجہ ان کی آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

''کیا کر سکتے ہیں، کیا کیا کروا سکتے ہیں اندازہ نہیں ہے تمہیں۔''

''اندازہ ہے مجھے، اسی لئے اپنا استعفیٰ ساتھ لایا ہوں اور ایک بات آپ دولت مند ہیں، طاقتور ہیں تو اپنے لئے کہ میں بھی اتنا گیا گزرا نہیں ہوں، آپ ڈائریکٹ مہوش اور اس کی فیملی کو نشانہ بنا کر اس نے رابطہ نہ کرتے تو میں آپ کو اسی سے شادی کر کے دکھاتا کہ ضد و انا بات کا غرور میں بھی رکھتا ہوں، غریب ہوں مجھے کوئی افسوس نہیں ہے اپنی غربت کا اپنی خودداری کا، اپنی انا و ضد کا سودا نہیں کر سکتا، آپ کو آپ کی جائیداد آپ کی جاب آپ کی بیٹی مبارک ہو، میں شادی اپنی حیثیت کی لڑکی سے کروں گا نہ کہ امیر باپ کی ضدی بیٹی سے گڈ بائے فار ایور مسٹر سلطان آفندی۔'' وہ چٹانوں سے سخت و ٹھوس لہجے میں کہتا ایک شان سے ان کے آفس سے نکل گیا تھا۔

''بات اب میری بیٹی کی محبت و ضد کی نہیں ہے اشہب لطیف، بات اب میری ضد اور وقار کی ہے، اب تم دیکھتے جاؤ نہ میں نے تمہیں اتنا مجبور کر دیا کہ تم خود رشتہ لے کر آؤ تو میرا نام سلطان آفندی نہیں۔'' وہ بری طرح کھولتے ذہن کے ساتھ با آواز اپنے عزائم سوچ رہے تھے۔

☆☆☆

''میرے جوتے اتارو، بریقہ آفندی۔'' وہ بے یقینی حیرت و استعجاب لئے کاجل اور آئی میک سے سجیں قاتل نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں نے کہا میرے جوتے اتارو۔'' اب کے وہ پہلے سے بھی زیادہ سختی سے بولا اور وہ حیرت و استعجاب میں بندھی بولی۔

''مم...... میں...... کیں کیسے؟'' اس نے تو سوچ بچار کرنی ہی ہے کہ اس نے جوتے اتارنے کو ایک ایسی لڑکی سے کہا ہے جو سیج پر سولہ سنگھار کیے اپنے دولہا کی منتظر تھی اس کی پیار بھری سرگوشیوں کی عزت و مان کی منتظر تھی، مگر اس نے آتے ہی اسے بیڈ سے اترنے کا کہا تھا اور وہ نا سمجھی کے عالم میں اس کے کہے پر عمل کر گئی تھی تو دوسرا حکم ملا تھا اور وہ بھی چند گھنٹوں کی اس دلہن کو جس نے خود کبھی اپنے جوتے نہیں اتارے تھے۔

''ارے ہاں میں تو بھول ہی گیا تھا کہ آپ سلطان آفندی کی اکلوتی دختر نیک اختر ہیں، جنہوں نے کبھی اپنے جوتے نہیں اتارے۔'' وہ اس کے بیڈ سے اترتے ہی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے پاؤں پر پاؤں رکھے نیم دراز ہو گیا تھا، اس کے مقابل آتا بولا اس کی الجھنوں میں اضافہ ہونے لگا تھا کہ اس نے سختی سے اس کا نرم گداز بازو اپنی آہنی گرفت میں لے لیا۔

''لیکن اب تم صرف سلطان آفندی کی بیٹی نہیں ہو، میری اشہب لطیف کی بیوی ہو۔'' وہ تیکھے چتونوں سے اس کے سجے سنورے روپ کو گھورتا بے لچک لہجے میں بول رہا تھا کہ وہ درمیان میں منمنائی تھی۔

''پلیز میرا بازو چھوڑیں، مجھے درد ہو رہا ہے۔'' اتنا کہنے پر گرفت اس نے اور سخت کر دی۔

''تکلیف مجھے بھی ہوئی ہے بریقہ آفندی اور اپنی ہر تکلیف کا حساب سود سمیت تم سے اور تمہارے باپ سے لوں گا، تمہارا باپ بزنس مائنڈ رکھتا ہے نہ اسے خود پر بڑا ناز اور گھمنڈ ہے کہ اس نے کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا، مگر اب میں اسے بتاؤں گا گھاٹا کہتے کسے ہیں۔'' وہ درد سے بلبلائی دوسرے ہاتھ کی مدد سے بازو آزاد کرا لینا چاہتی مگر بری طرح ناکام ہو رہی تھی، آنسو تیزی سے رخساروں کو تر کرنے لگے تھے، بولتے ہوئے اس کی طرف دھیان دیا تھا دل کی حالت زیر و زبر کا شکار ہوئی تھی کہ وہ غیر معمولی حسن کی مالک

تھی اور آج تو چھب ہی نرالی ہے، روایتی تیاری نے حسن دو آتشہ کر دیا ہے، اس نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو آزاد کیا تھا وہ بری طرح لڑکھڑائی تھی۔

''تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے تو ہر وہ کام کرنا ہوگا جو میں کہوں گا، میری معمولی سی بات سے بھی انحراف کرنے کا مطلب ہوگا کہ رشتہ ختم کر دوں۔'' اس نے بہت تڑپ کر اسے دیکھا مگر وہ سینے میں جذبات بھرا دل رکھنے والا بہت عام سا شخص، دل ہی نہیں خود کو بھی پتھر بنا گیا ہے۔

''آ...... آپ...... کک...... کیوں؟ ایسی باتیں کر رہے ہیں؟'' بہ مشکل بولی تھی۔

''کیونکہ میں ایسی ہی باتیں کرنا چاہتا ہوں، یہ تمہاری اور تمہارے باپ کی خام خیالی ہے کہ میں تم سے محبت کروں گا سر آنکھوں پر بٹھاؤں گا، تم سے میں شدید نفرت کرتا ہوں اور تمہاری زندگی جہنم سے بدتر بہت اذیت ناک بنانے والا ہوں، تمہارے باپ کو تمہاری خوشی بہت عزیز ہے نہ، خوشی کے معنی و مطالب بھی تمہیں نہ بھلا دیئے تو کہنا بریقہ آفندی۔'' وہ اس کو دیکھتا لفظ لفظ پہ زور دے کر زہر خند لہجے میں بولا تھا۔

''کک...... کیوں کرتے ہیں آپ مجھ سے نفرت؟ اور شادی کیوں کی؟''

''یہ بات اپنے باپ سے پوچھنا، تمہاری کسی بات کا میں جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا اور مجھ سے تعلق جوڑے رکھنا ہے تو تمہیں اپنے باپ سے تعلق ختم کرنا ہوگا اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے، پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس سوچ لو، باپ چاہیے یا شوہر۔'' وہ اپنے اندر کی تلخی اس پر آشکار کرتا بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔

''یہ...... یہ کیسی شرط ہے، میں اپنے ڈیڈی کو کیوں چھوڑوں گی؟'' وہ بلبلا اٹھی تھی اور وہ ہنسنے لگا۔

''نہیں چھوڑ سکتیں تو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں، تین لفظ ہی تو کہنا پڑیں گے۔'' وہ بے نیازی سے بولا اور پاؤں جھلانے لگا۔

''آپ کیوں کر رہے ہیں ایسی باتیں؟''

''کیونکہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔'' بڑے سکون سے کہا گیا تھا۔

''تو آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی؟'' وہ سسکنے لگی تھی۔

''شادی کرنا نہیں چاہتا تھا، مجبوری میں کی، مگر اب میں ہر مجبوری سے آزاد ہو گیا ہوں، میرے ساتھ رہنا ہے تو میرے طریقے سے ورنہ میں آزاد کر دیتا ہوں۔'' اس پر رحم آنے لگا ہے مگر اپنی بے بسی کا سوچ کر اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہیں آپ کی باتیں۔''

''اور میرے پاس سمجھانے کا وقت بھی نہیں ہے، آر یا پار یا تو میرے ساتھ رہنا ہے، یا نہیں رہنا ہے۔''

''میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، لیکن ڈیڈی......''

''میرے ساتھ رہنا ہے تو نو اگر مگر لیکن کے حصار سے نکل کر......'' سختی سے اس کی بات کاٹ گیا تھا۔

''میں رات کو دن کہوں تو دن، ہنسنے کی اجازت دوں تو ہنسو، جس سے ملنے کی اجازت دوں اس سے ملو، کر سکتی ہو ایسا تو ہی میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا، وگرنہ تین لفظ بولنے کا آپشن ہے میرے پاس، اب فیصلہ تم نے کرنا ہے کہ اذیت برداشت کرنے سے قبل یہ تحفہ چاہیے یا اذیت برداشت کرنے کے بعد، کہ ایک لمحے کی چوک بھی برداشت نہیں کروں گا، بیوی نہیں بے دام کی کنیز بنا کر لایا ہوں، ہے اتنا حوصلہ تو ٹھیک ہے اتارو میرے جوتے نہیں ہے تو میں اشہب لطیف بقائمی ہوش و حواس۔''

''نہیں اشہب، مجھے طلاق نہیں چاہیے۔'' اس نے لفظوں کو ادائیگی کے مراحل سے گزرنے نہیں دیا تھا اور اس نے رک کر اسے دیکھا وہ بہت ڈری ہوئی اور تکلیف میں لگی، آنکھوں و چہرے پر بے یقینی، حیرت اور ناسمجھی کی الگ تحریر رقم تھی، اس کو وہ بے قصور لگی مگر جیسے ہی ذہن میں یہ بات آئی کہ جو ہوا اس کا سبب وہی تھی کہ نہ وہ اس سے محبت کرتی نہ پانے کی ضد کرتی نہ ہی اس کا باپ اسے کھلونا سمجھ کر اسے ضرور مجبور کرتا، اس سوچ کے ساتھ اصل مجرم وہی لگی، اس نے بھی اسے بہتی آنکھوں سے دیکھا وہ اس کو بہت زیادہ نہیں جانتی، مگر جتنا جانتی تھی اس میں یہ روپ بے حد اجنبی تھا، دونوں کی آنکھیں چار ہوئی تھیں، ایک کی آنکھیں بے تاثر تھیں اور ایک کی آنکھوں میں دکھ، بے یقینی، حیرت کیا کچھ نہیں تھا اور وہ جو زبان سے ادا نہیں کر پائی تھی آنکھوں سے کہنے لگی تو وہ نظر انداز کر گیا، آنکھ اور ہاتھ کے اشارے سے اس نے اپنے پیروں کی طرف اشارہ کیا تھا، وہ اب بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا جو چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بیڈ تک آئی اور اس کے جوتے اتارنے کو مہندی و چوڑیاں سے سجے مومی ہاتھ بڑھائے، لیسز کھولتے ہوئے کتنے ہی آنسو اس کے سیاہ چمکدار جوتوں پر گرے، لیسز کھولنے کے بعد ایڑھی کے پاس سے جوتا پکڑ کر اس نے اتارا اور اب موزے اتار رہی تھی۔

''آج شاید احساس ہوا ہو کہ دوسروں کے جوتے اتارتے ہوئے کتنی ذلت محسوس ہوتی ہے۔'' اس نے اس کے سرد لہجے میں کہنے پر محض ایک ناراض نظر اس کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی تھی اور مڑی تھی کہ وہ کلائی تھامتا اس کو اپنی طرف کھینچ لیا، اس کی گرفت قدرے سخت و جارحانہ تھی وہ اس کے حصار میں بن پانی کے مچھلی کی مانند تڑپی ضرور، حصار سے لیکن نکل نہ سکی اور وہ اپنے اندر کی تمام کھولن تمام ذلت اور بے بسی کا احساس اس کے وجود میں اتارتا چلا گیا کہ یہ سزا اس نے خود ہی منتخب کی ہے جرم جانے بغیر، وہ اس کو اذیت دیتا، خود مطمئن سا سو گیا تھا (مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی) اپنی اس قدر ناقدری پر وہ ساری رات آنسو بہاتی لمحہ بھر کو سو نہیں سکی تھی، مگر کب تک نیند سے فرار حاصل کر سکتی تھی، آنکھ لگے دو گھنٹے بھی نہ ہوئے تھے آنکھ کھلی، وہ ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں کچھ تلاش رہا تھا اس کو دیکھ کر اپنی بے بسی یاد آنے لگی، آنکھیں بہنے لگیں جبکہ اس نے رات کے برعکس خوش گوار لہجے میں اسے صبح بخیر کہا تھا، وہ آنسو صاف کرتی واش روم کی طرف بڑھی تھی کہ اس کی آواز نے قدم جکڑ لیے تھے۔

''زیادہ وقت مت لگانا، ناشتہ کر کے مجھے کہیں کام سے جانا ہے، جلدی سے فریش ہو کر آؤ اور میرے لئے ناشتہ بناؤ۔'' وہ مڑی تھی یہ کہنے کو کہ اس کو تو چائے بنانا بھی نہیں آتی ناشتہ کیسے بنائے گی؟ مگر وہ وہاں رکا ہی کب، وہ بیس منٹ میں فریش ہو کر کمرے سے نکلی تو وہ صحن میں بھی نہ تھا اور نہ ہی کچن میں، وہ وہیں کھڑی سوچ رہی تھی کہ وہ کہاں گیا کہ وہ کچن سے ملحق کمرے سے نکلا۔

''ناشتہ کمرے میں لے آؤ۔'' سیل فون کان سے ہٹا کر آرڈر دیا اور بات کا سلسلہ جوڑتا اپنے کمرے میں چلا گیا وہ اس کے پیچھے ہی کمرے میں آئی۔

''مجھے ناشتہ بنانا نہیں آتا۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بولی تھی۔

''تڑاخ، تمہیں ناشتہ بنانا بھی نہیں آتا اور

یہی بات تھی تو پہلے بکواس کیوں نہیں کی تھی۔" اس کا بھاری ہاتھ اس کے چودہ طبق روشن کر گیا، چاند تارے آنکھوں کے سامنے ناچتے محسوس ہوئے تھے، وہ لڑکھڑا گئی تھی اور وہ غصہ سے کھولتا زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا کہ اسے سلطان آفندی سے اپنے تمام حساب آج ہی بے باک کرنے ہیں اور اپنی امانت بھی تو لینی ہے۔

☆☆☆

"بقی بتاؤ نہ تم کیوں رو رہی ہو؟ تمہارے چہرے پر انگلیوں کے نشان، اشہب نے تمہیں مارا ہے؟" ڈرائیور اس کو بقی ولاز لے جانے کو آیا تو اس نے اشہب سے رابطہ کیا تھا اور اس کی اجازت پاتے ہی وہ چلی آئی تھی اور ایک ہی رات میں لگا تھا جیسے بہت لمبی مسافت طے کر آئی ہو، اس نے میک اپ کی دبیز تہہ تلے انگلیوں کے نشانات چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر آنکھوں کا حزن چہرے کی اداسی چھپا نہیں پا رہی تھی وہ بھی اس شخص سے جس کے سامنے کھلی کتاب کی مانند رہی تھی، وہ اس کو دیکھ کر تو آنسو روک نہیں پا رہی تھی مگر اپنا بھرم رکھنے کی کوشش ضرور کی تھی مگر اس کا مخصوص پیار بھرے انداز میں متفکر ہونا، اس کا جائزہ لینا وہ پہلے ہی موڑ پر کمزور پڑ گئی کہ رات سے جس حوصلے کا مظاہرہ اب تک کیا وہ اتنی بہادر تو تھی نہیں، وہ تو اس کو دیکھ کر ہی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا کہ نئی شادی شدہ زندگی کی رونق اس کے چہرے پر ناپید تھی اور وہ اس کے چوڑے سینے میں سمائی بلک اٹھی تو اس کی پریشانیاں بھی بڑھ گئیں۔

"بھائی وہ مجھ سے محبت نہیں کرتے، وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔" وہ روتے سسکتے خود پر گزری قیامت بتاتی چلی گئی، لاؤنج کی دہلیز پر سلطان آفندی ساکت کھڑے رہ گئے تھے کہ ایسا تو انہوں نے سوچا ہی نہ تھا اور وہ غصے سے کھولتا اشہب کا نمبر ڈائل کر رہا تھا کہ وہ سہم گئی تھی۔

"نہیں بھائی آپ ان سے کچھ نہیں کہیں گے ورنہ وہ مجھے ڈائیورس دے دیں گے۔"

"ایسی کی تیسی اس کی، ایسے کیسے تمہیں طلاق دے دے گا، جو سلوک اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے، چھوڑوں گا نہیں میں اسے۔" وہ اسے اتنے شدید غصہ میں پہلی دفعہ دیکھ رہی ہے اور وہ ان دونوں کو دیکھنے لگے ہیں وہ کتنی سہمی ہوئی اور بیٹا کتنا بپھرا ہوا لگا، وہ اشہب سے رابطہ کرنے کی کوشش میں تھا کہ وہ خود ہی چلا آیا آتے ہی اس نے با آواز بلند سلامتی بھیجی تھی۔

"تم، تمہاری اتنی ہمت بھی کیسے ہوئی اشہب کہ تم نے بریقہ کو تھپڑ مارا۔" وہ تو اس کو دیکھ کر مزید اشتعال میں آ گیا اور وہ ہنسنے لگا۔

"بریقہ نے صرف تھپڑ کا ہی بتایا، یہ نہیں بتایا کہ میں نے اس سے اپنے جوتے اتروائے۔" وہ دونوں ہی حیرانگی سے اسے دیکھنے لگے جو لب چبانے لگی تھی۔

"تمہاری اتنی ہمت۔"

"میری ہمت کی تو بات ہی نہ کریں سلطان آفندی اور مجھ سے ذرا تمیز سے بات کریں کہ مجھے ذرا بھی غصہ آیا تو وہ آپ کی لاڈلی پر ہی اترے گا۔" وہ سلطان آفندی کی بات کے درمیان کہہ کر صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھ گیا اور اس کے تیور آنکھوں سے جھانکتی بدلے کی چنگاری سلطان آفندی مدھم پڑ گئے کہ وہ اس کے غصہ و نفرت کو ہوا نہیں دینا چاہتے اس کے برعکس یزدان آفندی غصہ سے بری طرح کھولتا اس کی طرف بڑھا تھا کہ وہ بیٹے کا بازو تھام گئے اور آنکھ کے اشارے سے برداشت و تحمل سے

رہنے کو کہا۔

"بریقہ میرے لئے ایک گلاس پانی لے آؤ۔" وہ دونوں ہی چونکے اور وہ آگے بڑھی تھی کہ وہ اس کا بازو تھام گیا اور ملازمہ کو آواز دے کر پانی لانے کو کہا تھا اور ملازمہ نے پانی اس کی طرف بڑھایا جسے کچھ بناء کہے تھاما اور دیوار پر دے مارا۔

"بریقہ میرے لئے پانی لے کر آؤ۔" وہ سرد لہجے میں بولا اور وہ یزدان سے اپنا بازو چھڑاتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ کیا حرکت ہے اشہب، تم بقی کے ساتھ اس طرح نہیں کر سکتے۔" اس کی ہمت جواب دینے لگی تھی۔

"میں اس سے زیادہ کر سکتا ہوں۔" وہ اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا ہے کہ جیسے وہ آج تڑپا ہے اس سے کہیں زیادہ وہ تڑپا تھا۔

"آرام سے جوش سے نہیں ہوش سے کام لو، تمہارا یہ ری ایکشن اسے مزید اکسا رہا ہے۔" انہوں نے دبے دبے لہجے میں بیٹے کو سمجھانا چاہا تھا کہ وہ اس سب کی وجہ سمجھ رہے ہیں۔

اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے زندگی میں پہلی دفعہ کسی کو پانی پیش کیا تھا، اس کی دگرگوں ہوتی حالت کو ایک نظر دیکھ کر گلاس لیا دو گھونٹ پانی کی پییں گلاس واپس دیا اور نیا حکم جاری کیا۔

"انف از انف، اشہب۔" یزدان تو اس کی بات سن کر کنٹرول ہی کھو گیا اتنی زور سے دھاڑا کہ در و دیوار ہل گئے مگر اس کے غصہ کے برعکس وہ اطمینان سے دوبارہ بولا۔

"بریقہ میرے پاؤں جوتوں کی قید سے آزاد کرو، ورنہ میں تمہیں آزاد کر دیتا ہوں۔" وہ اس کا یہ رویہ دیکھ چکی تھی، گلاس ٹیبل پر رکھتی صوفے کے پاس نیچے اس کے پاؤں کے قریب بیٹھنے کو تھی کہ وہ اس کو بازو سے تھام کھڑا کر گیا۔

"تم بقی کو طلاق دو گے، اتنی اوقات ہے تمہاری کہ ایک کروڑ کا حق مہر ادا کر سکو۔" ان کی بھی برداشت جواب دے گئی تھی۔

"ہاہاہا، میری تو اوقات یہ بھی نہ تھی کہ میں سلطان آفندی کا داماد بنتا۔" وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"یہ میری بیوی ہے اور میں اس کے ساتھ جو بھی سلوک کروں۔" اس نے چیلنجنگ انداز میں انہیں دیکھا۔

"بیوی ضروری ہے تمہاری، جاگیر نہیں ہے، تم اس کے ساتھ توہین آمیز سلوک نہیں کر سکتے۔"

"میں بھی آپ کی جاگیر نہیں تھا سلطان آفندی، مگر آپ نے مجھے اپنی جاگیر سمجھا، میری توہین کی، مجھے شادی کے لئے مجبور کر دیا، اب میری مرضی اس شادی کو جتنی اہمیت دوں، اپنی بیٹی کو میری بیوی بنانا چاہتے تھے، بنا لیا میں نے اسے بیوی، بیوی بنانے کے ڈیل ہوئی تھی، پیار عزت دینے کی نہیں۔" وہ سنجیدگی سے لفظ لفظ پر زور دیتا ان کی آنکھوں میں جھانکتا کہہ رہا تھا جبکہ یزدان آفندی حیرانگی سے ڈیل کی بابت استفسار کرنے لگا تھا۔

"مجھ سے نہیں یزدان آفندی! اپنے بزنس مائنڈڈ باپ سے پوچھو۔" وہ زہر خند لہجے میں بولا تھا اور وہ باپ کو دیکھنے لگا تھا مگر اپنے جرم کا اعتراف اپنی ہی زبان سے کرنا آسان نہیں ہوتا وہ نگاہ چرا گئے۔

"خاموش کیوں ہیں، بتائیے سلطان آفندی کہ مجھے کس قدر مجبور کر کے آپ نے نکاح کروایا۔" کمزوری بے بسی کی پرچھائی چہرے پر

آن لہرائی تھی، مگر وہ اب بھی کچھ نہ بولے اور وہ
الجھ گئی تھی مگر بولی کچھ نہیں جبکہ وہ باپ کو دیکھ رہا تھا
ان کے بولنے کا منتظر تھا۔

''یہ نہیں کچھ بولیں گے یزدان آفندی، میں
خود تمہیں بتاتا ہوں۔'' اس نے ایک نفرت بھری
نگاہ سلطان آفندی پر ڈالی۔

''یہ چاہتے تھے کہ میں بریقہ سے شادی
کروں، مگر میں حیثیتوں کے فرق کی وجہ سے ایسا
نہیں چاہتا تھا کہ مجھے اپنی انا و خودداری دنیا کی ہر
شے سے عزیز تھی، میرے انکار کو سلطان آفندی
نے توہین سمجھا، میری منگیتر کو ڈرایا دھمکایا، وہ منگنی
ختم کرنے پر مجبور کر دی گئی، یہ کڑوا گھونٹ بھی
میں پی گیا مگر سلطان آفندی نے اسی پر بس نہیں
کیا میرے مستقل انکار پر انہوں نے میری بہن کو
اغواء کروایا۔'' ان دونوں کی بے یقین نگاہیں
باپ پر اٹھیں وہ شرمندگی سے نظر چرا گئے۔

''اور شرط رکھی کہ میں اپنی بہن کی جان و
عزت کی حفاظت چاہتا ہوں تو بریقہ سے شادی
کرلوں، بریقہ میں کوئی برائی نہ تھی، نہ مجھے اس
سے کوئی ذاتی قسم کی پرخاش تھی، حیثیتوں کا فرق
مٹا نہیں سکتا تھا اس لئے انکاری تھا، مگر اب تو
میرے پاس کوئی راستہ ہی نہیں بچا تھا، بہن کی
عزت کے لئے تو جان دے سکتا تھا شادی تو پھر
معمولی فعل تھا، میں نے سلطان آفندی کی شرائط
پر بریقہ سے شادی کی، لیکن جو ذلت و تکلیف میں
نے میری پوری فیملی نے اٹھائی اسے بھول نہیں
سکتا، نہ ہی معاف کر سکتا تھا اس لئے میں نے
بریقہ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا، تاکہ سلطان
آفندی کو احساس ہو کہ جس بیٹی کو خوشیوں کے
لئے انہوں نے میری بہن کو مہرہ بنایا، وہ میری
سنگت میں، میں چاہوں تو خوش رہ سکتی ہے کہ یہ
مجھے شادی کے لئے مجبور کر سکتے تھے میری
کمزوریوں کو ڈھال بنا کے، مگر بیٹی کو عزت،
خوشیاں دینے کا مجھے چاہ کر بھی پابند نہیں بنا سکتے
کہ میری کمزوری گرچہ اب بھی قائم ہے، مگر اب
میں اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتا ہوں، کہ
انہوں نے اپنی کمزوری مجھے سونپ دی ہے اس
لئے انہوں نے اب میری فیملی کی طرف میلی آنکھ
اٹھا کر دیکھنے کی بھی کوشش کی تو اس کا بھگتان ان
کی بیٹی کو بھگتنا پڑے گا، جسے بہت چاہ اور کوششوں
کے بعد میری بیوی بنایا ہے، میں اسے طلاق نہیں
دے سکتا کہ ایک کروڑ کی رقم خود کو گروی رکھ کر بھی
حاصل نہیں کر سکتا، مگر اسے اتنا تڑپا تو سکتا ہوں
جتنا میں اور میری بہن تڑپی ہے، میری ماں تڑپی
ہے، اپنی ہر ایک تڑپ ہر ایک بے بسی کا سود
سمیت بدلہ لوں گا میں آپ کی بیٹی سے کہ اس کی
آنکھ کے آنسو اس کی تڑپ آپ کو ساری زندگی
احساس دلائے گی کہ سلطان آفندی نے گھاٹے کا
سودا کیا ہے۔'' سلطان آفندی کا کارنامہ بتانے
کے ساتھ اپنے عزائم بھی بتائے تھے، یزدان
آفندی دھیما پڑ گیا تھا کہ وہ اس کے احساسات
سمجھ سکتا ہے کہ اس کی بہن کو اس کے ہی شوہر نے
جوتے اتارنے کو کہا تو وہ برداشت نہیں کر سکا تھا
تو وہ تو اس اذیت سے گزر کر اس گھڑی سے قبل
انسان مرنے کی تمنا کرتا ہے۔

''ڈیڈی! آپ نے کیوں اتنا سب کچھ کیا؟
میں نے تو جبکہ کہا بھی تھا کہ مجھے اشہب سے
شادی نہیں کرنی کہ مجھے صرف اشہب کی خوشی
عزیز ہے، مگر آپ نے اشہب کی خوشیاں چھین
لیں، ان کا غرور، خودداری و انا، اپنی طاقت تلے
کچل ڈالی، کیسے آپ وہ سب کر گئے صرف میری
خوشیوں کے لئے، آپ نے ایک لڑکی کی زندگی
اس کی عزت داؤ پر لگا دی، اگر کوئی آپ کی بیٹی کو
یوں اغواء کرتا ڈیڈی تب آپ کیا کرتے؟ خود

بیٹی کے باپ ہو کر آپ نے دوسرے کی بیٹی کا
خیال نہیں کیا کہ جن کے اپنے گھر شیشے کے ہوں
وہ تو کسی کو ایک کنکر مارنے کا تصور نہیں کر پاتے
اور آپ نے ڈیڈی دوسروں پر پتھر برساتے اپنا
اور اپنی بیٹی کا ہی وجود لہولہان کر دیا۔'' وہ ہچکیوں
سے رو رہی تھی اور وہ اسے چپ کروانے کی
پوزیشن میں ہی نہیں تھے، کمرے میں چار نفوس کی
موجودگی کے باوجود موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا
جس میں اس کی سسکیاں دراڑ ڈال رہی ہیں۔

''میں جا رہا ہوں بریقہ، اپنے باپ سے
تعلق ختم کر کے میرے پیچھے آ سکتی ہو ورنہ
نہیں۔'' وہ ان تینوں میں سے کسی کو بھی دیکھے بنا
باہر کی طرف بڑھا تھا اس کی سسکیوں نے قدم
جکڑے تھے دل گداز ہوا تھا مگر وہ نرمی چاہ کر بھی
نہ دکھا سکا خاموشی سے جانے سکا تو سرد لہجے میں کہہ
کر وہاں سے جانے لگا کہ ساکت کھڑا یزدان
آفندی اس کی راہ میں ہاتھ جوڑے جا کھڑا ہوا۔

''تمہاری اذیت کا میں محض اندازہ کر سکتا
ہوں تم سے تمہاری بہن سے بہت شرمندہ ہوں
ہاتھ جوڑ کر تم سے معذرت مانگتا ہوں، جو ہوا اس
میں لیکن ققی کا کوئی قصور نہیں ہے، ڈیڈی کے کیے
کی سزا تم ققی کو مت دو۔'' وہ کسی کے سامنے سراپا
التجا پہلی دفعہ بنا تھا کہ زندگی اس پر ہمیشہ ہی
مہربان رہی تھی۔

''سزا دینا نہیں چاہتا مگر خود کو مجبور پاتا ہوں
کہ مجھے میری ماں کے آنسو نہیں بھولتے، وہ لمحے
نہیں بھولتے جب میری بہن میری نگاہ سے
اوجھل تھی اور میں اس کی عزت کی بقا کی جنگ لڑ
رہا تھا، سلطان آفندی کا کٹھ پتلی بنا، جو وہ کہہ رہے
تھے وہ کر رہا تھا، تم سے تو یہ برداشت نہیں ہوا
یزدان آفندی کہ تمہاری بہن کو اس کے شوہر نے
تھپڑ مارا، مگر جو تھپڑ تمہارے باپ نے میرے منہ
پر مارا ہے، جو تھپڑ بدنامی کی صورت میری بہن
نے کھایا ہے، اس کا کیا؟ تم اور تمہاری بہن محض
دس گیارہ گھنٹوں میں ہی ہمت ہار گئے، میں نے
اڑتالیس گھنٹے ذلت و رسوائی سے گزرتے ہوئے
گزارے میری ہمت ٹوٹی، بہن کی عزت جانے
کے خیال نے ہی میرا سارا سکون درہم برہم کر دیا
تھا، تمہیں اپنی بہن کا خیال ہے تو مجھے بھی اپنی
بہن عزیز ہے تم بہن کی بے عزتی برداشت نہیں کر
سکتے، میں نے عزت جانے کا خوف سہا ہے،
بہادری، ہمت کا مظاہرہ میں کر سکتا ہوں تو تم
کیوں نہیں؟ کہ تمہارے سکون کے لئے تو یہ بات
بھی کافی ہے کہ تمہاری بہن عزت سے چار
دیواری میں محفوظ ہے اور میری بہن کو جسے کبھی
کسی نامحرم نے نہیں دیکھا تھا، اسے تمہارا باپ
عزت کی چادر دیواری سے باہر نکال لے گیا، اسے
جب تمہارے باپ کی قید سے آزاد کرانے کو گیا تو
سر ڈھانپ کر میرے سامنے آنے والی میری بہن
کی ذلت و شرمندگی کے احساس سے جھکی اپنی
بہن کی آنکھیں نہیں بھول سکتا کہ اس پاکدامنی کا
میں یقین کر سکتا ہوں، یقین لیکن کسی کو دلا نہیں
سکتا، اور جس نے میری بہن کے سر سے چادر
اتاری میں اس کو روز محشر بھی معاف نہیں کروں
گا۔'' اس کی آنکھیں اشکبار تھیں، چہرے پر حزن و
یاسیت کی لکیریں وہ بریقہ ہاؤس سے نکلا تھا مگر وہ
اکیلا نہ تھا بریقہ اس کے ساتھ ہی تھی، باپ سے
خفا، بھائی کی دعاؤں کے حصار میں وہاں سے نکلی
تھی اور اپنے سسرال آ گئی تھی، جہاں ایک نئی
قیامت منتظر تھی، نسیمہ کو دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ
ہسپتال جانے سے قبل ہی دم توڑ گئی تھی، اس نے
بہت حوصلے سے ان تینوں کو سنبھالا تھا اور اس کو لا
کر بھول گیا تھا، دن سو گوار سے گزر رہے تھے،
عشبہ کی تو حالت ہی ٹھیک نہ تھی اس کو تو چپ لگی

تھی، عشنہ مگر اس سے کوئی بات خود ہی نہیں کرتی، نہ ہی وہ اس کو مخاطب کرتا تھا، ایک ہی کمرے میں دو اجنبیوں کی مانند رہ رہے تھے، محلے کی کوئی عورت آتی تو افسوس کرنے کی آڑ میں کھوج لگانے لگتی، عشنہ نے کسی کے لئے بھی دروازہ کھولنا ہی بند کر دیا کہ لوگوں کے جانے کے بعد عشبہ کی حالت غیر ہو جاتی تھی اور وہ کم عمر عشبہ کو دیکھ کر خود کو اس کا مجرم تصور کرتی مگر وہ کسی سے کیا کہتی کہ ان سب کی طرح وہ بھی بے قصور ہی تھی۔

☆☆☆

اسی طرح بوجھل اداس دن و رات کے درمیان وقت تیزی سے گزر گیا اور نسیمہ کے چالیسویں کا دن آ پہنچا، کم عمر عشنہ کی ہمت جواب دے گئی۔

''بھائی پلیز یہاں سے چلیں اتنی دور بھائی جہاں ہمیں کوئی جانتا نہ ہو، جہاں کوئی عشبہ کی انسلٹ نہ کر سکے، اس سے کوئی سوال نہ کر سکے، پلیز بھائی یہاں سے چلیں۔'' وہ سسک رہی تھی بہن کی کڈنیپنگ نے جہاں اسے سہایا تھا، ماں کی موت نے تو رہی سہی کسر ہی پوری کر دی تھی، لوگوں کی تکلیف دہ باتیں، چھیدتی آنکھیں اس کی ہمت جواب دے گئی کہ وہ اٹھارہ سال کی کم عمر کمسن ہی تو تھی جس نے محض اسکول کالج کے لئے گھر سے باہر قدم نکالا کہ نسیمہ بیٹیوں کو بازار نہیں لے جاتی تھیں، محلے میں بھی وہ دونوں کہیں نہیں جاتی تھیں، لے دے کہ ایک خالہ نجمہ تھیں جن کے گھر آزادی سے جاتی تھیں اور نجمہ نے اس برے وقت میں ان کا کافی ساتھ دیا، اپنا گھر بار چھوڑ کر ہفتہ بھر رہیں اس کے بعد بھی آتی رہیں کہ ان سے تو اسے شکوہ ہی نہ تھا تھوڑی بہت جو ذہن و دل میں گرہ لگی بھی تھی بیٹی کو اپنے گھر میں خوش دیکھ خود بہ خود کھل گئی تھیں۔

''یہاں سے کہیں نہیں جا سکتے کہ ابھی ایک چھت تو میسر ہے، تم لوگوں کی باتیں ذہن و دل پر نہ لو، کچھ ماہ تک یہ سب بھول جائیں گے۔'' اس نے روتی ہوئی بہن کو کاندھے سے لگا کر سر تھپکا تھا۔

''لوگوں کے لیکن بھولنے تک کہیں بہت دیر نہ ہو جائے، عشبہ ٹھیک نہیں ہے بھائی، مجھے ڈر ہے بھائی کہ کہیں عشبہ کو کچھ ہو نہ جائے۔'' اس نے آنسو رگڑے تھے۔

''دیکھو عشنہ، تم خود کو سنبھالو، ہمت سے کام لو اور عشبہ کا ذہن بٹاؤ کہ تم ہمت ہار دو گی تو عشبہ کو کیسے سنبھال پاؤ گی، جیسے ابا کے بعد میں نے تم لوگوں کا باپ بننے کی ہر ممکن کوشش کی تم عشبہ اور راہب کے لئے ماں بن جاؤ، کہ اماں ہوتیں تو عشبہ کو سنبھال لیتیں، اب تمہیں ہی کچھ کرنا ہو گا۔'' وہ بہن کا حوصلہ بڑھا رہا تھا اور وہ رو دی تھی اور اس کا احساس ندامت بڑھتا جا رہا تھا وہ کمرے میں آیا تو وہ بیڈ کے کونے پر ٹکی روتے ہوئے ملی مگر وہ اس کو ہر دن و رات کی مانند نظر انداز کرتا بیڈ پر دراز ہو گیا، اس کے آنسوؤں میں اضافہ ہو گیا اور وہ کمرے سے ہی نکل آئی۔

''عشنہ میں بہت ڈر گئی تھی، اماں اور بھائی مجھے کتنا یاد آئے تھے، تم جانتی ہو نہ مجھے اکیلے ڈر لگتا ہے اور وہاں میں بالکل اکیلی تھی، وہاں نہ تم تھیں نہ اماں، میں کتنا روئی تھی اماں کو میں نے کتنا پکارا، وہاں جو آنٹی تھیں میں نے ان سے کتنی ریکویسٹ کی کہ مجھے جانے دیں مگر انہوں نے نہیں سنا، میرے رونے چیخنے پر مجھے تھپڑ مارا، پھر میں نہیں روئی تھی، میں نے ان آنٹی سے بھی کچھ نہیں کہا مگر مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا اور سگریٹ کی بو اور دھوئیں سے میرا دم گھٹ رہا تھا مگر وہ بری طرح ہنستے ہوئے دھواں میرے منہ پر اڑا رہی

تھی، میرا انداق بنا رہی تھی، وہ کہہ رہی تھی عشنہ کہ سب مجھ سے نفرت کریں گے، تم مجھ سے نفرت کرتی ہو؟ اور کیا بھائی بھی؟'' وہ اپنے کمرے سے ملحق کمرے کے ادھ کھلے دروازے کے باہر ساکت کھڑی اندر سے آتی آوازیں سن رہی تھی۔

''نہیں عشنہ میں تم سے نفرت نہیں کرتی اور بھائی تو تم سے مجھ سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔'' عشنہ کا ننھا سا دل کانپ گیا تھا وہ اس کے ساتھ ساتھ رو رہی تھی۔

''نہیں بھائی مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں، میری وجہ سے ان کا سر جھک گیا، صائمہ خالہ (پڑوسن) کہہ رہی تھیں نہ کہ میں نے اپنے بھائی کا سر جھکا دیا ماں کی جان لے لی، مگر میں نے کچھ نہیں کیا عشنہ نہ ہی میری عزت......'' وہ لوگوں کی باتیں دہرا نہ سکی کہ جو مشکلات اٹھارہ سالہ زندگی میں نہ دیکھیں تھیں ان سے محض پینتالیس دنوں میں نبرد آزمائی کی تھی۔

''وہ رشیدہ خالہ (پڑوسن) کہہ رہی تھیں کہ میں، میں آبرو باختہ ہوں، عشنہ میں......'' اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ دروازہ دھکیل کر اندر چلی آئی اور اس کو دیکھ کر وہ چپ کر گئی۔

''کسی کے کچھ بھی کہنے سے کچھ بھی فرق نہیں پڑتا، جو بکواس کر رہا ہے کرنے دو، تمہیں کسی کو بھی صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے، تم کیسی ہو تمہارے اپنے جانتے ہیں، اشہب تم سے نفرت نہیں کرتے، وہ تم سے محبت کرتے ہیں بہت زیادہ محبت۔'' اس کو دیکھ عشنہ کو غصہ آیا تھا مگر وہ نرمی سے جو کہہ رہی تھی اس کے بعد عشبہ کو خود سے لگائے اس کو چپ کراتی خود رونے لگی تھی کہ اپنے آنسو پونچھ کر اس نے عشبہ کے آنسو صاف کیے تھے۔

''اب تم بالکل نہیں روؤ گی میں ہوں نہ تم سب لوگوں کے ساتھ، اماں کی میں جگہ نہیں لے سکتی مگر ان کی کمی پوری کرنے کی میں ہر ممکن کوشش کروں گی بڑی بھابھی ماں کے برابر ہوتی ہے اور میں تم لوگوں کی آج سے ماں ہوں، تم لوگوں کی میں ڈھال بنوں گی، تم لوگوں پر اب کبھی کوئی آنچ نہیں آنے دوں گی۔'' اس نے ایک ساتھ ان دونوں کو خود کے ساتھ لگایا تھا وہ دونوں ہی بری طرح روئی تھیں، اس کو دیکھ نفرت سے منہ پھیر لینے والی عشنہ بھی اس سے لگی بری طرح رو رہی تھی کہ حقیقت ماں کی طرح اس کے بھی علم میں تھی اس لئے نفرت کرنے پر خود کو مجبور پا رہی تھی مگر سہارے کی اسے بھی ضرورت تھی اور وہ چھوٹی سی لڑکی سہارا پاتے ہی بری طرح بکھری تھی اور وہ جو بائیس سال کی عمر میں پہنچ کر بھی لاڈ پیار کے سبب بچپنے کو خیر باد نہ کہہ سکی تھی اشہب کے پہلے وار پر ہی بچپنے کی حدود سے نکلی تھی اور آ اسے خیر باد کہہ گئی تھی کہ لڑکیوں کے بارے میں ایسے ہی تو نہیں کہا جاتا کہ وہ موم ہوتی ہیں اور ہر طرح کے ماحول میں ایڈجسٹ ہو جاتی ہیں اور اس کا بھی بے فکری کا دور ختم ہو گیا تھا۔

''چلو شاباش تم دونوں جا کر منہ دھو کر آؤ میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں، میں جانتی ہوں تم دونوں نے ہی کھانا نہیں کھایا۔'' وہ ان دونوں کے باری باری آنسو پونچھتی کمرے سے نکل آئی اور آج پہلی دفعہ کچن میں کام کی غرض سے آئی تھی عشنہ کو کام کرتے دیکھتی رہی تھی اس لئے پریشانی نہ ہوئی کہ ویسے بھی کھانا پکانا نہیں گرم کرنا تھا اور کھانے کے بعد اس نے چائے بنائی تھی اور ان دونوں کو دیتی اشہب کی اور اپنی چائے لئے کمرے میں آ گئی اور وہ اس کی توقع کے مطابق جاگ رہا تھا اور اس کو ٹرے اٹھائے اندر آتے

دیکھ چونکا اور وہ مسکرا کر بولی۔
''اشہب چائے لے لیں اور پی کر بتائیں کہ میں نے کیسی چائے بنائی ہے۔'' وہ خاموشی سے کپ تھام گیا اس وقت چائے کی شدید طلب تھی، عشنہ کی بے آرامی کے خیال سے نہیں کہا تھا۔

''مجھے پکا یقین ہے کہ چائے بری نہیں بنی ہوگی کہ بھلے بنائی پہلی دفعہ ہے مگر عشنہ کی طرح بنائی ہے تو بری تو نہیں ہو سکتی کہ عشنہ بہت مزے کی چائے بناتی ہے۔'' وہ اس کو حیرت سے مستقل خود ہی بولتے دیکھ رہا تھا اور اس کے دیکھنے پر وہ مسکرا دی تھی اور اس کے متورم چہرے پر مسکراہٹ بہت بھلی گئی۔

''بریقہ میں تم سے اپنے گزشتہ رویے پر معذرت خواہ ہوں مگر میں بہت مجبور ہو گیا تھا۔'' وہ مجموعی طور پر ایک حساس نرم دل رکھنے والا شخص تھا بہت دن سے اپنے رویے کی معافی چاہ رہا تھا کہ احساس ندامت ہی تھا کہ اس نے اس کے بعد کچھ نہیں کہا تھا کہ جو کہا وہ بھی محض سلطان آفندی کے سوئے احساس کو جگانے کے لئے مگر اس کے لئے اس کو اپنے معیار سے گرنا پڑا تھا۔
''میں سمجھ سکتی ہوں اشہب، آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں، آپ نے تو کچھ کیا ہی نہیں میں تو اس سے برا رویہ ڈیز رو کرتی ہوں۔'' آنسو گرنے لگے تھے۔
''تم کیا ڈیز رو کرتی ہو کیا نہیں یہ تو میں نہیں جانتا، ہاں اپنے عمل پر شرمندہ ہوں، تمہارے فادر سے میں کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا، مگر تمہیں میری طرف سے اجازت ہے اور جہاں تک ہمارے رشتے کی بات ہے مجھے کچھ وقت درکار ہے کہ غلطی تمہاری ہو یا نہ ہو مجرم میں کہیں نہ کہیں تم کو بھی پاتا ہوں اور جب تک میری بہنیں سیٹل نہیں ہو جاتیں تلخ یادیں بھول کر خوش رہنا نہیں سیکھ جاتیں میں تمہارے ساتھ نرمی نہیں برت سکتا ہوں کہ رشتے کو سمجھنے اہمیت دینے کے لئے تلخ یادوں کا ماند پڑنا ضروری ہے اس کے بعد ہی میں تم سے جڑے رشتے کو اہمیت دے پاؤں گا۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا اور اس نے آنسو پونچھ لئے۔
''میں اس دن کا انتظار کروں گی اشہب کہ جب آپ ذہن و دل کی آمادگی سے مجھے اور مجھ سے جڑے رشتے کو قبول کر لیں گے۔'' وہ مشرقی عورت تھی چاہے پرورش کتنے ہی ناز و نعم لاڈ پیار سے ہوئی ہو، ضد اور گھمنڈ کوٹ کوٹ کر بھرے ہوں، لیکن اپنا گھر بچانے کو انا کی باڑ پھلانگ گئی تھی کہ اس میں اس کی اس کے رشتے کی بقاء تھی اور عورت گھر کے لئے گھر والے کی چاہت و عزت پانے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہے اور وہ بھی یہی کر رہی تھی۔

☆☆☆

''بھائی میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اس کی اجازت پانے کے بعد وہ گھر جانے لگی تھی یزدان آج پہلی دفعہ اس کے گھر آیا تھا۔
''اشہب کا رویہ اب کیسا ہے؟'' وہ اس کو جانچتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
''اشہب بہت اچھے ہیں بھائی، انہوں نے جو کیا وہ ڈیڈی کو احساس دلانے کے لئے، وگرنہ وہ ایسے نہیں ہیں، اپنے رویے پر شرمندہ تھے، ایکسکیوز بھی کیا تھا مجھ سے، آپ پریشان نہ ہوں، میں خوش ہوں۔'' اس کے چہرے پر سچائی تھی وہ کچھ مطمئن ہو گیا کہ اس کا گھر آنا ہی اس کو کچھ اطمینان دلا گیا تھا مگر اس کے لئے پریشان تھا۔
''اشہب کی اعلیٰ ظرفی ہی ہے یہ کہ اس نے تمہیں ہم سے ملنے کی اجازت دے دی ہے میں تو صرف اپنے اطمینان کے لئے پوچھ لیتا ہوں، اب چلوں گا۔'' وہ دونوں صحن میں رکھی کرسیوں پر بیٹھے تھے وہ جانے کو کھڑا ہو گیا۔
''ابھی تو آپ آئے ہیں بھائی، چائے تو کم از کم پی لیں۔'' اس نے بھائی کو زبردستی روکا تھا اور وہ کچن میں چلی گئی تو وہ اردگرد کا جائزہ لینے لگا، چھوٹا سا صحن دائیں جانب بنا کچن اور اس سے ملحق دو کمرے، صحن کی بائیں جانب باتھ روم، صحن کے وسط میں رکھیں چھ کرسیاں اور ٹیبل، دیوار کے ساتھ لگے گملے، گھر چھوٹا تھا مگر کافی صاف ستھرا تھا۔
''تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے کیا گھر میں؟'' چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
''اشہب کی خالہ کی طبیعت خراب ہے، راہب اور عشنہ کل سے وہیں ہیں اور عشبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ سو رہی ہے، ڈیڈی نے بھائی بالکل اچھا نہیں کیا، عشبہ بہت کم عمر لڑکی ہے اس حادثے نے اسے بالکل ہی سہما دیا ہے کہ وہ فطرتاً بھی کچھ ڈرپوک سی ہے، اس حادثے نے اس کے ذہن پر بری طرح اثر کیا ہے کہ کڈنیپنگ کا واقعہ تو باشعور و نڈر لڑکی کو بھی سہما دیتا ہے اور عشبہ تو ہے ہی چڑیا سے دل کی مالک۔'' اس کی آنکھیں بہنے لگی تھیں عشبہ کے بارے میں تمام معلومات عشنہ نے دی تھی کہ وہ دونوں جڑواں ہیں اور دونوں دھوپ چھاؤں کی مانند ہیں، عشنہ سمجھدار خود اعتماد جبکہ وہ عشنہ کے سہارے چلنے والی کہ اسکول کالج میں وہی اس کی ڈھال بن جاتی تھی۔
''ڈیڈی سے ایسے کسی اقدام کی تو مجھے بھی امید نہ تھی، اشہب کے سامنے سے بھی مجھے شرمندگی محسوس ہوتی ہے، تم خود میں حوصلہ پیدا کرو بچی اور اس لڑکی کا خیال رکھو کہ ڈیڈی کے ساتھ ہم سب اس کے مجرم ہیں، مگر باخدا مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ ڈیڈی ایسا بھی کچھ کر سکتے ہیں تو میں کبھی انہیں کرنے نہیں دیتا، تم اس کا جتنا خیال رکھ سکتی ہو رکھو کہ یہ تمہارا فرض بھی ہے کہ اچھی بیوی وہی ہوتی ہے جو شوہر کے ہر سکھ دکھ میں ساتھ دے اور تم نے اشہب کے بہن بھائیوں کا خیال رکھنا ہے جیسے مما کے بعد میں نے اور ڈیڈی نے تمہیں سنبھالا، تم سے محبت کی تمہارا خیال رکھا ویسے ہی تم نے اشہب کی بہنوں کا خیال رکھنا ہے کہ وہ لڑکی وہ سب بھول کر نئی خوشگوار زندگی شروع کرے گی تب ہی ڈیڈی کے کیے جرم کا ازالہ ہوگا اور ڈیڈی اپنے کیے پر شرمندہ ہیں اور ایسا اشہب کے رویے کے ذریعے ہی ہوا کہ تمہیں تکلیف میں دیکھ کر انہیں احساس ہوا کہ وہ اشہب کی بہن کو کتنی تکلیف پہنچا چکے ہیں، اشہب کے لئے ڈیڈی کو معاف کرنا مشکل ہے مگر تمہارا اچھا پیار بھرا رویہ شاید کہ اشہب کا دل نرم کر دے اور وہ ڈیڈی کو معاف کر دے، کہ میں نے محسوس کیا ہے کہ ڈیڈی بہت تکلیف میں ہیں، مگر غلطی کر چکے ہیں اس لئے شرمندگی کے باعث کچھ کہنے سے قاصر ہیں۔'' وہ دکھ سے بول رہا تھا کہ باپ سے بہت محبت کرتا ہے ان کا شرمندگی سے نظر چرانا اس کے لئے تکلیف کا باعث ہے۔
''بھائی میں ابھی آتی ہوں۔'' ٹیبل پر رکھا سیل فون اٹھا کر ریس کا بٹن پش کرتی وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
''اشہب کا فون ہے اس نے یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ اس کو دیر ہو جائے گی کہ وہ خالہ کی طرف چلا گیا ہے تاکہ ان کی خیریت معلوم کر کے عشنہ و راہب کو گھر لے آئے۔
''یہ بچی کہاں رہ گئی؟'' اس نے سات بجاتی گھڑی پر نگاہ دوڑاتے ہوئے زیر لب کہا اور دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا

اور دیکھتا رہ گیا، سیاہ کاٹن کے ملگجے سے سوٹ میں سانچے میں ڈھلا روشنیاں بکھیرتا سراپا، سیاہ آنچل کے ہالے میں خوبصورت گلابی چہرہ، لمبی ستواں ناک، پنکھڑی سے نازک ہونٹ اور پری لب کے کنارے پر سیاہ چمکتا تل، بڑی بڑی سیاہ چمکدار آنکھیں ان پر پہرہ دیتیں سیاہ خم دار پلکیں، دائیں کاندھے پر پڑی سیاہ چوٹی، پیشانی پر جھولتی لٹیں، اس کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی، اپنے گھر میں وہ کسی اجنبی کو دیکھ کر پریشان ہوئی تھی اور خود پر اس کی جمی نگاہیں خوف میں مبتلا کر گئیں تھیں۔

''آ...... آپ کون ہیں؟ اور ہمارے گھر میں کیا کر رہے ہیں؟'' وہ منمنائی تو اس کا ٹرانس ٹوٹ گیا لیکن وہ اب اس کی ساگر سے گہری آنکھیں دیکھ رہا تھا، خوبصورت لڑکیاں تو اس نے بہت دیکھی تھیں اور وہ اگر خوبصورت ہے تو یہ بات کوئی حیرت انگیز نہیں تھی مگر حسین آنکھیں سو میں سے کسی دو کی ہی ہوتی ہیں اور اس کی سیاہ چمکیلی آنکھوں میں خوف اور نمی نے ایک عجیب کشش بھر دی ہے اور اس کے دل سے صدا آئی تھی کہ وہ ان مقناطیسی آنکھوں کی کشش سے کبھی باہر نہ آ سکے گا، اس نے اس کے ڈائریکٹ آنکھوں میں دیکھنے پر نگاہ پریشانی سے ادھر ادھر دوڑائی اور اپنے کمرے سے نکلتی بریقہ کو دیکھ کر وہ لپک کر اس کا بازو تھام گئی اس واقعہ کے بعد وہ اجنبی چہروں کو دیکھ کر خوف کا شکار ہو جاتی تھی۔

''بھابھی......'' اس کے آنسو گرنے لگے۔

''ارے میری جان! اتنا ڈری ہوئی کیوں ہو، یہ میرے بھائی ہیں، یزدان آفندی۔'' وہ اس کو بازو کے حلقے میں لیتی نرمی سے بولی تھی۔

''کچھ کہا بھائی نے تم سے؟'' اس نے جان کر پوچھا تھا کہ جانتی تھی اس نے کچھ نہیں کہا ہو گا بس وہ اسے دیکھتے ہی ڈر گئی ہو گی اور وہ نفی میں گردن ہلاتی اس سے الگ ہوئی اور پھر کسی کو بھی دیکھے بنا کمرے میں واپس چلی گئی۔

''آپ کہاں کھوئے ہوئے ہیں؟'' وہ اس کو چپ دیکھ کر بولی اور وہ چونک اٹھا۔

''دبقی یہ لڑکی......'' اتنا ہی کہا کہ امید ہے کہ وہ ادھوری بات پر بھی جواب دے دے گی۔

''عشبہ تھی بھائی۔'' اس نے سرد سانس خارج کی تھی۔

''اوہو، یہ تو بہت کم عمر ہے۔''

''جی، ایک ہفتہ قبل ہی تو اٹھارہویں سالگرہ تھی، عشنہ اور عشبہ جڑواں ہیں۔'' وہ دلگرفتگی سے بتانے لگی کہ ان کی برتھ ڈے کا راہب نے بتایا تھا اور اس نے یزدان سے ہی ان کے لئے گفٹ منگوایا تھا اور اس نے گھر کے افسردہ ماحول کو دیکھتے ہوئے ہی کیک وغیرہ کا انتظام کر لیا تھا اور ان تینوں کو مسکراتے دیکھ کر اشہب مطمئن ہو گیا تھا اور اس کے شکریہ ادا کرنے پر وہ کھل اٹھی تھی کہ اس کے اقدام کو اشہب نے سراہا تو تھا۔

کچھ دیر بعد یزدان بہن سے اجازت لیتا اس کے گھر سے نکل آیا مگر کسی کا خیال چمکتی آنکھیں اس کے ذہن و دل سے چمٹ گئی تھیں راستے بھر وہ انہی کے خیال میں ڈوبا رہا، گھر آ کر بھی کیفیت ہنوز تھی سوتے ہوئے بھی اس کا خیال تھا اور جاگنے کے بعد بھی اس کو اپنی ہی کیفیت کچھ عجیب لگی کہ ایسا اٹھائیس سالہ زندگی میں کبھی نہ ہوا تھا جبکہ وہ باہر آزاد ملک میں بھی چار سال رہ کر آیا تھا، چند ایک سے رسمی علیک سلیک بھی تھی، مگر کسی کا خیال یوں ذہن و دل سے چپکا نہ تھا کہ اب تک وہ آنکھوں سے دیکھتا رہا تھا کوئی پہلی لڑکی تھی جسے آنکھ سے دیکھ کر دل نے محسوس کیا تھا اور دل میں اس کی شبیہہ اتر گئی تھی اور دل میں اتر جانے والے اتنی آسانی سے تو نہیں نکلتے، بہن کے گھر سے آنے کے دس دن تک وہ اس کے خیال میں ہی ڈوبا رہا دماغ کی ہر سرزنش دل نے درخور اعتنا نہ جانی اور گیارہویں دن وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہوتا آفس سے جلدی نکل آیا تا کہ دیدار یار کر کے قلب و آنکھوں کو تراوٹ پہنچا سکے، وہ خوش کن احساس میں محو گاڑی چلا رہا تھا کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ذہن و دل کہیں اور تھے موڑ کاٹا تو بے دھیانی قائم تھی اور سامنے سے آئی گاڑی سے اس کی گاڑی ٹکرا گئی۔

☆☆☆

''بھابھی! کیا بات ہے آپ اتنا رو کیوں رہی ہیں؟'' وہ صحن میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی تھی وہ کمرے سے نکلی تو پریشانی سے اس کے پاس آن ٹھہری۔

''بھائی! عشبہ وہ بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' وہ بلک اٹھی تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں اور بھائی کو فون کر کے بلا لیں پھر ان کے ساتھ چلی جایئے گا۔'' ان دونوں نے ہی اشہب سے رابطہ کرنے کی کوشش کی بیل جا رہی تھی مگر وہ ریسیو نہیں کر رہا تھا اور پھر سوئچ آف شو ہوا تو اس نے غصہ سے سیل دیوار پر دے مارا۔

''آپ پریشان نہ ہوں میں عشنہ کو فون کرتی ہوں۔''

''نہیں عشنہ کو پریشان مت کرو۔'' وہ بولی تھی اور تب ہی دروازے پر دستک ہوئی اور اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

''بھائی ٹھیک ہیں نہ آپا؟'' اس نے روبینہ سے پوچھا تھا، جو گاڑی لے کر اس کو لینے آئی تھی۔

''میں نہیں جانتی ہوں بی بی چھوٹے صاحب ہاسپٹل میں ہیں، بس یہی مجھے پتہ ہے۔''

''او کے تم ٹھہرو، میں آتی ہوں۔'' وہ پلٹ کر بیگ لینے دوڑی، لوٹی تو یکدم عشبہ کا خیال آیا اور اس کے اٹھتے قدم رک گئے۔

''آپ چلی جایئے بھابھی، میں بھائی سے رابطہ کروں گی، نہیں تو عشنہ کو......''

''نہیں عشبہ، میں تمہیں اکیلے چھوڑ کر نہیں جا سکتی، ابھی تو دن کے چار ہی بجے ہیں، اشہب آٹھ بجے سے پہلے نہیں آئیں گے اور عشنہ تو راہب کے ساتھ خالہ کے گھر ہے اس کو نہیں بلا سکتے، میں ہی نہیں جاتی۔'' اس کا دل تڑپ رہا تھا لیکن احساس ذمہ داری کے سبب وہ ایسا فیصلہ کر گئی، وگرنہ اس کا بس چلتا تو وہ ہوا کے رتھ پر سوار ہوتی بھائی تک پہنچ جاتی۔

''مم...... میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔'' وہ یہ کہنا چاہ رہی تھی مگر بولی نہ تھی کہ وہ کہیں جانے کے نام سے ہی بدکتی ہے، سگی خالہ کی وفات تک میں تو گئی نہیں تھی اور اس کی وجہ سے وہ دونوں باری باری وہاں رکی تھیں یعنی وہ جب تک وہاں تھی عشنہ گھر پر اس کے ساتھ تھی اور اشہب اس کو چھوڑنے آیا تھا تو عشنہ کو لے گیا تھا اور اب اس نے جانے کا کہا تو وہ بے یقین ہوئی تھی۔

''تم میرے ساتھ چلو گی؟'' وہ اس کو دیکھ رہی تھی۔

''میں جانا تو نہیں چاہتی ہوں بھابھی مگر آپ میری وجہ سے نہیں جائیں گی تو مجھے برا لگے گا کہ آپ کو جانا ہی چاہیے، کہ آپ کے بھائی تکلیف میں ہیں، ان کو آپ کی ضرورت ہو سکتی ہے، اکیلے گھر میں تو میں رہنے کا اب تصور بھی نہیں کر سکتی تو آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔'' وہ دلگرفتگی سے بولی تھی۔

''گھر کو لاک کر کے جائیں گے؟'' وہ اثبات میں گردن ہلاتی اپنے کمرے کی طرف

بڑھی، بڑی سی سیاہ چادر اوڑھے اور اس سے ہی چہرے پر حصار کیے وہ تالا چابی لئے باہر آ گئی، روم لاکڈ کر کے وہ مین گیٹ کو تالا لگا کر گاڑی میں آ بیٹھیں، اس نے غفور سے بھی سب سے پہلے یزدان کی ہی خیریت دریافت کی تھی۔

''چھوٹے صاحب ٹھیک ہیں بی بی، میری صاحب سے بات ہوئی تھی۔'' وہ ادب سے بولا کہ سلطان آفندی سے اسے خوب ڈانٹ پڑی ہے کہ بریقہ کو یزدان کے ایکسیڈنٹ کا بتایا ہی کیوں، جبکہ بریقہ کو چوکیدار کی بیوی نفیسہ نے فون کر کے اطلاع دی تھی۔

''نہیں بھابھی ہاسپٹل میں کافی رش ہوگا، میں یہی ٹھیک ہوں۔'' اس نے ساتھ اندر جانے کی بجائے گاڑی میں رکنے کا فیصلہ کیا تھا چونکہ وہ نقاب کیے ہوئے ہے تو اس کی محض آنکھیں ہی نظر آ رہی ہیں اور اس نے روبینہ کو بھی گاڑی میں اس کے ساتھ رہنے کو کہا اور غفور کو گاڑی کے باہر رک کر انتظار کرنے کا کہتی وہ تقریباً دوڑتے ہوئے ہاسپٹل کے اندر داخل ہوئی تھی اور باپ کو دیکھتی ان سے لپٹ گئی۔

''ڈیڈی! بھائی کہاں ہیں؟ وہ ٹھیک ہیں نا؟'' اور وہ اسے تسلی دیتے اسے لئے پرائیوٹ روم میں آ گئے کہ اس کے ماتھے اور داہنے ہاتھ اور داہنے ہی پاؤں پر چوٹ لگی ہے اور اس کی بینڈ یج کر کے اسے روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے کہ اللہ نے کرم کر دیا ہے اور محض معمولی چوٹیں ہی آئی ہیں جبکہ ایکسیڈنٹ ہرگز بھی معمولی نوعیت کا نہ تھا۔

''آئی ایم فائن، میری جان، آئی ایم فائن۔'' وہ اس کے ماتھے اور ہاتھ پر پٹی بندھی دیکھ کر رو رہی تھی۔

''آپ کیسے ڈرائیونگ کر رہے تھے جو یہ سب ہو گیا؟'' وہ سوں سوں کر رہی تھی۔

''ہاں کسی کے حسین خیال کی سزا ہے۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''میں سمجھی نہیں بھائی؟'' وہ ٹھٹکی تھی۔

''ارے کچھ نہیں، تم اکیلی آئی ہو، اشہب کہاں ہے؟'' اس کا دھیان بٹانے کو بولا تھا۔

''نفیسہ نے جب مجھے بتایا تو میں نے اس سے کہہ دیا کہ وہ ڈرائیور کو بھیج دے کہ اشہب تو آفس گئے ہوئے ہیں اور گھر میں بھی کوئی نہ تھا، میں تو آ نہیں رہی تھی کہ عشبہ کو اکیلے نہیں چھوڑ سکتی تھی اور وہ میرے خیال سے آ گئی۔'' وہ اس کا پٹی میں جکڑا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔

''عشبہ ساتھ آئی ہے تو ہے کہاں؟'' وہ بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔

''وہ گاڑی میں ہی ہے کہ لوگوں سے گھبراتی ہے، اب میں چلوں گی بھائی وہ پریشان ہو رہی ہوگی، میں رات میں دوبارہ آ جاؤں گی۔'' وہ عشبہ کا خیال آتے ہی جانے کو کھڑی ہو گئی اور اسی وقت نرس نے اس کے ڈسچارج کا آ کر بتایا تھا۔

''چلیں شکر، آپ گھر جا کر آرام کیجئے گا، آفس تو جانے کا سوچیے گا بھی مت، میں رات میں گھر آؤں گی۔'' وہ فکر مندی سے بولی تھی اور وہ جو اس کی ایک جھلک دیکھنے کو جا رہا تھا راستے میں حادثہ پیش آ گیا اور وہ اس کا آنا غیبی امداد سمجھ کر اس کے ساتھ ہی نکل آیا کہ سلطان آفندی اس کی رپورٹس وغیرہ لے کر کچھ دیر قبل ہی گئے تھے اور ان کے کہنے پر ہی اس کا ڈسچارج ہوا ہے۔

''اوہو، میری گاڑی تو وہیں ہے جہاں حادثہ ہوا تھا۔'' کوریڈور کراس کرتے ہوئے اسے خیال آیا تھا۔

''ڈرائیور ہے نہ بھائی، وہ پہلے مجھے ڈراپ

کر دے گا اور پھر آپ لوگ گھر چلے جایئے گا۔'' اس نے فوراً ہی حل پیش کیا تھا۔

''ارے نہیں چندا، میں ٹیکسی سے ہی گھر چلا جاتا ہوں کہ تمہارے ساتھ تمہاری نند بھی ہے اشہب نہ جانے کیا سوچے؟'' وہ پارکنگ تک آ گئے تھے۔

''اشہب کچھ کیوں سوچیں گے اور میں جب ساتھ ہوں تو کوئی پرابلم ہی نہیں ہے۔'' وہ اس کی بات کی گہرائی جانے بغیر بولی تھی اور ڈور کھولا تھا۔

''تھینک گاڈ، بھابھی آپ آ گئیں مجھے کتنا ڈر لگ رہا تھا۔'' وہ اس کو دیکھتے ہی بے تابی سے بولی تھی۔

''روبینہ تھی تو تمہارے ساتھ پھر ڈرنے والی کیا بات تھی؟'' وہ مسکرائی تھی مگر وہ یزدان آفندی کو دیکھنے کے بعد مسکرا بھی نہ سکی اور اس کے بیٹھنے پر اسے الجھن بھی ہوئی تھی اور اس نے الجھن بھری نگاہوں سے برابر بیٹھی بھابھی کو دیکھا مگر وہ یزدان کی طرف متوجہ تھی اور اس کی آنکھوں کی تحریر یزدان نے با آسانی پڑھ لی تھی کہ کچھ تحریریں بہت مشکل ہو کر بھی پڑھنا آسان ہوتا تھا، دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں تو وہ فوراً ہی نظریں چرا گئی جبکہ وہ مسکرا دیا تھا۔

''ہائے، ہاؤ آر یو عشبہ؟'' گاڑی اسٹارٹ ہونے کے بعد اس نے عشبہ سے اس کا تعارف کروایا تھا ساتھ چلنے کی وجہ بھی بتائی تھی اور وہ کچھ نہیں بولی تھی یہ بھی نہیں کہ وہ اسے پہچان گئی ہے کہ وہ اس کا بھائی ہے اور اس کے خاموش رہنے پر اس نے ہی پہل کی تھی اور پوچھا تھا۔

''ہاؤ آر یو؟ عشبہ۔''

''میں اچھی ہوں۔'' وہ منمنائی تھی مگر آگے سے اس کی خیریت نہ پوچھ سکی کہ مردوں سے بات کرنے کا کبھی اتفاق ہی نہیں ہوا اور اس کے معصومیت سے کہنے پر وہ دونوں ہی بے ساختہ ہنسے تھے اور وہ گڑبڑا کر بھابھی کو دیکھنے لگی۔

''سوکیوٹ۔'' اس کے دیکھنے پر وہ نرمی سے بولی تھی، وہ جھینپ گئی تھی مگر اس کے تاثرات وہ دونوں ہی نہ دیکھ سکے، باقی راستے وہ ہی بولتی رہی اور وہ دلچسپی سے جواب دیتا رہا۔

''اللہ حافظ بھائی! اپنا بہت پیارا خیال رکھیے گا۔'' وہ اترتے ہوئے بولی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے اس کو دیکھ رہا تھا جو گاڑی رکتے ہی اتری تھی جیسے قید سے رہائی ملی ہو، سیاہ چادر میں سے چمکتی جھانکتی آنکھیں جبکہ اس کا قرار لوٹ لے گئی تھیں، وہ بھائی کو خدا حافظ کہتی گاڑی سے اتری تو پہلی ہی نگاہ اشہب پر پڑی جو گھر کے باہر ہی کھڑا تھا اور اس کے اتر کے آنے تک عشبہ اس کو ہینڈ بیگ سے کی نکال کر دے چکی تھی اور وہ تالا کھول کر عشبہ کے اندر جاتے ہی خود بھی اندر چلا گیا۔

''کہاں گئی تھیں تم؟ جانے سے پہلے بتایا تک نہیں ایک گھنٹہ سے باہر کھڑا ہوں، کال تک ریسو نہیں کر رہی تھیں؟'' وہ اس کے گھر میں قدم رکھتے ہی اس پر گرجا تھا۔

''اشہب......وہ بھائی؟''

''بھائی گیا، بریقہ جانے سے پہلے انفارم کر سکتی تھیں اور تم میری اجازت کے بغیر گھر سے گئیں تو گئیں کیسے؟ اور کس سے پوچھ کر تم عشبہ کو ساتھ لے کر گئیں؟'' اس کو بولنے ہی نہیں دیا۔

''بھائی وہ بھابھی کے......''

''تم چپ رہو، میں تم سے بات نہیں کر رہا۔'' اس نے عشبہ کو جھڑک دیا تھا اور وہ تو اس کے چیخنے چلانے پر ہی خائف ہو رہی تھی کہ اس نے آج سے قبل اس لہجے میں گھر میں بات کی ہی

نہیں ہے، اس کے ڈائریکٹ ڈپٹنے پر وہ روتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔

"آپ نے عشبہ کو کیوں ڈانٹ دیا، وہ بے چاری تو......"

"میں اپنی بہن کو ڈانٹوں یا نہیں، تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونے چاہیے، مجھے اس بات کا جواب دو کہ تم اسے کس سے پوچھ کر اپنے گھر لے گئیں اور اپنے بھائی کو ساتھ کیوں لائی تھیں جب عشبہ تمہارے ساتھ تھی؟ جواب دو۔" وہ دھاڑا تھا۔

"میں عشبہ کو گھر نہیں لے گئی تھی، بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا میں ان کو دیکھنے ہاسپٹل گئی تھی۔" وہ روتے ہوئے خائف لہجے میں بولی اس کے غصہ کو جھاگ کی طرح بٹھاتی ندامت کے زیر اثر لے گئی۔

"میں عشبہ کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی اس لئے ہاسپٹل جانا کینسل کر دیا تھا، عشبہ نے خود میرے ساتھ چلنے کو کہا تو میں اسے لے گئی، مگر وہ روبینہ کے ساتھ گاڑی میں ہی رہی تھی اور جہاں تک بھائی کے ساتھ آنے کی بات ہے تو اشہب تو میرے بھائی کوئی غلط انسان نہیں ہیں جو آپ نے اس طرح کی بات کی اور آپ کی بہن اب میری بھی کچھ لگتی ہے اس کا خیال نہ ہوتا تو اکیلے چھوڑ کر چلی جاتی لیکن میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ عشبہ......" وہ اس کو غصہ سے دیکھتی کمرے کی جانب بڑھ گئی اور وہ گہری سانس لے کر رہ گیا کہ آفس میں باس سے منہ ماری ہو گئی تھی اور غصہ میں گھر آیا تو تالا پا کر اس کے نمبر پر ٹرائی کیا تھا مگر پاور آف آ رہا تھا اور عشبہ کو فون کیا تو وہ بھی کچھ نہیں جانتی تھی اس کا غصہ سوا نیزے پر جا پہنچا اسی لئے وہ اس کی سنے بغیر غصہ کر گیا مگر اب افسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

"ہاتھ چھوڑیں میرا اشہب!" اس نے اپنے رویے کی معذرت کی تھی مگر وہ اس کے رویے سے زیادہ اس کے لفظوں سے ہرٹ ہو گئی تھی اس لئے توجہ نہ دی اور الماری میں سے کپڑے نکال کر چینج کرنے چلی گئی، اس کو غصہ تو آیا مگر اس کا حق بجانب جان کر نظر انداز کر گیا وہ شاور لے کر نکلی تو اس کو حیرت سے دیکھا کہ رات کے نو بجے ٹھنڈے موسم میں نہانے کی تک اس کو سمجھ نہیں آئی تھی اور حیرت دیکھتے ہی دیکھتے والہانہ پن میں ڈھل گئی تھی کہ وہ نکھری نکھری لگ ہی اتنی اچھی لگ رہی تھی اور وہ اس کی بدلتی کیفیت سے انجان شیشے کے سامنے کھڑی بال بناتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولی تھی۔

"آپ مجھے بریقہ ولاز چھوڑ آئیں گے یا میں ڈرائیور کو بلا لوں؟"

"اتنی رات کو کہیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟" بیڈ سے ٹیک لگائے نگاہ اس پر جمائے بولا تھا۔

"بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور وہ لاپرواہ بہت ہیں، اپنا بالکل خیال نہیں رکھیں گے، اس لئے گھر جانا چاہتی ہوں۔" اس نے بال سلجھا کر پشت پر کیے اور آنکھوں میں کاجل لگانے لگی کہ وہ گھر میں کچھ تیاری نہیں کرتی کہ جب شوہر کو ہی پرواہ نہیں ہے تو وہ کیوں اور کس کے لئے سنگھار کرے؟ مگر میکے جاتے ہوئے ان باتوں کا خیال رکھتی ہے کہ جان سے زیادہ چاہنے والے بھائی اور باپ کو اپنی ناخوشگوار ازدواجی زندگی کا بتا کر دکھی نہیں کر سکتی اس لئے سب اچھا ہے کہ عملی تفسیر بن کر ہی جاتی ہے اور وہ اس کو دیکھ رہا تھا کہ کاجل اور شوخ رنگ کا لپ اسٹک سے ہی اس کا خوبصورت چہرہ مزید خوبصورت ہو گیا ہے اور

وہ جواب لینے کو مڑی تھی مگر اس کی خاموشی میں پنہاں جذبوں کی آنچ محسوس کیے بناء سائیڈ ٹیبل پر رکھے سیل فون کو اٹھانے کو بڑھی تھی اور وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا اس کی پیش رفعت پر وہ حیران ہوئی تھی کہ ایسی کوئی امید کہاں تھی اور وہ بولا تھا۔

"صبح آفس نہیں جاؤں گا، اس لئے ابھی مت جاؤ کل دوپہر میں، میں خود تمہیں لے جاؤں گا۔" اس کی حیرت میں اضافہ ہو گیا تھا کہ اس نے تختی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے باپ کی چوکھٹ پر کبھی قدم بھی نہ رکھے گا مگر کسی امید کے تحت ہر بار جانے سے قبل اس سے ضرور ساتھ چلنے کو کہتی تھی اور اس کی کاٹ دار نگاہ پر شرمندہ ہو جاتی تھی مگر آج وہ خود سے ہی جانے کی حامی بھر رہا تھا تو اسے حیران ہونا ہی تھا۔

"آپ آفس کیوں نہیں......" ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس کو اپنی طرف کھینچ گیا تھا اور وہ کوئی مزاحمت بھی نہیں کر سکی تھی۔

☆☆☆

"یزدان، میں نے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" سلطان آفندی نے تمہید باندھی تھی اور وہ خوشدلی سے حکم کرنے کو کہہ گیا۔

"میں نے جو کیا یزدان میں اس پر نادم ہوں کہ بیٹی کی خوشی کو اپنی ضد بنا لیا تھا اور میں نے ضد و گھمنڈ میں کچھ بھی نہیں سوچا نہ اشہب کی بہن کے بارے میں تو بالکل بھی نہیں مگر جب اشہب کا بچی کے ساتھ توہین آمیز رویہ و سلوک دیکھا تو احساس ہوا کہ کچھ تکلیفیں خود ہماری غلطیوں کے سبب ہمیں اٹھانا پڑتی ہیں۔" وہ باپ کی آنکھوں میں نمی دیکھ رہا تھا کہ جس بیٹی سے کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی اس کے گال پر انگلیوں کے نشان جس کڑے دل سے دیکھے تھے یہ تو بس وہی جانتے ہیں، اشہب نے ان کی دکھتی رگ پکڑ لی تھی۔

"نہ میں وہ سب کرتا نہ اشہب بچی کے ساتھ بری طرح پیش آتا۔"

"ڈیڈی! جو ہوا ہونا نہیں چاہیے تھا مگر اب کیا کر سکتے ہیں۔" باپ کی شرمندگی اس سے دیکھی نہ گئی۔

"ازالہ!" وہ ایک لفظ بولے اور الجھ جانے والے بیٹے کو دیکھا اور وہ بات کہنے لگے جس کے لئے تمہید باندھی تھی۔

"میں اپنے کیے کا ازالہ چاہتا ہوں یزدان، مگر یہ تب ہی ممکن ہے جب تم میرا ساتھ دو گے؟" وہ بیٹے کو امید بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"ڈیڈی! میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یزدان! میں چاہتا ہوں تم اس بچی سے شادی کر لو۔" وہ بے طرح چونکا کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ایسی کوئی بات کریں گے۔

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟" ناسمجھی سے بولا تھا۔

"اشہب کی بہن کی، جس کو میں نے کڈنیپ کروایا تھا۔" ان کی بات پر وہ حیرانگی کی بجائے مسرت کا شکار ہو گیا تھا اور اپنے سوال کا جواب لینے کو وہ اس کے چہرے پر نگاہ جمائے ہوئے تھے اس کے کھل جانے والے چہرے کو حیرانگی سے دیکھا کہ انہیں لگا تھا کہ وہ انہیں مانے گا اور غصہ ہو گا مگر یہاں تو معاملہ ہی دوسرا تھا۔

"تم اس بچی سے شادی کر لو گے نہ یزدان؟" اس کے چہرے پر واضح اقرار پڑھ کر بھی بولے اور وہ تو باپ کو دوست ہی مانتا ہے، ہمیشہ ہر بات ان سے شیئر کی تھی اور جب وہ بنا

کہ اس کے دل کی بات پوری کرنے جا رہے تھے تو اس نے انہیں ہر ایک بات دل کی کیفیت بتا دی اور وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گئے۔

''ڈیڈی وہ واحد لڑکی ہے جس سے آپ کے بیٹے نے پہروں سوچا ہے اور اسی کو سوچ رہے تھے نہ جوا ایکسیڈنٹ ہوا؟'' وہ کان کھجانے لگا۔

''یو ڈونٹ وری، میں اشہب سے بات کروں گا لیکن۔'' وہ رکے تھے اور اسے اپنے دل کی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہوئی۔

''اسے فورس نہیں کروں گا، اگر وہ چاہے گا تو پرپوزل ایکسیپٹ کر لے گا اور ہم اس کے انکار کا احترام کریں گے کہ جو غلطی پہلے کی اسے دہرانا نہیں ہے۔'' وہ بیٹے کا اتر جانے والا چہرہ دیکھتے اس کا ہاتھ تھام گئے۔

''وہ تمہارا نصیب ہوگی تو ضرور وہ تمہاری بن جائے گی، کہ میں قجی کی طرح تمہاری کوئی آزمائش نہیں چاہتا، کہ قجی کے آنسو مجھے سونے نہیں دیتے جس بیٹی کو ہتھیلی کا چھالہ بنائے رکھا وہ کیسی زندگی بسر کر رہی ہے، اندازہ ہے مجھے۔''

وہ آزردہ ہو گئے تھے کہ اپنی بیٹی کو تکلیف میں دیکھنے کے بعد ہی کسی اور کی تکلیف کا احساس کرنے کے قابل ہوئے تھے۔

''ڈیڈی! تو آپ ایسا صرف قجی کی خوشیوں کے لئے چاہتے ہیں۔''

''نہیں مجھے پچھتاوا ہے اور میں سچے دل سے ازالہ کرنا چاہتا ہوں، قجی کا اس میں کوئی لینا دینا نہیں ہے کہ سودے بازی کا انجام دیکھ چکا ہوں تو غلطی کیسے دہرا سکتا ہوں؟'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیئے۔

''میری برائی کا اثر میری بیٹی کی زندگی پر پڑا تو میں اچھائی کے راستے پر چلنا چاہتا ہوں تا کہ میری کوئی نیکی اللہ کو پسند آ جائے اور میری بیٹی کی زندگی خوشیوں سے بھر جائے، میں قجی کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں، مگر صرف جائز طریقے سے میں نے ازالے کی راہ اپنی برائی کے خاتمے کے لئے نکالی ہے اور رہ گئی بات قجی کی تو میں اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ چکا ہوں، بیٹی کے لئے اس کی خوشیوں کے لئے میں صرف اس ذات اقدس کے آگے سوالی ہوں اور مجھے امید ہے کہ میرا اللہ مجھے مایوس نہیں کرے گا۔'' وہ باپ کا نیا مگر بہت پیارا روپ دیکھ رہا تھا۔

''اور اب یہ بھی اللہ کی ہی رحمت ہے کہ میرے ذہن و دل کی آواز تمہارے دل کی بھی آواز ہے اور تم اس بچی کو ازالے کے طور پر نہیں صرف اس لئے خوش رکھو گے کہ تم اس کو خوش رکھنا چاہو گے کہ تمہاری خوشیاں اس سے جڑی ہیں، میں آج ہی اشہب سے بات کروں گا آگے اللہ کی مرضی۔'' وہ بیٹے کو بہت کچھ باور کراتے اس کے روم سے نکل آئے۔

☆☆☆

''ڈیڈی!'' وہ ان کے کاندھے سے آ لگی۔

''کس کے ساتھ آئی ہے میری جان۔'' نرمی سے اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر پوچھا تھا۔

''اشہب کے ساتھ آئی ہوں، بھائی کہاں ہیں؟'' وہ مسکرا کر بولی تھی اور آج وہ گزرے دنوں کی نسبت کچھ خوش اور کھلی کھلی لگی۔

''اپنے کمرے میں ہے، تم جا کر مل لو اس سے۔'' وہ اس کی خوشیوں کی دعا دل ہی دل میں کرتے بولے اور باہر کی طرف بڑھے کہ موقع ہے تو اس سے بات ہی کر لیں، وہ بائیک اسٹارٹ کر رہا تھا اور ان کو دیکھ ذہن و دل میں غصہ کی لہر دوڑ گئی کہ ان کے سامنے سے کترانے کے سبب ہی تو وہ یہاں نہیں آنا چاہتا تھا مگر رات

میں اپنی ہی جھونک میں حامی بھر لی تھی تو انکار نہ کر سکا اور اب تک وہ چلا بھی گیا ہوتا، مگر بائیک کو ہی نہ جانے کیا ہو گیا تھا چل کر ہی نہیں دے رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' وہ بے ساختہ امڈنے والی مسکراہٹ روک نہ سکے کہ اس کی آنکھوں میں ان کو دیکھتے ہی جو ناپسندیدگی و غصہ دوڑا تھا وہ نظر انداز کرنے والا نہ تھا مگر اس نے انہیں سلام کر کے اپنی اچھی پرورش کا ثبوت فراہم کر دیا تھا۔

''وعلیکم السلام کیسے ہو؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہے تھے اور تبھی بائیک اسٹارٹ ہو گئی تھی۔

''ٹھیک ہوں، اللہ حافظ۔'' ذہن و دل کثافت کا شکار ہونے لگے تھے مگر اسے یہ اچھا نہیں لگا کہ وہ ان کی بات کا جواب دیئے بغیر جائے اس لئے دو لفظی جواب کے ساتھ ہی خدا حافظ بھی کہہ دیا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے اشہب۔'' ہینڈل پر رکھے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اس نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔

''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی، پہلے ہی آپ......''

''پلیز میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔'' نرمی سے ریکوئسٹ کی تھی اور وہ اپنی ازلی مروت سے مار کھاتا ان کے ساتھ اندر چلا آیا کہ وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئے تھے تا کہ سکون سے بات کر سکیں۔

''اشہب! کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے؟'' وہ ان کے بولنے کا منتظر تلخی کا شکار ہو گا۔

''آپ میری جگہ ہوتے تو کیا مجھے معاف کر دیتے؟''

''نہیں کہ کچھ گناہ کی بو آئے وہ معافی کے لائق نہیں ہوتے۔'' وہ ان کو حیرانگی سے دیکھ رہا تھا۔

''میں آپ کو معاف کرنا چاہتا ہوں، لیکن کر نہیں پا رہا، کہ اپنی توہین تو چاہوں تو بھول سکتا ہوں، اپنی بہن کی توہین نہیں بھول سکتا۔'' ان کی آزردگی اسے بھی آزردہ کر گئی۔

''میں تمہاری بہن کا مجرم ہوں اشہب اور میں معافی نہیں ازالہ چاہتا ہوں۔'' وہ خود کو کمپوزڈ کر کے کہتے اس کو ورطہ حیرت میں ڈال گئے اور انہوں نے ازالے کی صورت بتائی تو وہ بیٹھے سے کھڑا ہو گیا اور عالم بے یقینی میں انہیں دیکھنے لگا کہ ان کا احترام میں خاموشی سے چلا آیا اور غصہ کو دبا تا رہا مگر جو بات انہوں نے اس کی تو تصور بھی نہ تھا اور وہ اس کی بے یقینی بھانپتے ہوئے کچھ کہنے لگے تھے کہ وہ بے یقینی سے نکلتا غصہ کی لپیٹ میں آتا طنزیہ لہجے میں بولا۔

''واہ مسٹر سلطان آفندی کیا کہنے ہیں آپ کے سودے بازی میں تو آپ خوب ہی ماہر ہیں، بازی الٹ گئی تو نیا داؤ چلنے کا سوچا، مگر آخر میری معصوم بہن نے آپ کا کیا بگاڑا ہے جو ہر بار مہرہ اسے ہی بناتے ہیں؟'' اس کی کنپٹی کی رگیں پھڑک رہی تھی۔

''تم میری بات ٹھنڈے دل سے سن کر سوچ سمجھ کر فیصلہ......''

''رہنے دیجئے بس، پہلے میری بہن کو اپنی بیٹی کی محبت دلانے کو استعمال کیا اور اب اس کی خوشیوں کے لئے نیا داؤ چل رہے ہیں۔''

''میں کوئی داؤ نہیں چل رہا، جو تم سے کہا وہ صرف تمہاری بہن کا اس کی خوشیوں و عزت کا خیال کر کے کہا کہ میں اپنے کیے پر نادم ہوں خود کو اس بچی کا مجرم پاتا ہوں، محض اس لئے نہ کہ اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لئے، کہ میں کل بھی طاقتور تھا آج بھی طاقتور ہوں، جیسے شادی کے لئے مجبور کر

سکتا ہوں قجی کی سیکیورٹی کے لئے میں سب کچھ کر سکتا ہوں مگر کرنا نہیں چاہتا کہ میں جان گیا ہوں کہ بزور طاقت صرف جنگ کے فیصلے ہوتے ہیں ایک کی ہار اور ایک کی جیت اور تم میری بیٹی کی محبت اس کے شوہر ہو، تمہاری ہار، میری بیٹی کی ہار ہی ہو گی اور میں سودا بازی کا نقصان دیکھ چکا ہوں تو بے وقوف نہیں ہوں کہ غلطی دہراؤں میں صاف دل و نیت سے تمہارے سامنے پرپوزل رکھ رہا ہوں اور تم قبول کرو یا نہیں، میں قجی کے لئے تم سے کوئی بات نہیں کروں گا کہ مضبوط رشتہ سودے بازی کے ذریعے قائم کر کے جواب طلبی کا میں حق کھو چکا ہوں اور یہ سچائی ہے کہ اپنی بیٹی کے آنسو دیکھ کر ہی تمہارے درد کا اندازہ کرنے کے قابل ہوا اور میں نیک نیتی سے تمہاری بہن کو اپنی بہو بنانا چاہتا ہوں نا کہ قجی کی خوشیوں کے ضمانت سمجھ کر، فیصلے کی ڈور تمہارے ہاتھ میں ہے شادی کے لئے راضی ہو تو ایک فون کر دینا عزت اور شان سے تمہاری بہن کا رشتہ لے کر آؤں گا اور میرے اس گھر میں اس کو اتنی ہی چاہت و عزت ملے گی جس کی حقدار ایک بہو ہوتی ہے، قجی کو دی جانے والی اذیت کا اس سے بدل نہیں لیا جائے گا کہ اس معصوم کا میں پہلے ہی بہت نقصان کر چکا ہوں، میرے اس اقدام سے شاید اللہ مجھے میرے کیے کے لئے معاف کر دے اس پر ظلم کر کے میں خدا کے قہر کو آواز نہیں دے سکتا۔“

وہ ان کو دیکھ رہا ہے جن کے چہرے و آنکھیں سچائی بیان کر رہی ہیں، وہ بری طرح الجھے ذہن کے ساتھ ان کے گھر نے نکل آیا، جتنا سوچ رہا تھا اتنا ہی مزید الجھ رہا تھا کہ ان کے دلائل میں وزن تو تھا کیونکہ وہ جو پہلے کر چکے بیٹی سے برتے جانے والے رویے کے بعد دوبارہ کر سکتے تھے، بیوی پر زدوکوب کے چارج میں حوالات کی سیر کروا سکتے تھے، مگر وہ تو ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے تھے کہ وہ مجموعی طور پر ایک اچھے انسان ہیں دونوں بچے ہی کائنات ہیں اور ان کی خوشی کے لئے ہر حد سے گزر جانے کو تیار، اس کی سوچوں کا گراف بلند ہوتا اس کے سر میں درد کرنے لگا اور وہ گھر سے نکل آیا یونہی سڑکوں پر چکراتے وہ خالہ کی طرف آ گیا، خالو سے بات کرتے ہوئے ذہن کچھ ریلیکس ہو گیا تھا اور اس کو آئے پندرہ منٹ ہوئے تھے کہ مہوش آ گئی، رئیس اس کو باہر ہی چھوڑ کر چلا گیا تھا، مہوش کے ابا عصر کی نماز ادا کرنے کمرے میں چلے گئے اور وہ اس کے خیر خیریت دریافت کرنے لگا۔

”اللہ کا شکر ہے، اپنی زندگی میں خوش اور مطمئن ہوں۔“ اس کو کچھ بے یقینی سے ہوئی تھی اور وہ اس کی حیرت بھانپ گئی۔

”ہم مشرقی لڑکیاں، محبت کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر پاتیں مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے کہ ہم لڑکیاں عزت اور گھر کے بغیر نہیں جی سکتیں۔“ وہ دھیمے لہجے میں بول رہی تھی اور رئیس چوکھٹ پر ہی رک گیا تھا کہ وہ اس کا بیگ دینے آیا تھا جو وہ بائیک کے ہینڈل میں لگا چھوڑ آئی تھی۔

”میں نے تم سے محبت کی تھی، مگر اب میں صرف رئیس سے محبت کرتی ہوں، تمہاری محبت کھو کر تو زندہ ہو، رئیس کی محبت کھو کر زندہ نہیں رہ پاؤں گی کہ ہم لڑکیاں محبوب کے بغیر رہنے کی عادی ہوتی ہیں اور شوہر کے بغیر رہنے کی عادی ہو ہی نہیں سکتیں، کہ محبوب چند لفظ خوابوں کے اور شوہر زندگی کا ہر سکھ دیتا ہے اور ہم لڑکیاں محبت کے بغیر رہ سکتی ہیں عزت اور سکھ کے بغیر نہیں رئیس نے مجھے عزت سکھ سب ہی کچھ دیا اور یہ میری خوش نصیبی ہے کہ انہوں نے مجھے محبت بھی دی اور میں ان کے ساتھ بہت زیادہ خوش ہوں۔“ وہ دھیمے سے مسکرائی تھی اور وہ جس خاموشی سے آیا تھا اسی خاموشی سے لوٹ گیا مگر ساتھ یقین و مان بھی لے گیا تھا کہ ذہن و دل میں جو گرہ تھی وہ کھل گئی تھی۔

”اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔“ وہ سچے دل سے اس کے لئے دعا گو ہے۔

”شکریہ دعاؤں کے لئے اور تم مجھے کچھ پریشان لگ رہے ہو سب ٹھیک تو ہے؟“ وہ دونوں ساتھ کھیل کر بڑے ہوئے تھے، دونوں میں کافی دوستی رہی تھی اس کے بن کہے دل کی کیفیت جان لینے پر اسے ذرا بھی حیرت نہ ہوئی اور اس نے اسی کو شریک راز کر لیا کہ اسے کسی کے مشورے کی ضرورت ہے یہی سوچ کر تو خالو کے پاس آیا تھا مگر ان سے کہہ نہ سکا کہ ان سے اتنا فرینک نہیں ہے خالہ ہوتیں تو کب کا کہہ چکا ہوتا۔

”تم پرپوزل ایکسپٹ کر لو اشبو، کہ انہوں نے اگر نیک نیتی سے نہیں صرف اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لئے بھی یہ فیصلہ لیا ہے تو اس میں تمہارا بھی فائدہ ہے اور سب سے بڑھ کر عشبہ کا کہ چند سال بعد جب اس کی شادی کرنے کھڑے ہو گئے تو اغواء کا اشوز پر بحث ضرور آئے گا اور یہ لوگ کم از کم اس ایکسیڈنٹ کے حوالے سے عشبہ کو ٹارچر نہیں کر سکیں گے۔“ وہ ساری تفصیل جان کر کچھ لمحے تو کچھ بول ہی نہ سکی تھی کہ اسے اندازہ ہی نہ تھا کہ لوگ اپنے مفاد کے لئے کس حد تک جاتے ہیں۔

”لیکن میرا دل نہیں مان رہا، عشبہ کے ساتھ پہلے ہی زیادتی ہو چکی ہے اب مزید اس پر ظلم سہہ نہیں پاؤں گا۔“

”یہ قدم اس زیادتی کا ازالہ ہو گا جس نہج پر جا کر میں اس سب کو دیکھ رہی ہوں تم نہیں دیکھ سکتے کہ عورت کے احساسات ایک عورت ہی سمجھتی ہے اور ایک مرد اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوتا کہ اغواء شدہ لڑکی کو عزت سے اپنائے کہ ہمارا معاشرہ طلاق یافتہ اور اغواء شدہ لڑکی کو کوئی خطا نہ بھی ہو تو قبول نہیں کرتا اور تم سوچو کہ عشبہ کی جس سے شادی کرو گے وہ عشبہ پر بھروسہ نہ کر سکے گا تو کیا کرو گے؟ یہاں کم از کم ایسا نہیں ہو گا، وہ لوگ عشبہ کا ندامت میں ہی سہی خیال رکھیں گے اور سلطان آفندی نے بیٹے سے بات کیے بغیر تم سے بات نہیں کی ہو گی، ابھی وہ باپ کے احترام بہن کی خوشیوں کے لئے ایسا کر رہا ہو گا بھی تو کوئی عیب یا پریشانی کی بات نہیں ہے، عشبہ ہر لحاظ سے ایک مکمل لڑکی ہے حسن و جمال میں بھی حسن سیرت و کردار میں بھی اور وہ شخص ایک نہ ایک دن ہر ازالے کی روشنی سے نکل کر اسے چاہے گا اور ایسا نہیں بھی کر پایا تو میں نے کہا نہ کہ ہم عورتوں کو محبت کی نہیں عزت اور گھر کی چاہ ہوتی ہے اور وہ شخص عشبہ کو ایک گھر اور عزت دے گا تو وہ مطمئن رہے گی اور انسان کی خوشی سے بڑھ کر اس کا اطمینان ہوتا ہے کہ اطمینان ذہن و دل میں ہوتا ہے اور خوشی کا کیا ہے کہ بعض دفعہ تو دنیا دکھاوے کو بھی خوشی کا اظہار کرنا پڑتا ہے اور یہ فیصلہ تم نے کرنا ہے کہ تم عشبہ کو مطمئن دیکھنا چاہو گے یا محض خوش۔“

اس نے بہت طریقے سے ہر ایک پہلو سامنے رکھ کر اسے سمجھایا تھا اور وہ گھر آ کر سوچتا رہا اور اس کا دل اس رشتے پر جھکنے لگا لیکن اس نے فیصلہ کرنے سے قبل اللہ کی رضا جان لینا ضروری سمجھا، عشاء کی نماز کے بعد اس نے استخارہ کیا تھا اور مطمئن سا سونے لیٹ گیا کہ باپ کے مرنے کے بعد وہ چھوٹے بہن بھائیوں

کا باپ بن گیا اور ماں کی نوعمگی کے بعد ماں بننے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

☆☆☆

''اشعب، میں نے آپ سے بات کرنی ہے۔'' وہ آدھے گھنٹے قبل ہی ڈیڑھ دن میکے میں رہنے کے بعد ڈرائیور کے ساتھ گھر آئی تھی، جب وہ آئی تھی تو وہ سب رات کا کھانا کھا رہے تھے وہ کھانا کھا کر آئی تھی مگر عشنہ وعشبہ کے بار بار کہنے پر کھانا کھایا تھا اور چائے کے دوران وہ ان سب سے گپ شپ کرتی رہی تھی کہ اسے نیند بھی نہیں آ رہی کہ وہ میکے میں خوب نیند پوری کر کے آئی ہے، تقریباً دو گھنٹے بعد وہ کمرے میں آئی تو وہ بستر پر دراز تھا اور وہ اپنی جگہ پر آتے ہوئے بولی تھی مگر اس کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا تھا کہ وہ سو چکا تھا مگر اس نے خیال کیے بناء اس کا کاندھا ہلایا۔

''اشعب، مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ کاندھا ہلاتے ہوئے اس پر جھکی تھی۔

''بات تو صبح بھی ہو سکتی ہے، اس وقت سونے دو۔'' وہ کروٹ بدل گیا تھا۔

''اوف ایک تو انہیں نیند اتنی نہ جانے کیوں آتی ہے۔'' وہ غصہ سے کہتی اٹھی اور چینج کرنے چلی گئی اور اس کی نیند کا خیال کیے بغیر جو چیز اٹھا رہی تھی شور کے ساتھ اور واپس رکھ نہیں رہی تھی پٹخ رہی تھی، اس نے پرفیوم اسپرے کر کے بوتل زور سے پٹخی اور برش کرنے لگی اور برش اتنی زور سے رکھا کہ اس کی برداشت جواب دے گئی۔

''یہ طریقہ کچھ خیال ہے تمہیں، میں سو رہا تھا، لے کے نیند خراب کر دی۔'' سیدھے ہوتے ہوئے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر نیند سے بوجھل آنکھیں بمشکل اس پر ٹکائی تھیں۔

''میں نے آپ کو نہیں اٹھایا، آپ خود اٹھے ہیں الزام مجھے مت دیں۔'' وہ اس کو نیند سے جگا دینے پر ذرا بھی خائف نہیں ہے۔

''مجھے جب نیند آ رہی ہوتی ہے تو آ رہی ہوتی ہے اور میں سیکنڈز کی تاخیر کیے بنا سونا پسند کرتا ہوں اور کوئی نیند سے مجھے جگائے تو دل کرتا ہے کہ سر پھاڑ دوں گستاخ کا۔'' اس کا لہجہ نیند سے بوجھل تھا وہ غصہ سے کہتا دوبارہ لیٹ گیا۔

''مجھے نیند جب نہیں آ رہی ہوتی تو نہیں آ رہی ہوتی اور میرے سامنے ایسے میں کوئی سوئے تو میرا دل کرتا ہے سیکنڈز کی تاخیر کیے بنا اس گستاخ کو جگا دوں۔'' وہ اسی کے سے انداز میں کہتی اس کے پہلو میں دراز ہو گئی۔

''ایسی بھی کیا بات کرنی ہے کہ نیند ہی اڑ گئی ہے۔'' وہ اس کی آنکھیں کھولتے نہ دیکھ خاموش پا کر اسے غصہ سے گھورتی کروٹ بدل رہی تھی کہ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے نزدیک کیا تھا اور نرم لہجے میں بولا تھا۔

''آپ کو بھائی کیسے لگتے ہیں؟'' وہ اس کو متوجہ پا کر بولی تھی۔

''تم ان فسوں خیز لمحات میں اتنی فضول سا کوئسچن کرو گی اندازہ نہیں تھا مجھے۔'' وہ اس پر گھیرا تنگ کر رہا تھا۔

''پلیز اشعب آئی ایم سیریس، بتائیے نہ آپ کو بھائی کیسے لگتے ہیں۔'' وہ حصار سے نکلتے ہوئے بولتی اس کو غصہ ہی تو دلا گئی کہ اس کو سوتے سے ان فضول باتوں کے لئے جگا رہی تھی کہ یہ بات تو صبح بھی کی جا سکتی تھی۔

''تمہارا بھائی ایک نمبر کا فضول آدمی ہے۔'' جھنجھلا کر بولا تھا۔

''آپ میرے بھائی کے متعلق ایسا کوئی کمنٹس نہیں دیں گے جس کو سن کر مجھے غصہ آئے۔'' وہ بیٹھتے ہوئے وارننگ بھرے لہجے میں بولی تھی۔

''اچھا نہیں کچھ کہتا، خاموشی سے سو جاؤ اور سونے دو مجھے۔''

''پلیز اشعب بتا دیجئے نہ۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بیٹھی ہوئی تھی اور وہ چونک گیا اس خیال سے کہ کہیں سلطان آفندی اسے بھی تو دیئے جانے والے پرپوزل سے آگاہ تو نہیں کر چکے۔

''اتنی رات گئے، آخر اس سوال کا مطلب؟'' وہ الرٹ ہو چکا تھا۔

''وجہ بتاؤں گی لیکن آپ پہلے پوری ایمانداری سے بتائیں کہ یزدان آفندی کیسے انسان ہیں؟ آپ کو کیسے لگتے ہیں؟''

''جتنا جانتا ہوں اس کو سامنے رکھ کر کہوں تو ایک اچھا انسان ہے اور سب سے بڑھ کر رشتوں کو عزت و محبت دینے والا شخص ہے۔'' اس نے سچائی سے کہا تھا۔

''بائے نیچر اور بائے کریکٹر آپ کو کیسے لگتے ہیں؟'' وہ پرجوش ہو چکی ہے کہ جواب تسلی بخش جو ملا ہے۔

''آفس میں کام کرتے ہوئے کبھی نرم کبھی گرم مزاج کا لگا، مگر تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک الگ ہی بہت پیارا روپ دیکھا اور یہاں تک کریکٹر کی بات ہے تو مجھے وہ مجموعی طور پر اچھے کردار کا شخص لگتا ہے کہ میں نے آفس میں لیڈی ورکرز کے ساتھ فرینک ہوتے یہ ان پر مہربان ہوتے نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی کسی لڑکی سے ملتے یا فون پر بات کرتے پایا، مگر تم یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟'' وہ ایک سچا کھرا شخص ہے جو بات محسوس کی تھی لگی لپٹی کے بغیر صاف کہہ دی کہ ان ہی سب کی روشنی میں تو پرپوزل قبول کرنا آسان لگ رہا تھا۔

''صرف یہ جاننے کے لئے کہ آپ بھائی کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، اصل میں اشعب، آج بھائی نے مجھے بتایا کہ انہیں ایک لڑکی سے پہلی نظر میں محبت ہو گئی ہے۔'' اسے لگا تھا کہ کمرے کی چھت اس پر گر پڑی ہو اور وہ اس کی کیفیت سے انجان بول رہی تھی۔

''اور میں بہت بہت زیادہ خوش ہوں کہ وہ لڑکی کوئی اور نہیں عشبہ ہے۔'' وہ اس کو اب مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔

''عشبہ...... عشبہ کو یزدان نے کہاں دیکھا؟'' اس کی آواز جیسے گہری کھائی سے برآمد ہوئی تھی اور وہ یزدان کے گھر آنے کی شام کی تفصیل بتا گئی۔

''میں نے یہ سب بتانے سے قبل بھائی کے لئے آپ کی رائے اس لئے طلب کی تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اگر بھائی کا پرپوزل آئے گا تو اسے قبول کر لیں گے آپ، یا نہیں۔'' وہ کافی اطمینان محسوس کر رہی تھی مگر اس کا اطمینان غارت ہو گیا تھا کہ اس کے ذہن میں یہ بات گردش کر رہی ہے کہ بیٹے کی محبت کے لئے انہوں نے دوسرا داؤ چلا ہے جسے ازالے کا نام دے دیا، اس نے غصہ سے مٹھیاں بھینچ لیں، ماتھے پر شکنیں نمودار ہو گئیں تھیں۔

''بھائی نے یہ بات سب سے پہلے مجھے بتائی ہے، ڈیڈی کو بتانے کا کہہ رہے تھے مگر میں نے منع کر دیا۔'' اس کے اعصاب یکدم ڈھیلے پڑنے لگے۔

''مگر کیوں؟''

''اصل میں بھائی چاہتے ہیں کہ ڈیڈی ان کا پرپوزل آپ کے پاس لے کر آئیں، مجھے لگا کہ آپ کہیں انکار ہی نہ کر دیں، اس لئے میں نے بھائی سے کہا کہ میں آپ سے بات کروں گی

اور آپ کا جو بھی جواب ہوگا اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈیڈی سے بات کی جائے گی؟"
"میں اگر انکار کر دوں؟"
"یہ آپ کا حق ہے اور یقین رکھیں اشہب غلطی دہرائی نہیں جائے گی، بھائی اور میں تو خیر اس بات سے بے خبر تھے، مگر ڈیڈی وہ بہت شرمندہ ہیں، میں مانتی ہوں انہوں نے غلط کیا، عشبہ کی ڈری ڈری حالت کے صرف وہی ذمہ دار ہیں، مگر وہ آپ سے اور عشبہ سے معافی مانگنا چاہتے ہیں، میں جانتی ہوں یہ آسان نہیں ہے، مگر کوشش کر کے آپ ڈیڈی کو معاف کر دیں کہ عشبہ تو اصل حقیقت نہیں جانتی اور کبھی اسے سچائی پتہ بھی نہیں چلنی چاہیے کہ عشبہ اور آپ کی طرح اس کا بھی دل میری طرف سے خراب ہوگا۔"
آنسو جھیل سی انکھوں میں جمع ہونے لگے تھے اور اس نے سلطان آفندی کے لئے پرپوزل کی تفصیل انہی کے الفاظ میں اسے بتا دی اور وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوگئی جبکہ یزدان آفندی اسے شریک راز کرنے کا سوچ رہا تھا مگر باپ سے بات کرنے کے بعد جب اس کو بتایا تو صرف اس لئے تا کہ اگر اشہب کہ دل میں شک ہوتو وہ دور کر دے اس لئے اس نے مصلحتاً جھوٹ بول دیا تھا کہ اس نے ڈیڈی کو ابھی نہیں بتایا کہ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے پیار کو احسان کا نام دیا جائے مگر وہ یہ بات باپ سے اس صورت میں نہ کہہ سکا کہ اس کے دل کی بات جانے بغیر انہوں نے ازالے کے لئے یہ فیصلہ کیا تھا اور وہ ان کی نیکی اور نیت پر شک نہیں کر سکتا تھا۔
"آپ نے پھر کیا سوچا؟" وہ آنسو رگڑتی امید سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"میں کوئی فیصلہ ہی نہیں کر پا رہا تھا اس لئے استخارہ کیا اور استخارے میں مثبت جواب آیا ہے اور استخارے کی روشنی میں، میں نے رشتہ قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔" وہ دم سادھے سن رہی تھی بات مکمل ہونے تک کھل اٹھی اور بے اختیار جوش سے اس کے سینے میں سما گئی۔
"تھینک یو اشہب، تھینک یو، بھائی بہت زیادہ اچھے ہیں، عشبہ ان کے ساتھ بہت خوشگوار زندگی گزارے گی بھائی ڈیڈی کے دیئے آنسوؤں کا ازالہ اپنی چاہت اور عزت سے کر دیں گے، عشبہ کی طرف سے آپ کو کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوگی کہ بھائی کے دل کی سدا ڈیڈی کے کیے ظلم کے ازالے کی بھی سدا ہے اس گھر میں دو لوگ ہیں اور دونوں ہی اس رشتے پر دل سے راضی اور خوش ہیں، تھینک یو سو مچ۔" وہ اسے کافی ماہ بعد وہی آفس والی بریقہ آفندی لگی جو خوشی کا بچوں کا طرح والہانہ اظہار کرتی تھی۔
"اور تم بریقہ، تم میرے ساتھ خوش ہو؟" وہ الگ ہوئی تھی تو اس کے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔
"میں بہت زیادہ خوش ہوں بھائی کے لئے، عشبہ کے لئے۔"
"میں تمہاری بات کر رہا ہوں بریقہ؟"
"میں خوش ہوں اشہب، کہ جانتی ہوں کہ آپ نے میرے ساتھ جو کیا وہ غصہ میں بدلے کی آگ میں جلتے ہوئے کیا، وگرنہ آپ ایسے نہیں ہیں۔" وہ سچائی سے بولی تھی کہ اسے واقعی اس سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔
"میں تم سے اپنے رویے کی معافی مانگتا ہوں۔"
"اشہب، معافی کے بدلے معافی دے دیں، میرے ڈیڈی کو معاف......" اس نے اس کے جڑے ہاتھ تھام لیے۔
"معاف کرنے والی ذات تو اللہ کی ہے، ڈیڈی شرمندہ ہیں ازالہ چاہتے ہیں اس سے بڑھ کر میں کیا کروں کہ ان کے دیئے پرپوزل کو ایکسیپٹ کر لوں اور تمہیں خوش رکھوں اس لئے نہیں کہ وہ سب چاہتے ہیں صرف اس لئے کہ میں ایسا چاہتا ہوں، یہ سچ ہے بریقہ کے محبت کے سفر میں تم تنہا نہیں تھیں، میں تمہارے ساتھ ساتھ چلا ہوں یہ اور بات ہے کہ تم آزمائش میں کھری اتریں اور میں ناکام ہوگیا۔" وہ آزردہ ہوگیا تھا۔
"ایسے مت کہیں اشہب کہ آپ نے اپنی محبت کو ناکام ہونے دیا ہی کب، مجھے گر تکلیف دی تھی تو آپ بھی تو خوش نہیں تھے، ناکام تو جب ہوتے جب میری تکلیف آپ کو سکھ پہنچاتی۔" وہ اس کا بھاری مردانہ ہاتھ اپنے گلابی مومی ہاتھ میں تھام گئی تھی۔
"مگر اس سب کے باوجود میں تم سے شرمندہ ہوں کہ جو کیا وہ صرف تمہارے ڈیڈی کو احساس دلانے کے لئے۔"
"آئی نو اشہب اور کیا ہم ان تکلیف دہ باتوں اور وقت کو بھلا نہیں سکتے؟" وہ اس کی بات کے درمیان میں بولی اور وہ اس کو دیکھنے لگا کہ اس کے خوبصورت چہرے پر معصومیت اور سادگی کتنی بھلی لگ رہی تھی۔
"نہیں کہ تکلیف کو میں سمجھتا ہوں کہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے تا کہ خوشی کی قدر کرنا بہت سہل لگے اور خوشی کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے تا کہ تکلیف سہنا سہل لگے۔" وہ ٹھہرے ہوئے بھاری لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"اوف فلسفہ سچ اشہب یہ کتابی و فلسفیانہ باتیں میرے سر سے گزرتی ہیں، زیادہ ہی شوق ہے فلسفہ بگھارنے کا تو کبھی ڈیڈی کے ساتھ محفل جمائیے گا مجھے تو معاف ہی رکھیے۔" وہ باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ گئی تھی۔
"فلسفیانہ باتیں سر سے گزرتی ہیں، رومانوی باتوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" وہ معنی خیزی سے پوچھ رہا تھا۔
"ڈائریکٹ دل میں اترتی ہیں۔" وہ شوخی سے کہہ کر اس کو دیکھنے لگی مگر اس کی آنکھوں میں تا دیر دیکھ نہ سکی کہ شوریدہ جذبے اس کی آنکھوں میں سر اٹھاتے اس کو کنفیوز کر گئے تھے۔
"آئی لو یو بریقہ، میں نے صرف تم سے محبت کی ہے۔" وہ جھینپی بہت اچھی لگی تو بغور اس کو دیکھتا بولا تھا اور وہ حیا سے مسکرا دی تھی کہ غم کی رات کٹ گئی تھی روشن سویرا دستک دے رہا تھا اور وہ خوشی سے جس کا استقبال کرنے کو تیار تھی۔

☆☆☆

ہما عامر

"تایا جی پلیز! مان لیجے ناں۔" اس نے منت بھرا انداز اختیار کیا۔

"میرال! جو بات آپ منوانا چاہ رہی ہیں وہ ممکن نہیں ہے۔" وجاہت یزدانی اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

"آج سے پہلے آپ نے کبھی میری بات رد نہیں کی۔" انداز لاڈ سے بھرپور تھا، مگر سامنے وجاہت یزدانی تھے جو چوکس ہو کر بیٹھے تھے۔

"جی ہاں بجا کہا آپ نے، میری اسی غلطی نے آج یہ دن دکھایا ہے کہ آپ اس قدر نامناسب فرمائش لئے میرے سامنے کھڑی ہیں، آج سے پہلے آپ نے جو کہا ہم نے مانا، آپ سے پہلے ہمارے گھر کی کسی لڑکی نے کوایجولیسن میں نہیں پڑھا تھا، آپ نے کہا کہ آپ کوایجوکیشن میں پڑھنا چاہتی ہیں، میں نے آپ کی خواہش کا احترام کیا، آپ نے کہا آپ ہاسٹل میں جا کر رہیں گی، میں نے یہ بھی مانا، پر اب جو آپ چاہتی ہیں وہ نہیں ہو گا، اب براہ مہربانی مجھے ایموشنل بلیک میل کرنے سے گریز کیجئے۔" انہیں ڈر تھا کہ وہ آنسو بہانے نہ بیٹھ جائے۔

"کسی بھی طریقے سے آپ نے مجھے پریشان کرنے کی کوشش کی تو میں فوری طور پر آپ کی شادی طے کر دوں گا، اب اپنے کمرے میں جایئے۔" وہ جو چہرے پر رقت طاری کئے

مکمل ناول

کھڑی تھی، تایا جی کے آخری الفاظ سن کر اسٹڈی سے باہر نکل آئی، دل و دماغ میں جنگ سی چھڑی تھی، تایا جی نے ہمیشہ اس کی ہر فرمائش کو مقدم جانا تھا، پر اب کہ اسے جو شوق چڑھا تھا وہ ان کے لئے قابل قبول نہیں تھا، میرال راحت اشتہارات کے لئے ماڈلنگ کرنا چاہتی تھی، اس کی کلاس فیلو کے بھائی کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی تھی اور انہوں نے ہی اسے ماڈلنگ کی آفر کی تھی، تایا جی تو سنتے ہی آگ بگولہ ہو گئے تھے، ان کا مزاج برہم ہونے کی ایک علامت یہ بھی تھی کہ وہ بچوں کو آپ جناب سے مخاطب کرتے تھے اور میرال آسانی سے اپنی خواہش سے دست بردار ہو جائے ایسا پہلے ہوا نہیں تھا۔

دوسرا دن طلوع ہوا تو معلوم ہوا کہ میرال نے ناشتے کے لئے آنے سے انکار کر دیا ہے۔

''اسے کیا ہوا؟'' تائی جی حیران ہوئیں۔

''نہیں کرتی ناشتہ نہ کرے، ایک دن نہ کھانے سے فرق نہیں پڑے گا۔'' وجاہت یزدانی بے نیازی سے کہتے ہوئے دفتر سدھارے، تائی ثروت کے حلق میں نوالے پھنسنے لگے تھے۔

''تائی جی وہ دروازہ نہیں کھول رہی ہے، جب تک تایا جی اسے ماڈلنگ کی پرمیشن نہیں دیں گے، مجھے نہیں لگتا کے وہ کچھ کھائے گی۔'' زربینہ فرحت یزدانی نے پیشن گوئی کی تھی، جو غلط کیسے ثابت ہوتی، دن ڈھل گیا اور پھر دوسرا دن بھی طلوع ہو گیا، اس کے کمرے کا بند دروازہ نہ کھلا، اب تو وجاہت یزدانی اور فرحت یزدانی کو بھی تشویش ہوئی، وجاہت یزدانی نے ثروت یزدانی سے کہا کہ وہ میرال کے کمرے کا دروازہ کھلوائیں، ثروت کے کئی بار پکارنے پر اس نے دروازہ کھولا، اس کا بجھا بجھا روپ دیکھ کر ثروت کا دل رو پڑا، دو دن میں ہی وہ پوری نچڑ کر رہ گئی تھی۔

''کس قدر ضدی لڑکی ہے۔'' انہوں نے دل میں کہا اور اسے سہارا دے کر ڈائننگ ہال میں جانے لگیں، نقاہت کے مارے اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا، انہیں ڈر تھا کہ اگر انہوں نے اسے سہارا نہ دیا تو وہ گر پڑے گی، ڈائننگ ہال تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ ان کے بازوؤں میں جھول گئی تھی، ثروت نے چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کیا، مرتضی یزدانی اور فرحت یزدانی اسے گاڑی میں ڈال کر ہسپتال کے لئے روانہ ہو گئے تھے، دوسری گاڑی میں بقیہ افراد بھی ہسپتال کے لئے نکل گئے، وجاہت یزدانی جو کہ دوسری گاڑی میں بیٹھے تھے، ان کی رنگت متغیر ہو رہی تھی اور چہرے پر سوچ کی گہری لکیریں کھنچی ہوئی تھیں، وہ دل ہی دل میں خود کو ملامت کر رہے تھے، کہ اگر وہ میرال کا مطالبہ مان لیتے تو یہ سب نہ ہوتا، خدانخواستہ اگر اسے کچھ ہو گیا تو وہ اپنے مرحوم بھائی راحت اور بھابھی فرحانہ کو روز محشر کیا جواب دیں گے، ان کی اکلوتی اولاد کو وہ خوش نہیں رکھ پائے، ان ہی سوچوں میں گھرے وہ ہسپتال پہنچ گئے تھے، ڈاکٹرز نے میرال کا ٹریٹمنٹ شروع کر دیا تھا، کمزوری کے باعث اس کا بی پی لو ہو گیا تھا، آدھے گھنٹے کے بعد اسے ہوش آ گیا تھا، یہ خبر سن کر ثروت یزدانی سجدہ شکر بجا لائیں، وجاہت یزدانی نے اس کا چہرہ تھپتھپا کر اسے مژدہ جانفزا سنایا۔

''ماڈلنگ کرنا چاہتی ہو، اوکے میری طرف سے تمہیں اجازت ہے، مگر آئندہ سے ایسی کوئی حرکت مت کرنا۔'' ان کی آنکھوں میں پھر سے نمی پھیل گئی، بلاشبہ میرال، وجاہت یزدانی کی کمزوری وہ اسے اپنے اکلوتے بیٹے شیبان یزدانی سے زیادہ چاہتے تھے، اس حقیقت سے شیبان اور میرال دونوں اچھی طرح واقف تھے، وجاہت یزدانی کی سنجیدگی دیکھ کر میرال بھی جذباتی ہو گئی۔

''تایا جی آئی سوئیر! میں آپ کے بھروسے کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی، بس صرف صدف کے بھائی کی ایجنسی کے کچھ اشتہارات کرنے کے بعد چھوڑ دوں گی اور آئندہ سے آپ کو کبھی بھی تنگ نہیں کروں گی جو آپ کہیں گے مانوں گی۔'' اس نے وجاہت یزدانی کے ہاتھ تھام لئے، مسلسل بولنے سے اس کا سانس پھول گیا تھا، وجاہت یزدانی نے سر ہلایا، فرحت یزدانی بھی مسکرا دیئے، رات تک اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا، ثروت یزدانی اور عدیل اسے لئے کر گھر لوٹ آئے۔

☆☆☆

جس دن اس نے ایڈ شوٹ کروایا اس کے دوسرے دن شیبان اسلام آباد سے لوٹا تھا، نقص امن کے ڈر سے اسے کسی نے یہ بات نہیں بتائی تھی، وہ تو جب اگلے ہی ہفتے اس نے ٹی وی پر اشتہار دیکھا تو اس کے تن بدن سے شعلے لپکنے لگے تھے، وہ تن فن کرتا بابا جان کی اسٹڈی میں پہنچا جہاں وہ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔

''خیریت تو ہے۔'' وجاہت یزدانی نے اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر صورتحال کا اندازہ لگانا چاہا۔

''آپ کو کچھ پتا بھی ہے، آپ کی لاڈلی نے کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے، اب ایسے دن آ گئے کہ ہمارے خاندان کی لڑکی ٹی وی پر آ کر ٹوتھ پیسٹ اور صابن بیچے گی۔'' وہ آگ بگولہ ہو رہا تھا، وجاہت یزدانی نے طویل سانس لیا، اب وہ ساری بات سمجھ چکے تھے۔

''میرال کو شوق تھا، اس کی کلاس فیلو کے بھائی کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی ہے تو اس نے ایڈ کر لیا۔'' جوان بیٹے کے غصے کو آ گئے وہ کچھ بوکھلاہٹ کا شکار ہو جاتے تھے۔

''بابا جان وہ اپنی من مانی کرتی رہتی ہے، آپ اسے روکتے کیوں نہیں۔'' اس کا غصہ کنٹرول میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

''کول ڈاؤن یار! بس چند ایک اشتہارات کرے گی، کرنے دو، بلاوجہ اس کا دل برا ہو گا۔'' انہوں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ وہ اسے روکنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔

''ہرگز بھی نہیں، آپ اسے منع کر دیں، بلکہ رہنے دیں میں خود اس سے بات کر لوں گا۔'' وہ واپس پلٹ گیا جبکہ وجاہت یزدانی ارے...... ارے ہی کرتے رہ گئے، وہ اسی وقت میرال کے کمرے تک پہنچا لیکن وہ کمرے میں موجود نہیں تھی، اس کے اندر آگ سی دہکنے لگی۔

''آخر یہ ساڑھے پانچ فٹ کی لڑکی خود کو سمجھتی کیا ہے۔'' اس نے دانت پیس کر سوچا، بالآخر وہ اسے ٹیرس پہ دکھائی دے گئی، سیل فون کان سے لگائے، کمر ریلنگ سے ٹکائے وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی، اس کے نزدیک پہنچ کر شیبان نے سیل فون اس کے ہاتھ سے لیا اور ڈسکنکٹ کا بٹن دبا کر کال منقطع کی اور پھر اس کی جانب متوجہ ہوا، جو سیاہ آنکھوں میں حیرت بھرے اسے دیکھ رہی تھی۔

''پرابلم کیا ہے آپ کو، کیوں میری نگرانی کرتے رہتے ہیں۔'' اس کا لہجہ تند ہو گیا تھا۔

''کیا نیا تماشا شروع کر دیا ہے تم نے، کیا سمجھتی ہو تو کہ جو تمہارے جی میں آئے گا وہ کرو گی، کوئی تم سے بازپرس نہیں کرے گا تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے، جو کر چکی ہو سو کر لیا مگر اب آئندہ سے تم کسی شوٹ میں حصہ نہیں لو گی۔'' وہ سرد لہجے

میں پتھر برسا رہا تھا۔

"آپ نے مجھے سمجھا کیا ہے، مجھے شزاء سمجھنے کی غلطی مت کیجئے گا، رعب جمانے کا جس قدر شوق ہے وہ شزاء پر ہی پورا کیجئے گا، میں آپ کے رعب میں نہ پہلے آئی ہوں نہ ہی آئندہ مجھ سے ایسی کوئی امید رکھیئے گا، میں نے جو کیا ہے تایا جی کی رضا مندی سے کیا ہے، آپ کو میرے شوق کی راہ میں حائل ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔" وہ ہتھے سے اکھڑ گئی تھی پورے وجاہت ولا میں ایک وہی تو تھی جو نہ تو شیبان یزدانی سے ڈرتی تھی اور نہ ہی اس پر شیبان کا جادو اثر کرتا تھا، شیبان جو سحر طراز شخصیت کا مالک تھا اور لڑکیاں جس کی قدموں میں بچھنے کو ہمہ وقت تیار رہتی تھیں، اسی شیبان یزدانی نے شزاء عالم سے منگنی کر کے کئی لڑکیوں کو مایوس کر دیا تھا۔

"گویا تم باز نہیں آؤ گی۔" اس نے میرال کو کڑے تیوروں سے دیکھا۔

"ٹھیک سمجھے آپ، لایئے میرا سیل فون دیجئے۔" اس نے آگے بڑھ کر شیبان سے اپنا سیل فون لیا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی، جبکہ وہ کافی دیر تک ٹیرس پہ چکر کاٹتے ہوئے کچھ سوچتا رہا، یہ تو طے تھا کہ وہ میرال کو مزید من مانی نہیں کرنے دے گا۔

☆☆☆

"آج شزاء آپی آئی تھیں۔" زربینہ نے کیوٹکس لگاتے ہوئے اطلاع بہم پہنچائی۔

"خوب پھر تو شیبان بھائی وہاں سے ہلے نہیں ہوں گے۔" اس نے میگ پر سے نظر ہٹا کر زری کو دیکھا۔

"کہاں یار! وہ تو روم سے باہر ہی نہیں آئے تائی جی نے چائے کے لئے بھی بلوایا تھا تو انہوں نے کام کا بہانہ کر کے چائے روم میں ہی منگوالی، یار مجھے تو گڑبڑ لگتی ہے۔" وہ دونوں رات کے کھانے کے بعد میرال کے اور اپنے مشترکہ روم میں بیٹھی تھیں۔

"مثلاً کیسی گڑبڑ؟" میرال نے میگ بند کر کے سائیڈ پر کیا۔

"شزاء آپی تو پہلے کی طرح اب بھی ہمارے گھر پر آتی ہیں، لیکن شیبان بھائی پہلے کی طرح ان سے باتیں نہیں کرتے، حالانکہ یہ منگنی ان کی پسند سے ہوئی ہے، تمہیں یاد ہے تائی جی ان دنوں کتنی ڈپریس تھیں جن دنوں شیبان بھائی نے شزاء آپی سے منگنی کا شوشا چھوڑا تھا، میں نے خود انہیں تایا جی سے کہتے سنا تھا کہ وہ شیبان بھائی کی منگنی خاندان میں کرنا چاہتی تھیں، شزاء آپی تایا جی کی عزیز دوست کی بیٹی ہیں، لیکن ہمارے خاندان سے تو نہیں ہیں، عجیب لگتا ہے شیبان بھائی ایسا کیوں کر رہے ہیں۔" زربینہ پھونکیں مار کر کیوٹکس سکھانے لگی۔

"وہ ہمیں بیوقوف بنا رہے ہیں، ان کی ملاقات ہو جاتی ہو گی اور پھر شزاء ان کے نام ہو ہی گئی ہیں۔" میرال نے اپنے خیال کا اظہار کیا تو زری کو اثبات میں سر ہلاتے ہی بنی حالانکہ اس کا دل یہ بات ماننے سے قاصر تھا، اسے تمام جزئیات کے ساتھ یاد تھا کہ چھ ماہ احمر بھائی کے امریکہ جانے سے پہلے اکثر و بیشتر وجاہت ولا میں محفلیں بجتی تھیں، جن کی رونق احمر، شزاء اور شیبان کے دم سے ہی تھیں، احمر کے والد سعید احمد، شزاء کے پاپا فخر عالم اور تایا جی کالج کے زمانے کے دوست تھے اور ان کی دوستی ان کی اولادوں میں منتقل ہو گئی تھی، یہی دوستی تھی جس کی وجہ سے شیبان، احمر اور شزاء نے ایک ہی کالج اور پھر ایک ہی یونیورسٹی سے پڑھا تھا، تینوں میں گہری والی دوستی تھی۔

کمرے سے باہر نکل گئی، جبکہ میرال سیل فون پر صدف کے بھائی جبران حیدر کا نمبر ملانے لگی جو کہ مسلسل بند جا رہا تھا۔

"کل مجھے خود ہی جانا پڑے گا۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی اور پھر سیل فون ایک جانب رکھ کر ٹی وی کا ریموٹ اٹھا لیا۔

☆☆☆

وہ برآمدے میں جلے پیر کی بلی کی طرح یہاں سے وہاں گھوم رہی تھی، جب پیر درد کرنے لگے تو وہ ٹی وی لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی، یہاں سے گلاس وال کے ذریعے مین گیٹ صاف نظر آ رہا تھا، وہ بے چینی سے شیبان کی منتظر تھی، لیکن وہ آج لیٹ ہو گیا تھا، اس نے اٹھ کر ریفریجریٹر سے سیب نکالا اور دانتوں سے کترنے لگی۔

"کس کا انتظار کر رہی ہو میرال۔" تائی جی کہیں جانے کے لئے تیار تھیں۔

"شیبان بھائی سے کام تھا ان کا ہی انتظار کر رہی ہوں۔" اس نے نظر چرا کر کہا۔

"وہ تو آج لیٹ آئے گا صبح ہی بتا دیا تھا اس نے۔" تائی جی اسے بتا کر پورٹیکو کی جانب بڑھ گئیں، جبکہ میرال بیزار سی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، زربینہ اپنی خالہ کی طرف گئی ہوئی تھی، مرتضیٰ اپنے دوست کی شادی کے سلسلے میں میرپور گیا ہوا تھا، جبکہ عدیل کمبائن اسٹڈی کے لئے دوست کے گھر پر گیا ہوا تھا، وہ بھی کمبل تان کر لیٹ گئی، نجانے کب اسے نیند آئی آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا، اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔

"او گاڈ مغرب کا وقت نکل گیا۔" اس نے وضو کر کے قضا نماز ادا کی اور بالوں میں برش پھیر کر کمرے سے باہر نکل آئی، لاؤنج میں تایا جی وہ نیچے جانے لگی تھی کہ اس کی نظر شیبان کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے پہ پڑی اور وہ اس جانب آ گئی، اس کی دستک کے جواب میں شیبان کی بھاری دلکش آواز سنائی دی۔

"یس کم ان۔" اس نے قدم بڑھائے اور اندر داخل ہو گئی، شیبان ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا بالوں میں برش کر رہا تھا اس کے بالوں کی نمی بتا رہی تھی کہ وہ کچھ دیر پہلے ہی نہا کر نکلا ہے، بلیک ٹراؤزر اور بلیک ہی بنیان میں اس کا دراز قد نمایاں لگ رہا تھا، آئینے میں اس کی نظر میرال پر پڑی تو دل میں خوشگوار احساس جاگا تھا، تھکن کا احساس زائل ہو گیا، دل میں لطیف سے جذبات انگڑائی لے کر بیدار ہونے لگے لیکن اس نے بے دردی سے تھپک کر انہیں سلا دیا، احمر اس پر جو ذمہ داری عائد کر کے گیا تھا اس کے پورا ہونے تک اسے اپنے جذبات پر قابو رکھنا تھا، وہ مڑ کر فرصت سے اس کی جانب متوجہ ہوا، اس وقت میرال کی آمد کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔

"آپ جبران حیدر سے ملے تھے؟" وہ کڑے تیور لئے پوچھ رہی تھی۔

"کون جبران حیدر؟" اس نے تجاہل برتا۔

"وہی جبران حیدر جس کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے ساتھ میں نے ایڈ کیا تھا، جبران حیدر نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے مزید کام کے لئے عنقریب بلائیں گے، لیکن آج جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مزید کام دینے سے انکار کر دیا، آپ نے ان کے آفس میں جا کر انہیں دھمکایا ہے کہ اگر انہوں نے مجھے مزید کام دیا تو آپ ان کا لائسنس ضبط کروا لیں گے۔" وہ نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔

"پھر اب کیا چاہتی ہو مجھ سے؟" اس نے

میرال کی آنکھوں کو بغور دیکھا جو سونے کے باعث گلابی ہو کر مزید قاتل لگ رہی تھیں۔

''آپ مجھے سکون سے جینے کیوں نہیں دیتے۔'' وہ شیبان کا سکون دیکھ کر چیخ گئی۔

''میں یہی تو چاہتا ہوں کہ تم سکون سے جیو۔'' اسی کا سکون قابل دید تھا۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اگر جبران حیدر مجھے کام نہیں دے گا تو مجھے کہیں اور کام نہیں ملے گا۔''

''جس کسی کے ساتھ بھی کم کرو گی اس کا جبران جیسا ہی حال ہوگا، بہتر ہے کہ اپنے آپ میں رہو۔'' اسی کے سکون کا شیشہ چٹخ گیا تھا۔

''اگر میں آپ کی بات نہ مانوں تو؟'' وہ ایک قدم آگے بڑھی اور تن کر اس کے سامنے کھڑی ہوگئی، جبکہ وہ اس کی رعنائیوں سے نظر چرا کر مڑا اور وارڈ روب سے شرٹ نکالنے لگا۔

''مجھے اپنی بات منوانا آتا ہے، اب جاؤ یہاں سے مجھے آرام کرنا ہے۔'' وہ اب بھی اس کی جانب سے رخ موڑے شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔

''دیکھ لوں گی میں آپ کو بھی۔'' وہ چڑ کر کہتی ہوئی چلی گئی، شیبان جانتا تھا کہ وہ اب دوبارہ ماڈلنگ کا نام بھی نہیں لے گی، اپنی ذاتی خواہش کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف دینا اس کی فطرت نہیں تھی۔

☆☆☆

وجاہت ولا میں ان تینوں بھائیوں کا اماں جی کے ساتھ بسیرا تھا، وجاہت یزدانی سب سے بڑے تھے، وجاہت اور ثروت کو قدرت نے شیبان جیسی دولت سے نوازا تھا، اماں بی کا لاڈلا پوتا تھا وہ، وجاہت سے چھوٹے راحت یزدانی تھے، ان کی شادی ثروت کی چھوٹی بہن فرحانہ سے ہوئی تھی، یہ دونوں بہنیں اماں بی کی بھانجیاں تھیں، راحت کے دو بیٹے تھے، حارث جو کہ شیبان کا ہم عمر تھا اور چھوٹی میرال جو کہ ان دنوں چھ ماہ کی تھی، جبکہ شیبان اور حارث ڈھائی سال کے تھے، دونوں بھائیوں سے چھوٹے فرحت یزدانی تھے جنہوں نے اپنی کلاس فیلو سے شادی کی تھی، ان کے بھی دو بچے تھے، مرتضیٰ پہلوٹی کے تھے جبکہ زربینہ جو کہ صرف ایک ماہ کی تھی، وجاہت ولا میں ہمہ وقت خوشیاں رقصاں ہوتی تھیں، کہ جانے کس کی بری نظر لگ گئی، اماں بی یعنی نور بانو بیگم کے آشیانے کو، حارث کو بخار تھا راحت اور فرحانہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے تھے، کہ واپسی میں راحت کی کار حادثے کا شکار ہوگئی، فرحانہ اور حارث وقوعہ پر ہی جل بسے جبکہ راحت کو شدید زخمی حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا تھا، ان کی حالت نازک تھی، ڈاکٹرز ان کی زندگی کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے، آخری سانسیں لینے سے پہلے انہوں نے بڑی امید بھری نظروں سے بڑے بھائی وجاہت کو دیکھا اور ٹوٹتے ہوئے لفظوں میں گویا ہوئے۔

''بھائی میری میرال کا خیال رکھیے گا۔''

فرحانہ اور حارث کو وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتا دیکھ چکے تھے، سو اب میرال کے لئے متردد تھے، وجاہت نے نم آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا تھا، فرحانہ، راحت اور حارث کے جسد خاکی ایمبولینس سے اترتے دیکھ کر اماں بی جو دل تھام کر بیٹھیں تو پھر اٹھ نہ سکیں، وجاہت ولا سے ایک ہی دن چار جنازے نکلے تھے، ہر آنکھ اشکبار تھی، میرال بے خبر تھی کہ اس پر کیا قیامت بیت گئی ہے، ثروت نے از خود میرال کی ذمہ داری سنبھال لی تھی، وقت اپنی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا، بچے بڑے ہو رہے تھے، زربینہ دو سال کی تھی جب عظمیٰ نے عدیل کو جنم دیا، ایک عرصے کے بعد وجاہت ولا میں خوشی کی لہر دوڑی تھی، رفتہ رفتہ وجاہت ولا بچوں کی کھلکھلاہٹوں سے گونجنے لگا، پرانے زخموں پر کھرنڈ جم گئی تھی، عدیل کے میٹرک کے ایگزامز کے بعد عظمیٰ کو جگر کی تکلیف ہونے لگی، ڈاکٹر کی تشخیص کے مطابق انہیں ہیپاٹائٹس سی تھا، وجاہت ولا پر پھر سے غم کے بادل چھائے تھے، چھ ماہ بعد ہی عظمیٰ اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں، ثروت نے پھر سے دامن وسیع کیا اور عظمیٰ کے تینوں بچوں کو اپنی ممتا کی چھاؤں میں لے لیا، فرحت اپنی بڑی بھابھی کے مشکور تھے، وقت گزرتا رہا شیبان سی اے کرنے کے بعد ایک اچھی پوسٹ پر فائز تھا، جبکہ مرتضیٰ ایم بی بی ایس کر چکا تھا اور اب اسپیشلائزیشن کے لئے انگلینڈ جانے کے لئے پر تول رہا تھا، میرال بی اے آنرز کے بعد فارغ تھی، زربینہ بی ایس سی کر رہی تھی، جبکہ عدیل ایف ایس سی کر رہا تھا، ثروت خدا کی شکر گزار تھیں کہ جس نے انہیں ہمت عطا کی کہ وہ اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے پورا کر پائی تھیں، ان دنوں ان پر مرتضیٰ کی منگنی کا بھوت سوار تھا، وہ چاہ رہی تھیں کہ باہر جانے سے پہلے وہ منگنی کر کے جائے، فرحت یزدانی بھی ان کے ہمنوا تھے، سو وہ تندہی سے لڑکی تلاش کر رہی تھیں۔

☆☆☆

وجاہت یزدانی کی طبیعت کچھ ناساز تھی، فرحت یزدانی کسی میٹنگ کے سلسلے میں شہر سے باہر تھے، سو شیبان اپنے آفس سے نکلنے کے بعد یزدانی انڈسٹریز کے دفتر چلا گیا تھا گھر واپسی میں اسے معمول سے زیادہ دیر ہوگئی تھی، گھر کے لاؤنج میں عالیہ آنٹی کو دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی، ان کے ساتھ فضا اور ریبا بھی آئی تھیں۔

''احمر کے جانے کے بعد تو تم نے آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔'' عالیہ آنٹی نے گلہ کیا تو وہ مسکرا کر گویا ہوا۔

''بلیو می آنٹی! میں آپ کی طرف آنے کا سوچ ہی رہا تھا، اچھا ہی ہوا کہ آپ سے ملاقات ہوگئی۔''

''آج ریبا نے کالج سے آ کر وجاہت بھائی کی طبیعت کا بتایا تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔'' ریبا اور عدیل ایک ہی کالج میں زیر تعلیم تھے، اس وقت ریبا اور فضا لان میں زری اور میرال کے ساتھ بیٹھی گپیں ہانک رہی تھیں۔

''شیبان بیٹا تم سے ایک کام بھی تھا۔'' عالیہ آنٹی نے جھجک کر کہا۔

''جی آنٹی کہیے؟''

''فضا کے لئے ایک رشتہ آیا ہوا ہے، تم تو جانتے ہو کہ احمر ہماری فیملی کا واحد مرد ہے اور امریکہ چلا گیا ہے، اب مجھے لڑکے کے بارے میں معلومات کروانی ہیں۔'' انہوں نے اپنے بیگ سے ایک کارڈ نکال کر شیبان کو تھمایا جس پر لڑکے کے کوائف درج تھے، شیبان نے وہ کارڈ احتیاط سے رکھ لیا، ثروت نے عالیہ اور ان کی بیٹیوں کو رات کے کھانے پر روک لیا تھا کھانے کے بعد عدیل انہیں ڈراپ کرنے گیا تھا۔

☆☆☆

لیپ ٹاپ بند کر کے اس نے سگریٹ سلگایا اور بالکونی میں آ گیا، احمر کا رکھا آدھا بوجھ آج اس کے کندھوں سے سرکتا محسوس ہو رہا تھا، فضا کا رشتہ طے ہو گیا تھا، اسے اب اپنے خوابوں کے اجڑنے کا ڈر نہیں تھا، احمر جو ذمہ داری شہزاد کی صورت اس پر ڈال گیا تھا وہ اسے خوش اسلوبی سے نبھانا چاہتا تھا، پر شاید اس سے کہیں کسر رہ گئی تھی جو زربینہ جیسی لڑکی اس کے اور شہزاد کے درمیان بندھے رشتے کو لے کر شکوک و شبہات کا

شکار ہوگئی تھی، وہ سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے ماضی کے دھندلکوں میں کھو گیا۔

اس روز احمر نے اسے کال کر کے پارک میں بلایا تھا، جب وہ وہاں پہنچا تو احمر اور شزاء پہلے ہی موجود تھے۔

''تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے۔'' اس نے شزاء سے پوچھا۔

''احمر امریکہ جا رہا ہے۔'' وہ منہ پھلا کر بولی۔

''ہاں تو اس میں نیا کیا ہے، احمر کافی عرصے سے کوششوں میں لگا ہوا ہے۔'' وہ بھی گھاس پر ان دونوں کے نزدیک بیٹھ گیا۔

''شزاء کا پرپوزل آیا ہے، صالحہ آنٹی کی کزن کا بیٹا ہے، انکل آنٹی دونوں راضی ہیں اور انہوں نے شزاء سے رائے پوچھی ہے۔'' احمر نے تفصیل سے بتایا اس کے لہجے سے تفکر جھانک رہا تھا۔

''اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، شزاء تم انکار کر دو۔'' وہ عام سے لہجے میں بولا۔

''کب تک انکار کروں گی، احمر کو طویل عرصہ بھی لگ سکتا ہے، پڑھائی بھی کرے گا اور جاب بھی میں گھر والوں کو کب تک ٹالتی رہوں گی، میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' شزاء نے سر تھام لیا، جبکہ احمر مسلسل گھاس نوچ رہا تھا۔

''ڈونٹ وری یار کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔'' اس نے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''کچھ بھی تو نظر نہیں آ رہا مایوسی ہی مایوسی ہے، اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے، یہاں رہ کر بھی کچھ حاصل نہیں کر سکتا، امی کی تنخواہ کا اچھا خاصا حصہ مقدمے کے چکر میں نکل جاتا ہے، فیصلہ ہو کے نہیں دے رہا، فضا کا اب تک رشتہ طے نہیں ہوا وہ مجھ سے بڑی ہے، ایسے میں کس منہ سے میں امی سے اپنے رشتے کی بات کروں۔'' وہ سخت دلگرفتہ تھا، اس کے والد کی وفات کے بعد ان کے کاروبار پر ان کے پارٹنر نے قبضہ کر لیا تھا، احمر نے ان کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا، جس کا اب تک فیصلہ نہیں ہوا تھا، اس کی والدہ کالج میں لیکچرار تھیں ان کی تنخواہ سے گھر چل رہا تھا۔

''تمہیں چاچو نے اپنے آفس میں جاب آفر کی تھی لیکن تم نے انکار کر دیا، یہاں موجود رہتے تو شاید کوئی حل نکل ہی آتا۔'' شیبان کو اس کا ان حالات میں بیرون ملک جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''امریکہ جا کر میں مزید اسٹڈیز کے ساتھ جاب کروں گا، واپس آ کر اپنا چھوٹا موٹا بزنس شروع کر لوں گا۔'' احمر نے اپنا پلان شیبان کے گوش گزار کیا۔

''شزاء اس کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟'' شیبان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''میرے پاس ایک حل ہے۔'' ایک دم احمر کا چہرہ جوش سے تمتمانے لگا، شیبان نے چونک کر پوچھا جبکہ شزاء مسلسل سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''تم شزاء سے منگنی کر لو۔'' وہ بے حد رسان سے بولا تھا۔

''کیا بکواس ہے یہ۔'' اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا، شزاء کو اس نے ہمیشہ احمر کے حوالے سے دیکھا تھا، وہ ان دونوں کے دل میں پنپتے جذبات کا گواہ تھا، ان دونوں کی ایک دوسرے کے لئے شدتوں سے واقف تھا، اس کے لئے تو ایسا سوچنا بھی محال تھا، جبکہ خود اس کا دل انجانے میں نک چڑھی سی میرال کا اسیر ہو چکا تھا، اس کی دھڑکنیں صبح و شام میرال کے نام کی تسبیح کیا کرتی تھیں، ایسے میں وہ شزاء کو خود سے منسوب کر کے اپنے جذبوں کی توہین نہیں کر سکتا تھا۔

''میرے واپس آنے تک بس، یار تم میری مدد نہیں کرو گے تو میں کس کے پاس جا کر فریاد کروں۔'' احمر نے اس کے ہاتھ تھام لئے، شزاء پہلی والی پوزیشن میں بیٹھی تھی، غالباً احمر اسے پہلے ہی آگاہ کر چکا تھا۔

''احمر! منگنی کھیل یا مذاق نہیں ہوتی ہے اور پھر جب رشتہ ختم کروں گا تو اپنے گھر والوں کو کیا وجہ بتاؤں گا۔'' اس نے خود کو سنبھالا، بلکہ احمر کے جذباتی جملوں نے اسے سنبھلنے میں مدد دی۔

''وہ سب شزاء کی ذمہ داری ہے تم پر یا تمہاری فیملی پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔'' احمر نے کہا۔

''تم دونوں اس موضوع پر آپس میں بات کر چکے ہو۔'' وہ شاکی لہجے میں بولا۔

''تو کیا کریں کوئی حل جو نظر نہیں آ رہا۔'' احمر بے چارگی سے بولا۔

''مجھے سوچنے کے لئے کچھ وقت درکار ہے۔'' وہ شاید الجھن میں گرفتار ہو چکا تھا، نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

''کتنا وقت لو گے، ایک ہفتے کے بعد میری فلائٹ ہے، مجھے وہاں کی ایک کمپنی میں جاب مل گئی ہے، میں چاہتا ہوں کہ میرے جانے سے پہلے تمام معاملات طے ہو جائیں۔'' احمر نے کھل کر کہا، جبکہ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ جواب میں کیا کہے۔

''ٹھیک ہے اگر تم میری مدد نہیں کرنا چاہتے تو نہ سہی۔'' احمر نے مایوسی سے کہا۔

''میں تمہیں کل سوچ کر جواب دوں گا، اس وقت مجھے ایک کام سے جانا ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا دونوں میں سے کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی البتہ شزاء نے سر اٹھا کر اسے دیکھنے کی جسارت ضرور کی تھی، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا پارک کے گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔

کچھ دیر پہلے اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا، سب کچھ اپنی دسترس میں لگ رہا تھا، سارے خواب ساری منزلیں اور اس وقت ایسا لگ رہا تھا، کہ جیسے اس کا وجود کٹی پتنگ ہے جو ہوا کے زور سے ادھر ادھر ڈولتی پھر رہی ہے، احمر اور شزاء آج بھی پہلے سے موجود تھے، رات بھر اس نے خوب سوچا تھا، جب ہی تو اس کی ڈارک براؤن آنکھوں میں گلابی ڈورے تیر رہے تھے۔

''پھر کیا سوچا تم نے؟'' احمر بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔

''میں تیار ہوں، کوشش کروں گا کہ آج ہی امی سے بات کر لوں۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولا۔

اس کے لبوں سے نکلے الفاظ احمر اور شزاء کے لئے مژدہ جانفزا ثابت ہوئے تھے، بالخصوص احمر تو کھل اٹھا تھا۔

''مجھے تمہاری دوستی پر ناز ہے، مجھے یقین تھا کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔'' وہ پر جوش لہجے میں بولا تو شیبان دھیرے سے مسکرا دیا، وہ دوستی کی کسوٹی پر کھرا اترا تھا۔

''تم کیوں منہ سیے بیٹھی ہو۔'' احمر نے شزاء کو ٹہوکا دیا۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ کیا ثروت آنٹی مان جائیں گی، اس رشتے کے لئے، مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ شیبان کے لئے میرال کو پسند کرتی ہیں۔'' شزاء کے آخری الفاظ سن کر شیبان کے دل سے کراہ بلند ہوئی تھی۔

''میں انہیں منا لوں گا۔'' اس نے ان دونوں کو یقین دلایا اور کچھ دیر کے بعد وہ گھر چلا آیا، ثروت کی کمرے میں موجودگی کا یقین کر کے وہ ان کے کمرے میں چلا آیا تھا اور پھر وہی ہوا

شزاء سے اس کی پسندیدگی کا سن کر وہ خفا ہو گئیں، وہ میرال کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں، چاہتا تو وہ بھی یہی تھا کہ میرال اس کے ہم سفر بنے پر شزاء اور احمر کی دوستی نے اسے آزمائش میں ڈال دیا تھا، بالآخر اس نے ثروت کو منا کر ہی دم لیا تھا، دو روز بعد ہی ثروت اور وجاہت یزدانی، شزاء کے گھر رشتہ لے کر گئے تھے، وہاں سے اثبات میں جواب ملتے ہی شزاء کے گھر پھر ہی منگنی کی رسم ادا کر دی گئی تھی، جس میں دونوں طرف کے قریبی عزیزوں نے شرکت کی تھی، منگنی کے دوسرے دن ہی احمر فلائی کر گیا تھا، اب اکثر شیبان اور شزاء کی انٹرنیٹ کے ذریعے اس سے بات چیت ہو جایا کرتی تھی، شیبان نے ایک طویل سانس لے کر آسمان پر نگاہ ڈالی جہاں چودھویں کا چاند جگمگا رہا تھا، وہ بے سبب چاند کو دیکھنے لگا، کمرے میں آہٹ محسوس ہوئی تو اس نے مڑ کر دیکھا، زرینہ تھی جو عادتاً سونے سے پہلے اس کے کمرے میں دودھ کا گلاس رکھنے آئی تھی، نظر ملنے پر وہ مسکرائی تھی، مگر وہ جانے کس خیالوں میں تھا کہ جواباً مسکرا بھی نہ سکا، وہ اس کی کیفیت سمجھ گئی تھی، جب ہی بنا کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

مرتضیٰ نے موقع ملتے ہی تائی جی کو اپنی پسند سے آگاہ کر دیا، اس کی پسند سے واقف ہوتے ہی تائی جی، شیبان کو لے کر مرتضیٰ کے ماموں کے گھر پہنچ گئیں اور ان کی بیٹی ثناء کے لئے دست سوال دراز کر دیا، مرتضیٰ کے ماموں دلاور کی تو یہ دلی تمنا تھی، سو دونوں جانب منگنی کی تیاریاں ہونے لگیں، میرال اور زری بھی بہت پرجوش تھیں، شیبان کی منگنی پر وہ دونوں زیادہ ہلا گلا نہیں کر پائی تھیں، مگر اب کہ ایسا نہیں تھا، منگنی سے ایک دن پہلے انہوں نے ڈھولک رکھی تھی، زری اور میرال دونوں کی سہیلیاں آئی ہوئی [illegible] نے شزاء کو بھی بلایا تھا، فضا، لائبہ کسی وجہ سے آ نہیں سکی تھیں، زری ڈھولک بجا رہی تھی اور وہ سب اس کے گرد بیٹھی تالیاں پیٹ پیٹ کر گا رہی تھیں۔

کبھی پائل باجے چھن
کبھی پائل باجے چھن
شہنائی کی دھن پر کس نے چھیڑا ایسا راگ
آگ لگا دی آج
آگ لگا دی آج

عدیل بھی لڑکیوں کے درمیان بیٹھا مزے کر رہا تھا، البتہ شیبان اور مرتضیٰ وہاں نہیں تھے، تائی ثروت سب کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر کھلے جا رہی تھیں، میرال کی سہیلیوں عروہ اور ثمرہ کو ان کا بھائی لینے آ گیا تھا، میرال انہیں گیٹ تک چھوڑنے کے لئے باہر نکلی تھی۔

''یہ ہیرو کون ہے؟'' عروہ نے روش سے گزرتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی تو اس نے عروہ کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا، پام کے درخت سے ٹیک لگائے وہ اپنی مسحور کن شخصیت سمیت موجود تھا ایک ہاتھ میں سلگتا ہوا سگریٹ تھا اور دوسرے ہاتھ میں موجود موبائل کان سے لگائے وہ کسی سے محو گفتگو تھا، ایک اچٹتی ہوئی نظر اس نے ان تینوں پر ڈالی تھی۔

''تائی ثروت کے بیٹے ہیں۔'' اس نے روکھے لہجے میں بتایا، اس کی شیبان سے خود ساختہ ناراضگی اب تک برقرار تھی۔

''اپنی سیٹنگ کرے یار بہت چارمنگ ہے۔'' ثمرہ نے آہ بھر کر کہا۔

''شٹ اپ وہ انگیجڈ ہے، شزاء سے اس کی منگنی ہوئی ہے۔'' اس نے ثمرہ کو جھڑکا، باتوں کے دوران وہ گیٹ تک پہنچ چکی تھیں، ان دونوں

کو خدا حافظ کہہ کر وہ پلٹی، شیبان موبائل بند کر چکا تھا پر اب بھی اس پوزیشن میں کھڑا تھا، جونہی میرال اس کے قریب سے گزری وہ پکار بیٹھا۔

''میرال ایک کپ چائے بنا دو، ود آؤٹ شوگر۔'' میرال نے ایک نظر شیبان کو دیکھا اور سر ہلا کر اندر کی جانب بڑھ گئی، ناراضگی اپنی جگہ پر مگر وہ اتنی بدلحاظ نہیں تھی کہ اسے چائے دینے سے انکار کر دیتی، زری کسی کام سے کچن میں آئی تو اسے چائے بناتے دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''شیبان کے لئے چائے بنا رہی ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''چینی تو ڈالو۔'' اس نے حیرت سے کہا۔

''انہوں نے ود آؤٹ شوگر کہا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''لیکن شیبان بھائی تو میٹھی چائے پیتے ہیں۔''

''ہاں مگر انہوں نے خود کہا ہے بغیر چینی کی چائے لانے کے لئے۔'' اس نے عام سے لہجے میں بتایا اور زرینہ اسے بغور دیکھتی ہوئی باہر نکل گئی، وہ چائے کا کپ لے کر لان میں آئی تو شیبان اب سنگی بینچ پر بیٹھا تھا۔

''چائے۔'' اس نے مگ شیبان کی جانب بڑھایا جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا، وہ واپس پلٹنے لگی کہ وہ پکار بیٹھا۔

''تم اس بات کو لے کر اب تک خفا ہو۔''

''آپ نے جبران حیدر کی اتنی انسلٹ کی، انہیں ڈرایا دھمکایا، مجھے صدف سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا، اگر مجھے تایا جی کی محبت کا خیال نہ ہوتا تو آپ سے بدلہ ضرور لیتی۔'' اس نے بھڑاس نکالی۔

''مثلاً کیا کرتیں؟'' شیبان کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ ابھر آئی۔

''مثلاً۔'' اس نے ایک پل کو [illegible]

''میں شزاء کو آپ سے بدگمان کر دیتا۔''

اس کی بات سن کر شیبان نے اسے چونک کر دیکھا۔

''اس سے کیا ہوتا؟'' شیبان نے پوچھا۔

''آپ دکھی ہو جاتے۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

''تمہیں پورا یقین ہے کہ تمہارے ایسا کرنے سے میں دکھی ہو جاتا۔'' اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے اسے بغور دیکھا جو گلابی کپڑوں میں ملبوس تھی۔

''میرال اندر آؤ لائبہ کی کال آئی ہے۔'' ثروت نے کھڑکی میں سے اسے پکارا۔

''آئی تائی جی!'' وہ شیبان کو [illegible] بنا اندر لپکی، جبکہ شیبان چائے کے سپ لیتا ہوا کچھ سوچنے لگا۔

☆☆☆

مرتضیٰ سمیت تمام لوگ ثناء کے گھر جانے کے لئے تیار بیٹھے تھے، بس میرال اور زرینہ ہی تھیں جن کی تیاری ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی، دونوں کے کپڑوں ڈیزائننگ زرینہ نے کی تھی اور دونوں ہی بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔

''تم دونوں کو مزید کتنی دیر لگے گی۔'' تائی جی دروازے میں کھڑی دونوں کو دیکھ رہی تھیں، زرینہ کلائی میں چوڑیاں ڈال رہی تھی، جبکہ میرال آئینے کے سامنے کھڑی بال [illegible] بنانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔

''بس تائی جی تھوڑی دیر اور لگے گی۔'' زرینہ نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''تمہارے تایا جی کہہ رہے ہیں کہ تم دونوں عدیل کے ساتھ آ جانا ہم لوگ نکلتے ہیں، پہلے ہی

دیر ہو چکی ہے۔" تائی جی کہہ کر پلٹ گئیں، ان دونوں کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے، زربینہ کی تیاری مکمل ہو چکی تھی، سو میرال نے بھی اپنے لیئرز کٹ بال کھلے ہی رہنے دیئے اور دوپٹہ سنبھالتی ہوئی زری کے ساتھ باہر نکلی پورچ میں جھنجھلایا ہوا عدیل ان کا انتظار کر رہا تھا، وہ تینوں جب ثناء کے گھر پہنچے تو شزاء بھی اپنی ماما کے ساتھ آ چکی تھی، اس وقت وہ فضا کے پاس کھڑی رشتہ طے ہونے کی مبارکباد دے رہی تھی، لیکن شیبان کی توجہ کا مرکز سیاہ آنکھوں والی میرال تھی جس نے ڈیپ کلر اسٹائلش سوٹ زیب تن کر رکھا تھا، کوئی اور بھی تھا جو آنکھوں کے ذریعے اس کے عکس کو دل میں اتار رہا تھا اور وہ تھا ثناء کا خالہ زاد افنان جو ناروے سے چھٹیاں گزارنے پاکستان آیا تھا، رسم شروع ہو رہی تھی، پیچ کلر کے سوٹ میں سنگھار کیے ثناء بہت پیاری لگ رہی تھی، کم تو مرتضٰی بھی نہیں لگ رہا تھا، گرے شلوار سوٹ اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہا تھا، کرتے کے گریبان پر نفیس کام بنا ہوا تھا، عدیل تقریب کی کارروائی کو اپنے کیمرے میں محفوظ کر رہا تھا، انگوٹھیوں کے تبادلے کے بعد تائی جی نے دونوں کو مٹھائی کھلائی، جبکہ میرال نے ثناء کو منگنی کا دوپٹہ اوڑھایا اور زری نے پھولوں کا زیور پہنایا، رات گئے تقریب اختتام پذیر ہوئی، چودھویں کے چاند کی چاندنی نے سارا لان روشن کر دیا تھا، جہاں تقریب کا انتظام کیا گیا گھر پہنچ کر تائی ثروت نے دونوں لڑکیوں کو حکم دیا کہ سونے سے پہلے لاؤنج اور کچن سمیٹ لیں، تھکن کے باوجود کپڑے بدل کر دونوں کام میں لگ گئیں، فارغ ہو کر زری نے کافی بنائی اور کمرے میں لے کر آ گئی۔

"سونا نہیں ہے۔" میرال نے کافی کے دو مگ دیکھ کر پوچھا۔

"صبح سنڈے ہے، دیر سے اٹھیں گے۔" زری اس کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

"ثناء اور بھائی کتنے خوش لگ رہے تھے نہ۔" میرال نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے مسکرا کر زری کو دیکھا، جو کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"مجھے تو کچھ گڑبڑ لگتی ہے۔" زری نے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"کیسی گڑبڑ؟" میرال نے چونک کر پوچھا۔

"میرال میری بات سن کر غصہ مت کرنا، میں بہت دنوں سے نوٹ کر رہی ہوں۔"

"اب بول بھی چکو، کیا کہنا چاہ رہی ہو۔" اس کا انداز میرال کو جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے شیبان بھائی تم سے محبت کرتے ہیں۔" اپنے تئیں اس نے دھماکا کیا تھا، لیکن میرال اس کی بات سن کر بے ساختہ ہنسنے لگی، ہنستے ہنستے اس کی گہری سیاہ آنکھوں سے پانی بہنے لگا، زربینہ اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"تم کیا بکواس ہے میرال میں نے کوئی لطیفہ نہیں سنایا۔" وہ چیخ کر بولی۔

"بات لطیفے سے کم بھی نہیں ہے، تم کہہ رہی ہو شیبان کو مجھ سے محبت ہے، لیکن انہوں نے تائی جی کو مجبور کیا کہ وہ شزاء سے منگنی کریں گے اور کر بھی لی، جبکہ میرے تو ہر کام میں روڑے اٹکانا ان کی عادت ہے، مجھے جب کو ایجوکیشن میں پڑھنا تھا تب بھی انہوں نے تایا جی کو بھڑکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" میرال گزرے دنوں کو یاد کر کے بولی۔

"میں نہیں جانتی کہ انہوں نے شزاء سے کیوں منگنی کی، لیکن ان کی آنکھوں میں تمہارے لئے جتنی محبت نظر آتی ہے، شزاء کے لئے اتنی ہی بے گانگی دکھائی دیتی ہے، جیسے شزاء سے کوئی رشتہ ہی نہ ہو دوستی کا نہ محبت کا۔" زربینہ نے تجزیہ کیا جس سے میرال کو ہرگز اتفاق نہیں تھا۔

"یہ صرف تمہارا وہم ہے اور کچھ بھی نہیں۔" میرال نے خالی مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ہاتھ جھاڑے۔

"میں پتا ضرور لگاؤں گی، ایسا کیوں ہوا، محبت تم سے اور منگنی شزاء سے۔" زربینہ نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

"او کے عظیم جاسوسہ جب نتیجے پر پہنچ جاؤ تو مجھے بھی بتانا، اب اگر تمہاری اجازت ہو تو ہم سو جائیں۔"

"تم سو جاؤ مجھے تو نیند نہیں آ رہی۔" وہ کافی کے خالی مگ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی، جبکہ میرال چادر تان کر لیٹ گئی، زربینہ کی بات کو اس نے مذاق سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔

☆☆☆

ایک ہفتہ بڑی تیزی سے گزر گیا، مرتضٰی انگلینڈ چلا گیا، اس کے جانے کے دوسرے دن ثناء کی امی آ گئیں، تائی جی ان کی آؤ بھگت میں لگ گئیں، مرتضٰی کے جانے سے گھر میں خالی پن کا احساس ہو رہا تھا، حالانکہ وہ سدا کا کم گو اور کتابی کیڑا تھا، مگر ہر شخص کی اہمیت اپنی جگہ ہوتی ہے، رات کو ثناء کی امی آئی تھیں، ان کی آمد کا مقصد جان کر ثروت کو خوشی کے ساتھ ملال نے بھی گھیر لیا تھا، رات کے کھانے کے بعد وجاہت یزدانی، فرحت یزدانی اور ثروت لاؤنج میں بیٹھے تھے، زربینہ حسب معمول کافی سرو کر کے جا چکی تھی۔

"شیبان کب تک واپس آئے گا۔" وجاہت یزدانی نے ثروت سے پوچھا، شیبان آفس کے کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔

"تین چار روز میں آ جائے گا۔"

"آج ثناء کی امی آئی ہوئی تھیں، اپنی بہن کے بیٹے کا رشتہ ہماری میرال کے لئے لے کر، کہہ رہی تھیں کہ اگر ہمارا ارادہ ہو تو افنان کے والدین پاکستان آ جائیں گے۔" ان کی بات سن کر وجاہت اور فرحت دونوں ہی چونکے تھے، پھر دونوں نے ہی ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔

"بھابھی جان آپ کے لئے ایک اور اچھی خبر ہے، میرے دوست بیرسٹر دلاور کو تو آپ جانتی ہیں وہ اپنے بیٹے عزیز کے لئے زری کو کافی عرصہ پہلے پسند کر چکے ہیں اور اب وہ رشتہ لانا چاہتے ہیں۔" فرحت یزدانی نے ثروت کو بتایا۔

"میرا خیال ہے کہ شیبان واپس آ جائے تو دونوں لڑکوں کے متعلق معلومات کر لے پھر رب کی رضا ہوئی تو رسم ساتھ ہی کر دیں گے۔" وجاہت نے اپنا خیال ظاہر کیا تو ثروت نے اثبات میں سر ہلا دیا، شزاء بہت اچھی لڑکی تھی، لیکن میرال کا خیال ان کے ذہن سے نکلتا نہیں تھا، اس نے ان کی گود میں پرورش پائی تھی، اس سے دوری کا خیال ان کے لئے تکلیف دہ تھا۔

☆☆☆

تائی جی کی زبانی ان دونوں کو بھی آنے والے رشتوں کا معلوم ہو چکا تھا، جس روز شیبان لوٹا اسی روز بیرسٹر دلاور کے گھر خواتین عزیز کا رشتہ لے کر آئی تھیں، خواتین بے حد سلجھی ہوئی اور رکھ رکھاؤ والی تھیں تائی ثروت کو ان سے مل کر اچھا لگا تھا، وہ ان سب کو اپنے گھر مدعو کر کے گئی تھیں عزیز وکالت کرتا تھا، رات کو انہوں نے شیبان سے دونوں رشتوں کا ذکر کیا تو وہ ایکدم خاموش

ہو گیا۔
"کیا ہوا بیٹا! کیا سوچنے لگ گئے۔" ثروت نے پوچھا۔
"آپ نے زربینہ اور میرال سے پوچھا۔"
"نہیں، مگر آخری فیصلہ تو ان دونوں کی رائے کے بعد ہی ہوگا۔" انہوں نے بغور بیٹے کو دیکھا اس کے چہرے کے تاثرات ناقابل فہم تھے، ایک رسمی سی مسکراہٹ نے بھی اس کے لبوں تک کا سفر نہیں کیا تھا۔
"تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔" دل کی بات ان کی زبان پر آ گئی۔
"تقریباً پندرہ دن ہو گئے ہیں، احمر کال ریسو نہیں کر رہا، میں اس کی وجہ سے پریشان ہوں، عالیہ آنٹی کا فون آیا تھا، وہ بھی بہت پریشان ہیں۔" اب تو شیبان کے بھی حواس مختل ہو گئے۔
"خدا خیر کرے، تم کسی سے معلوم کراؤ، وہ کسی پریشانی کا شکار تو نہیں ہوگا۔" ان کا دل دہل گیا۔
"جی میں کوشش کر رہا ہوں، امی میں آپ کو ایک دو روز میں ان لڑکوں کے متعلق معلوم کر کے بتا دوں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا بے قراری اس کی نس نس میں سفر کر رہی تھی، اس کی سوچیں حد درجہ منتشر تھیں، احمر کی پریشانی کیا کم تھی کہ اب یہ نیا سلسلہ۔
"وہ ہرگز بھی میرال کو خود سے دور نہیں ہونے دے گا، چاہے اسے میرال پہ اپنے جذبوں کو عیاں ہی کیوں نہ کرنا پڑ جائے، لیکن اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی افنان ناروے چلا گیا، اس کے والد کا وہاں پر ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا سو بات وہیں رک گئی، شیبان نے شکر ادا کیا تھا، البتہ زربینہ اور عزیز کی منگنی کی تقریب انجام پا گئی تھی، احمر کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئی تھیں وہ بے حد مایوس کن تھیں، وہاں ڈرائیونگ کے دوران اس سے ایک حادثہ ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے ایک لڑکی شدید زخمی ہو گئی تھی، وہاں کے قانون کے مطابق اسے سزا ہو گئی تھی، جس فرم میں وہ ملازمت کرتا تھا، اس ملازمت سے اسے برطرف کر دیا گیا تھا، اس خبر نے سب ہی کو دکھی کر دیا تھا، شزاء اور شیبان کی پریشانی سوا تھی، ثروت باتوں باتوں میں کئی بار شیبان کو شادی کے لئے کہہ چکی تھیں، وقتی طور پر اس نے انہیں ٹال دیا تھا، مگر وہ پریشان تھا کہ کب تک ثروت کو ٹالتا رہے گا، ان ہی کٹھن دنوں میں ایک اچھی خبر ملی تھی، احمر کے والد کے کاروبار کے مقدمے کا فیصلہ ان کے حق میں ہو گیا تھا، تمام بزنس پھر سے انہیں مل گیا تھا، عالیہ بیگم کو اب کم از کم مالی طور پر کوئی پریشانی نہ تھی، البتہ احمر کی فکر انہیں چین نہیں لینے دے رہی تھی۔"

☆☆☆

"شیبان اب کیا ہوگا، میں بہت پریشان ہوں۔" پہلی بار شزاء اس کے دفتر چلی آئی تھی۔
"میں تو دوہری پریشانی کا شکار ہوں، تم سوچ بھی نہیں سکتیں، امی چاہ رہی ہیں کہ میں شادی کر لوں۔" اس کے الفاظ نے شزاء کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔
"اب کیا ہوگا۔" وہ گم صم سی پوچھ رہی تھی۔
"فی الحال تو میں نے انہیں ٹال دیا ہے۔"
"کب تک تم آنٹی کو ٹالتے رہو گے، کاش احمر ایک سال صبر کے ساتھ وطن میں گزار لیتا تو سب ٹھیک ہو جاتا، جن مسائل سے دامن چھڑا کر وہ ملک سے باہر گیا تھا وہ تو سب سلجھ گئے، فضا کا رشتہ اچھے گھرانے میں طے ہو چکا ہے، انکل کا بزنس بھی واپس مل چکا ہے، بس ایک احمر ہی ہے ہماری دسترس سے دور ہے۔" شزاء نے افسوس سے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔
"میں مما کو منگنی کی رنگ واپس کر دیتی ہوں۔" وہ کچھ سوچ کر بولی۔
"ایسا کیسے ہو سکتا ہے شزاء، میرے اور احمر کے درمیان طے ہوا تھا کہ تم احمر کے واپس آنے کے بعد رشتہ ختم کرو گی، ایسے حالات میں جبکہ احمر کا کچھ پتا ہی نہیں ہے، تمہارا منگنی توڑنا مناسب نہیں ہے۔"
"شیبان میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، احمر کے بارے میں، ہم نہیں جانتے کہ وہ کب لوٹے گا اور تمہارے گھر والے جلد یا بدیر تمہاری شادی کرنا چاہیں گے، تم انہیں کیسے روک پاؤ گے۔" بے بسی کے احساس نے شزاء کی آنکھوں میں آنسو بھرا دیئے۔
"وہ سب میرا مسئلہ ہے، احمر کی واپسی تک تم میری ذمہ داری ہو۔" اس نے دوٹوک انداز اختیار کیا تھا، تب ہی شزاء نے خاموشی اختیار کر لی۔
"میں سوچ رہا ہوں کہ خود وہاں جا کر حالات کا جائزہ لوں، ساتھ ہی احمر کی رہائی کی کوشش بھی کروں۔" وہ کچھ دیر بعد پیپر ویٹ گھماتے ہوئے بولا، شزاء سوچ رہی تھی کہ یہ شخص کتنا عظیم ہے، دوستی کی خاطر خود کو تو آزمائش میں ڈال ہی رہا ہے، اپنی محبت کو بھی آزمانے پر تلا ہے، شیبان کی آنکھوں میں لکھا میرال کا نام وہ بہت پہلے پڑھ چکی تھی۔
"تمہاری جاب کا کیا ہوگا۔" اسے خیال آیا۔
"چھٹیاں لوں گا اور اگر نہ ملیں تو ریزائن کر دوں گا۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا، پھر ایک ماہ بعد وہ چلا بھی گیا، میرال سے بنا کچھ کہے، بنا کوئی وعدہ لئے۔

☆☆☆

فضا کے سسرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے، عالیہ احمر کی غیر موجودگی میں شادی نہیں کرنا چاہ رہی تھیں، لیکن لڑکے والوں کی مجبوری دیکھتے ہوئے انہیں تاریخ دینا ہی پڑی، لڑکے کی دادی شدید علیل تھیں، ان ہی کے ایماء پر شادی ہونے جا رہی تھی، وجاہت یزدانی کی ہدایت پر ثروت ہمہ وقت ان کا ہاتھ بٹانے کو تیار تھیں۔
کافی ذمہ داریاں عدیل نے اپنے اوپر لے لی تھیں، شادی کے دوران اور زربینہ کے علاوہ شزاء نے بھی احمر کے گھر ڈیرہ ڈالا ہوا تھا اور پھر عالیہ کی دعاؤں کے ساتھ فضا اس گھر سے رخصت ہو گئی، احمر کی غیر موجودگی نے سب کو ہی اداس کیا تھا اور ایک عجیب بات ہو رہی تھی، ادھر میرال کے ساتھ کہ آج کل وہ شیبان کو بہت مس کر رہی تھی، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اس کے ایسا کیوں ہو رہا ہے، جس شخص کے ساتھ کبھی دوستانہ نہیں رہا، کیوں اس کی یاد مضطرب کر رہی تھی، وہ زری سے بھی نہیں کہہ پا رہی تھی، شب و روز بڑی سست روی سے گزر رہے تھے، اس روز شیبان نے فون کے ذریعے خبر دی کہ جلد ہی احمر رہا ہو جائے گا اور وہ اسے لے کر ہی لوٹے گا۔

☆☆☆

"خیر تو ہے تائی جی! نوکروں کی شامت کس لئے بلائی ہے۔" وہ ناشتہ کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"ناروے سے افنان واپس آ گیا ہے، اپنے والدین کے ساتھ، آج شام وہ سب ہمارے گھر آ رہے ہیں، اسی لئے میں چاہ رہی تھی کہ خصوصی صفائی ہو جائے، تم بھی ناشتہ کر کے

ساتھ لگ جاؤ۔" انہوں نے ہدایت کی، پراٹھا اس کے حلق میں اٹکنے لگا تھا، چائے کا گھونٹ بھر کر اس نے نوالہ نگلنے کی کوشش کی اس کوشش میں اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

"تم ٹھیک تو ہو میرال۔" تائی جی نے اسے بغور دیکھا۔

"جی..... ٹھیک ہوں، زری کدھر ہے۔"
اس نے بات بنائی۔

"وہ رانو کے ساتھ بازار گئی ہے، گروسری کا کچھ سامان چاہیے تھا، ارے یاد آیا تمہارے تایا جی تمہیں بلا رہے تھے، ناشتہ کر چکی ہو تو ان کی بات سن لو۔" ثروت نے کہا تو وہ تایا جی کے کمرے کی جانب آ گئی۔

"تایا جی! آپ نے بلایا؟" وجاہت یزدانی نے فائل سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا وہ کچھ الجھی الجھی سی نظر آ رہی تھی۔

"آؤ بیٹھو یہاں۔" ان کے کہنے پر وہ ان کے نزدیک صوفے پہ ہی بیٹھ گئی۔

"تمہیں معلوم تو ہو گا کہ افنان اور اس کے گھر والے آج ہماری طرف آ رہے ہیں، وہ لوگ ہماری بیٹی کو اپنے گھر کی رونق بنانا چاہتے ہیں، میں چاہ رہا تھا کہ آخری فیصلہ کرنے سے پہلے تمہاری رائے لے لوں، حالانکہ تم کہہ چکی ہو کہ اب تم کسی بھی معاملہ میں مجھ سے اختلاف نہیں کرو گی، پھر بھی میں تمہاری خواہش جاننا چاہتا ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے اور اسے دیکھنے لگے، جس نے سر کو قدرے جھکا دیا تھا۔

"تایا جی! میں آپ سے دور نہیں جانا چاہتی اور وہ لوگ تو ناروے میں رہتے ہیں۔" اس کی بات سن کر وجاہت یزدانی مسکرا دیئے۔

"بس اس لئے ہماری بیٹی پریشان ہو گئی۔" انہوں نے اس کا سر تھپتھپایا تو وہ انہیں سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"افنان پاکستان میں سیٹل ہو رہا ہے، اب میں نکاح کی تاریخ دے دوں انہیں۔" وہ پوچھ رہے تھے، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، جبکہ دل میں سوچ رہی تھی کہ ایسی بھی کیا جلدی ہے، نا مرتضیٰ پاکستان میں ہے نہ شیبان اور شیبان اگر ہوتا بھی تو کیا کر لیتا وہ تو شزاء کا اسیر ہے۔

"مرتضیٰ سے فرحت کی صبح فون پر بات ہوئی ہے، تاریخ طے ہونے کی صورت میں وہ چھٹیاں لے کر وطن آ جائے گا، البتہ شیبان کی واپسی تو احمر کی رہائی سے مشروط ہے۔" میرال کا جانے کیوں دم گھٹنے لگا تھا۔

"میں جاؤں تایا جی۔" اس نے پوچھا، وجاہت یزدانی نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ اٹھ کر باہر آ گئی اور تائی جی کے ساتھ لگ گئی، اس کی کھوئی کھوئی کیفیت دیکھ کر ہی سوچ رہی تھیں کہ وہ دوسرے گھر جانے کے خیال سے اداس ہے، رات کا کھانا مہمانوں نے وجاہت ولا میں ہی کھایا تھا، ساتھ ہی ایک ماہ بعد کی تاریخ بھی طے کر دی گئی تھی۔

☆☆☆

"اب تمہیں مزید کتنا عرصہ لگے گا بیٹا۔" ثروت نے بے تابی سے پوچھا، اکلوتا بیٹا وطن لوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"بس امی جلد ہی میں اور احمر پاکستان میں ہوں گے، احمر کی رہائی میں کچھ ہی روز رہ گئے ہیں۔" ٹیلیفون کے دوسری جانب شیبان یزدانی پرجوش تھا۔

"آپ سب لوگ خیریت سے ہیں نہ، بابا جان، چاچو، زری، عدیل اور میرال۔" اس نے فرداً فرداً سب کا پوچھا۔

"سب خیریت سے ہیں، تم آؤ گے تو

تمہارے لئے ایک سرپرائز بھی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"اچھا ایسی بات ہے۔" وہ ہنس دیا۔

"اپنا خیال رکھنا بیٹا۔" ثروت نے نرمی سے کہا۔

"آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔"

ثروت نے بھی فی امان اللہ کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا اور پھر خود میرال اور زری کے پاس آ گئیں، دونوں کارپٹ پر زرق برق کپڑے پھیلائے بیٹھی تھیں۔

"میرال کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ، افنان کی والدہ نے چار بجے آنے کا کہا ہے۔" ثروت نے زری سے کہا، افنان کی امی نکاح کے جوڑے کی خریداری کے لئے میرال کو ساتھ لے جانا چاہ رہی تھیں، مقررہ وقت پر گاڑی کا مخصوص ہارن بجا تو وہ دونوں ثروت کو بتا کر گیٹ سے باہر نکل آئیں، ڈرائیونگ سیٹ پر افنان براجمان تھا، جبکہ پچھلی سیٹ پر اس کی والدہ بیٹھی ہوئی تھیں، سی گرین کلر کے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس میرال کو دیکھ کر افنان کے لبوں پر شوخ سی مسکراہٹ در آئی تھی۔

"میرال آگے بیٹھ جاؤ افنان کے ساتھ، زری بیٹا آپ میرے پاس آ جاؤ۔" افنان کی والدہ صبیحہ آنٹی نے مسکرا کر کہا تو میرال جھجکتے ہوئے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی، افنان پر شوخی سوار تھی، جبکہ میرال جھنجلا رہی تھی، اسے رونا بھی آ رہا تھا، وہ بمشکل خود پر کنٹرول کیے ہوئے تھی، انگوری کلر کا سلور کام والا لہنگا اس نے بے دلی سے لیا تھا، میچنگ جیولری اور باقی سامان خریدتے ہوئے شام ڈھل گئی تھی، گھر پہنچتے پر مرتضیٰ سٹنگ روم میں ان کا منتظر تھا، وہ دونوں بے تابی سے اس کی جانب بڑھی تھیں۔

"آج لگ رہا ہے کہ گھر میں شادی ہونے جا رہی ہے، بس اب جلد ہی شیبان بھی آ جائے تو میرے دل کو قرار آ جائے۔" تائی جی نے کہا۔

"مرتضیٰ بھائی کتنے دن رہیں گے آپ؟" زری نے پوچھا۔

"پندرہ دن سے زیادہ نہیں رک سکتا، تمہاری شادی کے لئے پھر واپس آنا پڑے گا۔" اس نے بہن کا سر تھپتھپایا، میرال تائی جی کو شاپنگ دکھانے لگی تھی۔

☆☆☆

شزاء جلے پیر کی بلی کی طرح یہاں سے وہاں چکراتی پھر رہی تھی، جب سے اسے میرال کا رشتہ طے ہونے کی خبر ملی تھی، اسے کسی کل چین نہیں آ رہا تھا، اگر شیبان میرال کو کھو دیتا تو اس کے ذمہ دار وہ اور احمر ہی ہوتے، احمر کی رہائی کے سلسلے میں ہی شیبان ملک سے باہر گیا تھا اور اس کی غیر حاضری میں گھر والوں نے میرال کا رشتہ طے کر کے نکاح کی تاریخ بھی رکھ دی تھی، اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی، کہ وہ کیا کرے، شیبان کو فون کر کے اگر وہ یہ اطلاع دے بھی دیتی تو وہ پریشان ہونے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔

"کیا ہوا تمہیں اپنی پرابلم۔" مما نے اس کی بے قراری بھانپ لی تھی۔

"نو مما! کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے انہیں ٹالا اور اس سے پہلے کہ سمیرا فخر دوسرا سوال کرتیں وہ اپنے کمرے میں آ گئی، سمیرا فخر سوچتی رہ گئیں کہ کوئی تو بات ہے جو ان کی لاڈلی کو پریشان کر رہی ہے۔

رات کو وہ انزلہ کے ساتھ وہ لنچ کرنے اس فائیو اسٹار ہوٹل میں آئی تھی، انزلہ ان کی کلاس فیلو رہ چکی تھی اور شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کے ساتھ کویت چلی گئی تھی، کچھ روز پہلے ہی وہ

پاکستان آئی تھی، انزلہ نے ہی اسے اس ہوٹل میں بلایا تھا کہ دونوں ساتھ مل کر بیٹھیں گی اور بیتے دنوں کی یاد تازہ کریں گی، انزلہ کو احمر کے بارے میں سن کر افسوس ہوا تھا، شزاء نے اسے یہ بتانے سے اجتناب کیا تھا کہ اس کی شیبان سے منگنی ہو گئی ہے، لنچ کے بعد انزلہ فریش ہونے کے لئے واش روم میں چلی گئی، شزاء اس کا انتظار کرنے لگی، تب ہی مانوس آواز پر اس نے دائیں جانب دیکھا، یقیناً وہ افنان ہی تھا، ثناء کا کزن جس سے میرال کی شادی ہونے جا رہی تھی، ساتھ والی ٹیبل پر سیل فون کان سے لگائے کسی سے محو گفتگو تھا، شزاء کو کسی انہونی کا احساس ہوا تھا، وہ بغور افنان کے الفاظ سن رہی تھی۔

''لیزا سمجھنے کی کوشش کرو، میں فی الحال واپس نہیں آ سکتا، میں یہاں بزنس سیٹ کر رہا ہوں، نہیں تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے، میں فرصت ملتے ہی آنے کی کوشش کروں گا، اپنا اور اینجل کا خیال رکھنا لو یو ڈارلنگ۔'' وہ سیل فون بند کر چکا تھا، شزاء کے دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے، لیزا کون تھی؟ افنان کا اس سے کیا تعلق تھا؟ اور اینجل سے افنان کا کیا رشتہ تھا۔

''اوہ گاڈ میرال کے ساتھ کچھ برا ہونے تو نہیں جا رہا۔'' وہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔

''شزاء کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' انزلہ واپس آ گئی تھی۔

''کچھ نہیں، بس سر میں معمولی سا درد ہو رہا ہے۔'' اس نے بات بنائی، پھر جب تک وہ دونوں وہاں موجود رہیں اس کی نگاہ گاہے بہ گاہے افنان پر پڑتی رہی جو بے حد اطمینان سے لنچ کر رہا تھا، انزلہ کو رخصت کر کے وہ اپنے گھر آئی، اس نے ذہن میں ایک پلان ترتیب دے تھا، گھر پہنچ کر اس نے زربینہ کو کال کی اور اسے پارک میں ملنے کے لئے شام کے وقت بلایا، زربینہ سے تاکید کی تھی کہ وہ اس ملاقات کو راز رکھے، مقررہ وقت پر زربینہ پارک پہنچ گئی لیکن وہ بہت پریشان لگ رہی تھی کہ آخر شزاء نے اسے اس طرح چھپ کر ملنے کے لئے کیوں بلایا ہے، شزاء نے بھی اس کا صبر آزمانے کے بجائے اسے دوپہر والا واقعہ کہہ سنایا، جسے سن کر زربینہ کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔

''مجھے لگتا ہے کہ اس نے وہاں شادی کر رکھی ہے۔'' شزاء نے صاف گوئی سے کہا۔

''اب کیا ہو گا؟'' زری کی آواز ہی نہیں نکل پا رہی تھی۔

''زری میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے، اگر ہمیں کچھ دیر کے لئے افنان کا سیل فون مل جائے تو ہم اس عورت کا نمبر حاصل کر سکتے ہیں۔'' شزا کی بات سن کر زری سوچ میں ڈوب گئی، پھر یکا یک اس کے چہرے پر چمک آ گئی۔

''مرتضٰی بھائی آج ثناء کو لے کر شاپنگ پر جا رہے ہیں، بھائی نے مجھے اور میرال کو بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا ہے، میرال کو تائی جی نے منع کر دیا ہے کہ شادی نزدیک ہے میرا ابھی ارادہ نہیں تھا لیکن اب تو جانا ہی پڑے گا، افنان ماموں کے گھر ہی ٹھہرے ہوئے ہیں، میں شاپنگ پر جانے کے بجائے ماموں کے گھر رک جاؤں گی، افنان گھر پر موجود ہوئے تو کام آسان ہو جائے گا۔'' اس نے تفصیل سے بتایا تو شزاء نے اثبات میں سر ہلایا۔

''او کے تم اس کے سیل سے لیزا کا نمبر لے تو مجھے انفارم کرنا ہم اسی جگہ ملیں گے۔'' شزاء نے کہا، پھر دونوں رخصت ہو گئیں۔

☆☆☆

ٹیلیفون کافی دیر سے بج رہا تھا، وہ کسل

مندی سے کاؤچ پر لیٹی ابن انشاء کی ''چلتے ہو تو چین کو چلیے'' پڑھ رہی تھی، فون کرنے والا بھی شاید فارغ ہی تھا، مجبوراً اس نے اٹھ کر بے دلی سے ریسور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''ہیلو۔''

''ارے دعائیں اس قدر جلد قبول ہو جاتی ہیں۔'' دوسری جانب سے شیبان کی پرجوش آواز سن کر اس کا دل بہت بے ہنگم انداز میں دھڑکا تھا۔

''کیسے ہیں آپ؟'' اس نے لہجہ رسمی رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

''کچھ دیر پہلے تک میں بہت اداس ہو رہا تھا، تمہاری آواز سن کر ساری اداسی اڑنچھو ہو گئی، آئی مس یو میرال۔'' عام سے لہجے میں انجانے میں ہی وہ اعتراف کر گیا۔

''وہاں کون آپ کے رعب میں آتا ہو گا، مجھے مس تو کرنا ہی تھا۔'' اس کا لہجہ یک دم تلخ ہو گیا تھا اور اسی تلخی کو سمندر پار بیٹھے شیبان نے بخوبی محسوس کیا تھا۔

''خیریت کیا ہوا تمہیں؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''مجھے کیا ہونا ہے، بہت اپنی من مانی کر چکی ہوں، تایا جان نے کہا کہ افنان سے تمہارا نکاح کر رہا ہوں، میں نے اعتراض نہیں کیا، اب تائی جی صبح کہہ رہی تھیں کہ وہ لوگ رخصتی کروانا چاہ رہے ہیں، میں رخصتی کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں، پر تایا جی سے اختلاف بھی نہیں کر سکتی اور آپ سے تو مدد کی امید ہی نہیں ہے، آپ نے ہمیشہ میری ہر بات سے اختلاف کیا ہے، آپ کہاں میرا ساتھ دیں گے۔'' بے خیالی میں وہ سب کہتی چلی گئی اور شیبان تو ایسا لگا کہ جیسے زمین اس کے پیروں تلے سے ہٹ گئی ہو اور اس کا وجود ہوا میں معلق ہو گیا ہو، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

''میرال کس سے بات کر رہی ہو۔'' مرتضٰی ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

''شیبان بھائی سے بات کر رہی ہوں۔'' میرال نے جواب دیا تو مرتضٰی نے ریسور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''ہائے شیبی کیسے ہو یار!'' مرتضٰی جوش سے بولا۔

''آ ہاں، ٹھیک ہوں یہ میرال کیا کہہ رہی ہے کہ نکاح کے ساتھ رخصتی بھی ہونے جا رہی ہے۔'' اس نے تصدیق کے لئے خود کو سنبھالا۔

''یار وہ افنان کے پیرنٹس چاہ رہے ہیں کہ رخصتی ہو جائے تو انہیں بار بار پاکستان نہ آنا پڑے افنان البتہ پاکستان میں ہی رہے گا، میں اسی سلسلے میں چھٹیاں لے کر آیا ہوں، اس وقت بھی انکل نظام کے گھر دعوت نامہ پہنچا کر آ رہا ہوں، تم کب لوٹو گے اور احمر کب رہا ہو رہا ہے۔'' اس نے تفصیل سے بتا کر دو سوال ایک ساتھ کر دیئے تو شیبان نے مختصر سا جواب دے کر رابطہ منقطع کر دیا، جبکہ مرتضٰی برا سا منہ بنا کر اپنے کمرے میں چلا گیا، اس کا تفصیلی گفتگو کا موڈ تھا۔

☆☆☆

''بھائی! آپ اور ثناء شاپنگ پر چلے جائیں، مجھے ندا سے کچھ کام ہے۔'' وہ گاڑی سے اترتے ہوئے بولی۔

''تمہیں شاپنگ نہیں کرنا۔'' مرتضٰی نے اچنبھے سے پوچھا۔

''نہیں بھائی! میں تو ندا سے ملنے کے لئے آئی ہوں۔''

''او کے، تم ثناء کو بھیجو میں ویٹ کر رہا ہوں۔'' مرتضٰی نے کہا تو وہ گرین آئرن گیٹ کو

کر اس کرتی ہوئی اندر چلی آئی، ثناء اسے روش پر ہی مل گئی، اسے مرتضٰی کی آمد کا بتا کر وہ لاؤنج میں آ گئی جہاں مامی شام کی چائے پی رہی تھیں، اسے دیکھ کر وہ خوش ہو گئیں اور ملازمہ کو اس کے لئے چائے لانے کا کہا۔

''مامی! عذرا آنٹی نظر نہیں آ رہیں۔'' اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

''وہ نئے گھر کی ڈیکوریشن دیکھنے گئی ہیں، البتہ افنان کچھ دیر پہلے ہی لوٹا ہے۔''

''اور ندا کہاں ہے۔'' چائے کا خالی مگ اس نے ٹیبل پر رکھا۔

''اپنے کمرے میں ہی ہو گی جاؤ چلی جاؤ ندا کے پاس۔'' مامی نے کہا تو وہ اٹھ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی، ندا کے برابر والا کمرہ ان دنوں افنان کے تصرف میں تھا، وہ ندا کے کمرے میں جانے کے بجائے افنان کے کمرے میں آ گئی، اس نے کمرے میں طائرانہ نظر دوڑائی، افنان کمرے میں موجود نہیں تھا، البتہ واش روم میں پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، اس نے موبائل ڈھونڈنے کے لئے پھر نظر دوڑائی، اس کوشش میں اب اسے کامیابی حاصل ہوئی تھی، سیل فون بیڈ کے بیچوں بیچ رکھا تھا، اس نے لپک کر سیل فون اٹھایا اور پھرتی سے فون بک چیک کرنے لگی، لیزا ڈارلنگ کے نام سے ایک نمبر سیو تھا، جسے اس نے اپنے سیل کے اسکرین پر لکھا اور پھر افنان کا سیل جوں کا توں بیڈ پر رکھ کر دروازے کی جانب بڑھی، واش روم سے پانی گرنے کی آواز اب بھی آ رہی تھی، ندا اسے کوریڈور میں مل گئی۔

''ارے زری تم کب آئیں۔'' ندا اسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔

''کچھ دیر پہلے ہی آئی ہوں، افنان بھائی تو شاید باتھ لے رہے ہیں، چلو تمہارے کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔'' اس نے ندا سے کہا، ندا کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اسے اندر ہی اندر اضطراب نے گھیر رکھا تھا، وہ جلد از جلد شہزاء سے رابطہ کرنا چاہتی تھی، مرتضٰی اور ثناء جب شاپنگ کر کے لوٹے تب وہ مرتضٰی کے ساتھ گھر لوٹی، آج تو چونکہ دیر ہو چکی تھی اور اب اس کا شہزاء سے ملاقات کرنا ممکن نہیں تا سو وہ صبر سے دوسرے دن کا انتظار کرنے لگی۔

☆☆☆

''مما! آپ یہ رنگ ثروت آنٹی کو واپس دے دیجئے، میں شیبان سے شادی نہیں کر سکتی۔'' ڈنر ٹیبل پر شہزاء نے دھماکہ کر دیا، فخر عالم اور بیگم دونوں بھونچکا رہ گئے۔

''شہزاء یہ کیا بکواس ہے۔'' کچھ دیر بعد فخر عالم خود کو سنبھال کر گویا ہوئے۔

''ڈیڈ! میں نے بہت کوشش کی لیکن میرا دل اس کی جانب مائل نہیں ہوتا، میرے دل میں اس کے لئے گنجائش نہیں ہے، پوری زندگی اس کے ساتھ کس طرح بسر کروں گی۔''

''منگنی کرتے وقت ہم نے تم سے رائے لی تھی، تم پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا تھا، تم اس وقت انکار کر دیتیں، تمہاری اس بیہودہ حرکت کی وجہ سے میں وجاہت سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہوں گا۔'' فخر عالم تندی سے کہہ رہے تھے، ممی بھی برہم تھیں۔

''منگنی کو تم نے گڑیا گڈے کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔'' ہمہ وقت پیار لٹانے والے والدین اس وقت سخت بدگمان دکھائی دے رہے تھے۔

''منگنی کے وقت میں نے یہی سوچا تھا کہ آہستہ آہستہ میری سوچ بدل جائے گی، دوستی محبت میں بدل جائے گی، لیکن ایسا نہیں ہوا، آپ کو کسی کے سامنے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں

ہے، میں آنٹی ثروت سے خود ہی بات کر لوں گی، ان سے معافی مانگ لوں گی۔'' اس نے ٹیبل پر سے انگوٹھی اٹھا کر مٹھی میں دبالی، فخر عالم کچھ دیر تک اسے رنج وغم سے دیکھتے رہے، پھر اٹھ کر ڈائننگ ہال سے باہر نکل گئے، شہزاء سے انہیں اس بیوقوفی کی توقع نہیں تھی کہ وہ ان کی برسوں پرانی دوستی کو اپنی حماقت کی وجہ سے داؤ پر لگا دے گی۔

☆☆☆

''تم آج کل کن چکروں میں ہو، تمہاری سرگرمیاں مجھے کافی مشکوک لگ رہی ہیں۔'' میرال نے اسے گھورا، وہ اس وقت کہیں باہر جانے کے لئے تیار نظر آ رہی تھی۔

''نن...... نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے آئیں بائیں شائیں کی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' میرال نے تفتیش کا انداز اختیار کیا۔

''یار مجھے ندا نے بلایا ہے، ماموں کی طرف جا رہی ہوں۔'' زرینہ کو بروقت سوجھ گیا۔

''سچ کہہ رہی ہو۔'' وہ مشکوک ہوئی۔

''ہاں بھئی اب ایسی بھی کیا بے اعتباری۔'' میرال کی تسلی کرا کے وہ گھر سے نکل آئی اس کا رخ اسی پارک کی جانب تھا، جہاں شہزاء اس کا انتظار کر رہی تھی۔

☆☆☆

''ثروت آنٹی پلیز مجھے غلط مت سمجھئے گا، میں یہ قدم شیبان کی سہولت کے لئے اٹھا رہی ہوں وہ میرال سے محبت کرتا ہے، بہت چاہتا ہے اسے۔'' شہزاء بنا رکے بولے جا رہی تھی اور اس کے سامنے کاؤچ پر بیٹھی ثروت یزدانی انگوٹھی ہتھیلی پر رکھے صدمے کی کیفیت میں گھری ہوئی تھیں، شہزاء انہیں سب کچھ ہی تو بتا چکی تھی کہ شیبان نے شہزاء سے منگنی کیوں کی، یہ بات تو وہ بھی اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ فخر عالم محبت جیسے انمول جذبے سے نالاں تھے، پھر وہ کیوں کر اپنی بیٹی کو احمر کے انتظار میں بیٹھنے دیتے، یہ ثروت کا دھیما مزاج ہی تھا جو شہزاء نے بے تکلفی سے انہیں سب کچھ بتا دیا۔

''میرال تو اس گھر میں چند دنوں کی مہمان ہے۔'' ان کے لبوں سے آہ کی صورت یہ الفاظ ادا ہوئے تھے۔

''آنٹی اگر شیبان یہاں ہوتا تو ہرگز بھی میرال کا رشتہ کہیں اور طے نہ ہونے دیتا۔'' شہزاء بھی حد درجہ دلگرفتہ تھی، اسے خود بھی یقین نہیں تھا کہ وہ جو کچھ کرنے جا رہی ہے، اس میں اس کامیابی حاصل ہو گی یا نہیں، اس نے ثروت سے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا تھا۔

''تم لوگوں کو ایک بار اپنے بڑوں سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے تھا، مجھ سے کہتے، شاید میں کوئی راستہ نکال لیتی۔'' ان کا ملال کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

''آنٹی! پلیز مجھے معاف کر دیجئے، میں اور احمر سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہماری محبت کو بچاتے بچاتے شیبان اپنی محبت کو گنوا بیٹھے گا۔'' وہ ثروت کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

''جب میرے بچے پر حقیقت آشکار ہو گی تو اس پر کیا بیتے گی، پرسوں تو وہ لوٹ رہا ہے۔'' ثروت نے بجھے بجھے لہجے میں کہا اور آہ بھری۔

☆☆☆

تنہا ہے میری ذات کہیں سے آ جاؤ
سن لو میری بات کہیں سے آ جاؤ
دشمن بازی جیت رہا ہے چپکے سے
ہونے کو ہے مات کہیں سے آ جاؤ
کچی اینٹیں اور عمارت گارے کی

اور اس پر برسات کہیں سے آ جاؤ
دل کی بستی پر ہے خوف اندھیروں کا
ہو نہ جائے رات کہیں سے آ جاؤ
کچی عمر میں اس پر خواب محبت کے
کیا کیا ہیں جذبات کہیں سے آ جاؤ
آنکھیں رستہ دیکھ رہی ہیں مدت سے
گردش میں حالات کہیں سے آ جاؤ
موسم موسم لوگ بدلتے جاتے ہیں
دل پر ہیں صدمات کہیں سے آ جاؤ

''آخر تم بتاتے کیوں نہیں ہو، کیوں اس قدر بجھے بجھے سے ہو، جب سے میں آیا ہوں ایک بار بھی تمہارے لبوں کو کھل کر ہنستے نہیں دیکھا۔'' احمر پر جھنجھلاہٹ سوار تھی، رات کی فلائٹ سے وہ دونوں پاکستان جا رہے تھے، تمام تیاری ہو چکی تھی، بس ایک شیبان کی خاموشی تھی، جو احمر کو سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔

''میرال کی شادی ہو رہی ہے۔'' اس نے ایک نظر احمر کو دیکھا اور آگہی کا ادراک ہوتے ہی احمر کا دل دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا، شیبان کی سرخ آنکھوں میں رتجگوں کے عذاب اترے ہوئے تھے۔

''تم میرال سے محبت کرتے ہو شیبی، تم نے اس بات کو مجھ سے چھپایا کیوں؟ اپنی محبت کو آزمائش میں ڈالا کیوں؟'' وہ جرح کر رہا تھا۔

''کیونکہ مجھے اس کا حصول آسان لگتا تھا، یہی وجہ ہے کہ میں اسے بھی کبھی وعدوں کی زنجیر میں نہیں جکڑا، نہ ہی کبھی اسے اپنے دل کی حکایت سنائی ہے۔'' وہ خود کو سنبھالنے کی سعی کر رہا تھا۔

''تم اپنی مما سے بات کر کے تو دیکھو، شہزاء سے میری بات ہوئی تھی وہ بتا رہی تھی کہ اس نے تمہاری مما کو رنگ واپس کر دی ہے۔'' احمر کے انکشاف نے اسے مزید پریشان کر دیا۔

''نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا چند روز بعد میرال کی بارات آنے والی ہے، میری منگنی کے ختم ہونے کو لے کر مما پہلے ہی افسردہ ہوں گی، میں انہیں مزید پریشان نہیں کر سکتا، میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ شادی بیاہ بچوں کا کھیل نہیں ہوتا، شہزاء کے گھر میں بھی جانے کیا صورتحال ہو گی۔'' وہ اپنے والدین کی پریشانی کا سوچ کر مزید پریشان ہو گیا تھا۔

☆☆☆

فلائٹ کے دوران بھی دونوں اپنی اپنی سوچوں میں کھوئے رہے تھے، احمر بہت شرمسار تھا اس کی وجہ سے شیبان کو محبت میں خسارہ اٹھانا پڑ رہا تھا، میرال کو کھونا پڑ رہا تھا اور وہ خود بھی جس مقصد کو حاصل کرنے وطن سے دور گیا تھا، وہ بھی لاحاصل رہا تھا، اب اسے سمجھ میں آ گیا تھا کہ انسان تقدیر کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہے، وہ ملک سے باہر جا کر کمانا چاہتا تھا، کچھ بننا چاہتا تھا، اپنی ماں اور بہنوں کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا، کیونکہ ابو کا بزنس بھی ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا، اس سے صبر نہیں ہو رہا تھا، کہ مقدمے کے فیصلے کا انتظار کرتا، اس کی بے صبری کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ اسے پردیس میں جیل کاٹنی پڑ گئی تھی بلکہ انجانے میں ہی وہ شیبان کو اس کی خوشیوں سے دور کرنے کا ذمہ دار بن گیا تھا، وہ دوست جس نے ہر پریشانی ہر دکھ میں اس کا ساتھ دیا تھا، آج وہ خود کو بری طرح بے بس پا رہا تھا، شیبان کی خوشیاں اسے دسترس سے دور لگ رہی تھیں، جبکہ شیبان دوہری اذیت میں مبتلا تھا، ایک جانب میرال سے دوری کا خیال اس کی روح کو تڑپا رہا تھا تو دوسری جانب یہ احساس باعث ندامت تھا کہ منگنی والے حادثے کو لے کر امی اور بابا جان

ملول اور دلگرفتہ ہوں گی۔

سفر کا اختتام ہونے پر اس نے ائیر پورٹ سے ٹیکسی ہائر کر لی تھی، احمر کو اس کے گھر ڈراپ کر کے اب ٹیکسی ڈرائیور نے وجاہت ولا جانے والے راستوں کا رخ کر لیا تھا، ٹیکسی وجاہت ولا کے گیٹ پر رکی تو وہ ٹیکسی سے باہر اتر کر ٹھٹکا، شام گہری ہو چکی تھی، وجاہت ولا بقعہ نور بنا ہوا تھا اس قدر روشنیاں دیکھ کر ایک پل کو اس کے قدم لڑکھڑائے تھے، پھر اس نے خود کو سنبھالا اور سیاہ آہنی گیٹ پار کر گیا، لان میں میرال کی مایوں اور مہندی کی مشترکہ تقریب کی تیاریاں عروج پر تھیں، اس نے اپنا بیگ ایک جانب رکھ دیا تھا، مرتضٰی اسٹیج کی تیاریوں کو اختتامی جائزہ لے رہا تھا، جونہی اس کی نگاہ شیبان پر پڑی وہ جوش سے اس کی جانب بڑھا اور اس کے گلے لگ گیا۔

''تم خیریت سے ہو ناں۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''احمر کہاں ہے؟'' سوال کیا۔

''میں ٹھیک ہوں، احمر کو اس کے گھر چھوڑ کر آ رہا ہوں۔'' اس نے مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور مرتضٰی سے الگ ہوا۔

''بابا جان اور باقی سب افراد کہاں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''تایا جی اپنے روم میں ہوں گے۔'' مرتضٰی نے جواب دیا تو وہ اندرونی حصے کی جانب بڑھا۔

''ارے شیبان بھائی! آپ کب لوٹے۔'' جانے کس کونے سے زربینہ نکل کر سامنے آ کھڑی ہوئی، شیبان کو سامنے دیکھ کر اس کا چہرہ لالٹین مارنے لگا تھا۔

''بس ابھی کچھ دیر پہلے ہی پہنچا ہوں، امی اور بابا جان مل لوں۔'' وہ اس سے جان چھڑا کر بابا جان کے کمرے تک پہنچا اور دروازہ ناک کیا۔

''یس کم آن۔'' وجاہت یزدانی کی تھکی تھکی سی آواز سن کر اس نے قدم آگے بڑھائے، وجاہت یزدانی صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے، چہرے پر مسکراہٹ نے احاطہ کر لیا تھا۔

''آ گئے بیٹا! بہت اچھا کیا، تمہاری کمی بہت محسوس ہو رہی تھی۔'' انہوں نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور پھر احمر کی خیریت دریافت کرنے لگے، وہ دونوں صوفے پر ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے تھے۔

''امی کہاں ہیں؟'' کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے، وہ میرال کے پاس ہوں گی، وہ ان دنوں بہت ڈسٹرب ہے گھر چھوڑنے کے خیال سے، صبح بھی بہت رو رہی تھی، بمشکل ثروت نے اسے چپ کروایا تھا، مجھ سے تو اس کے آنسو دیکھے ہی نہیں جاتے۔'' وجاہت یزدانی کا لہجہ بھیگ گیا تھا، اسی وقت دروازہ کھول کر ثروت داخل ہوئیں، شیبان کے آنے کی اطلاع انہیں زربینہ پہنچا چکی تھی، بیٹے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

''ارے امی آپ تو اس طرح رو رہی ہیں جیسے میں محاذ پر سے لوٹا ہوں۔'' اس نے قصداً لہجے میں شگفتگی پیدا کی۔

''بہت دنوں بعد تمہیں دیکھا ہے تو دل بھر آیا۔'' انہوں نے کہا۔

''ثروت خود کو سنبھالیے، بیٹا لمبے سفر سے لوٹا ہے۔'' وجاہت یزدانی کے لہجے میں تنبیہ تھی، ثروت سمجھ گئیں کہ وجاہت نہیں چاہتے کہ فوری طور پر شیبان کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ شہزاء نے انگوٹھی واپس کر دی ہے، ثروت نے وجاہت سے

یہ بات مخفی رکھی تھی کہ شیبان کی پسند میرال ہے اور احمر کی وجہ سے شیبان نے شزاء سے منگنی کی تھی، وہ وجاہت کی اصول پسندی سے واقف تھیں، یہ طریقہ انہیں بری طرح ناگوار گزرتا۔

"تم کچھ کھاؤ گے بیٹا۔"

"نہیں امی میں کچھ دیر آرام کروں گا۔"

"بیٹا میں تمہارے لئے آج کی تقریب کے لئے سوٹ بنوایا ہے، حالانکہ یقین نہیں تھا کہ تم پہنچ سکو گے۔" ثروت نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"تقریب شروع ہونے پر میں لان میں آ جاؤں گا۔" اس نے ماں کو تسلی کرائی البتہ دل بوجھل ہو گیا تھا، وہ اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر ڈھیر ہو گیا، اس کے لمبے چوڑے وجود کے اندر جو دل تھا وہ اس وقت بلک بلک کر رو رہا تھا، پر اس نے اپنی آنکھوں سے راز عیاں نہیں ہونے دیا تھا، نجانے کتنا وقت گزر گیا، نیچے لان میں تقریب شروع ہو چکی تھی، وہ اٹھ کر واش روم میں گھس گیا، اسے پتا ہی نہیں چلا کہ شاور کے پانی میں اس کی آنکھوں سے نکلا پانی بھی بہتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

بلیک شلوار سوٹ میں بالوں کو سنوارتا ہوا وہ نیچے لان میں آ گیا تھا، اپنے آپ کو سنبھالنے میں اسے دقت ہوئی تھی پر یہ مرحلہ بھی سر ہو ہی گیا تھا، لبوں پر مسکراہٹ سجائے وہ حاضرین سے ملنے لگا، ملتے ملاتے احمر کی رہائی کی مبارکباد وصول کرتے اس کے اندر کا سناٹا کرلانے لگا تھا، اسٹیج پر میرال کی مایوں کی رسم ہو رہی تھی، بہت روکنے، سمجھانے، ڈپٹنے کے باوجود نظر بغاوت کرتے ہوئے میرال کی جانب اٹھی تھی، زرد سوٹ اور پھولوں کے گہنوں سے سجا اس کا روپ مسحور کن لگ رہا تھا، سات سہاگنیں باری باری اسے ابٹن اور مہندی لگا رہی تھیں۔

تب ہی کچھ احساس ہونے پر میرال نے سامنے دیکھا تو ایک پل کو دل کی دھڑکن تھم سی گئی، عین سامنے وہ دشمن جان اپنی بے تحاشا وجاہت کے ساتھ ایستادہ تھا، اس کی تمام تر توجہ میرال پر ہی تھی میرال کو لگا کہ آج اس کی آنکھوں کے دیئے بجھے بجھے سے تھے، میرال کو جب اپنی پلکوں کی نمی کا احساس ہوا تو اس نے نظر جھکا دیں (مجھے کیوں ان سے محبت ہوئی انہیں تو میرے درد کا احساس تک نہیں) اس کے دل سے آہ برآمد ہوئی تھی جبکہ شیبان ایکدم پلٹ گیا، اس کے اندر جوار بھاٹا سا اٹھ رہا تھا، دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ تہس نہس کر ڈالے، اسے شدت سے احساس ہونے لگا کہ اگر وہ کچھ دیر مزید یہاں کھڑا رہا تو لازمی اس سے کوئی بداخلاقی سرزد ہو جائے گی، سو وہ ٹیرس پر آ گیا اور سگریٹ سلگا کر ٹہلنے لگا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جو ساحل کو چھو کر آ رہی تھی وہ بھی اس کے مزاج پر اثر نہیں کر رہی تھی، اندر آگ دہک رہی تھی اس کی حدت موسم کی ٹھنڈک سے کہیں زیادہ تھی، نجانے کتنا وقت بیت گیا تھا، وہ کتنے ہی سگریٹ پھونک چکا تھا، اس نے ریلنگ سے نیچے جھانکا، اشتہا انگیز خوشبو بتا رہی تھی کہ کھانا شروع ہو چکا تھا، اس نے ادھ جلا سگریٹ زمین پر پھینکا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھا، کوریڈور سے گزرتے ہوئے اس کے قدموں کو بے اختیار زمین نے جکڑ لیا، نظروں کے عین سامنے میرال کے کمرے کا ادھ کھلا دروازہ تھا، اس کے قدم بے اختیار آگے بڑھے، وہ دروازے سے گزرتا اندر چلا آیا، کمرے میں میرال کے علاوہ کوئی اور موجود نہیں تھا، اسے نظروں کے سامنے پا کر شیبان کے اندر برپا طوفان تھم سا گیا تھا، وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی، شیبان اس کے نزدیک آ کر رک گیا، آہٹ پر اس نے چونک کر چہرے سے ہاتھ اٹھائے، اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، اپنے اس قدر نزدیک شیبان کو دیکھ کر وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

"کیوں رو رہی ہو؟" اس نے بھاری آواز میں استفسار کیا۔

"آپ کب آئے؟" اس نے شیبان کا سوال نظر انداز کر دیا۔

"کیوں رو رہی ہو؟" اس نے سوال دہرایا۔

"کیوں بتاؤں میں آپ کو، آپ تو خوش ہوں گے کہ میرال سے جان چھوٹ رہی ہے، میں نے کہا تھا نہ آپ کو کہ میں ابھی ذہنی طور پر افنان سے شادی پر تیار نہیں ہوں، لیکن احمر کے لئے امریکہ تو جا سکتے ہیں میرے لئے اتنا سا نہیں کر سکتے تھے کہ تایا جی سے کہہ کر شادی کی تاریخ آگے بڑھوا دیتے۔" وہ تو بھری بیٹھی تھی۔

"کیا کہا تم نے، تم افنان سے شادی پر تیار نہیں ہو۔" وہ بری طرح چونکا، آگے اس نے مزید کیا کہا یہ تو اس نے سنا ہی نہیں۔

"مجھے اس گھر سے دور نہیں جانا ہے۔" اس کی بھیگی آنکھوں میں اظہار کے سارے رنگ جھلملا رہے تھے، ایک پل کو شیبان پر سرشاری طاری ہوئی مگر دوسرے ہی پل یہ جانکاہ احساس دل کھرچنے لگا کہ وہ افنان کی امانت ہے۔

"میرال تم افنان کی امانت ہو، اگر میں یہاں ہوتا تو شاید ایسا نہ ہونے دیتا، مگر اب تم خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو، تمہیں افنان کے ساتھ ہی اپنی پوری زندگی گزارنی ہے۔" وہ کٹھور بنا۔

"آپ اتنے پتھر کیوں ہیں، زری تو کہتی ہے کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں، اگر ایسا ہے تو آپ کو میری آنکھوں میں لکھا اپنا نام نظر کیوں نہیں آ رہا۔" شیبان کے سرد انداز نے اسے وحشت زدہ کر دیا تھا اور وہ ہذیانی انداز میں اس کی قمیض کا دامن دونوں ہاتھوں میں جکڑے اس سے جواب طلب کر رہی تھی، شیبان نے حواس باختہ ہو کر دروازے کی جانب دیکھا، اس وقت اگر انہیں کوئی دیکھ لیتا تو وجاہت یزدانی کی عزت خاک میں مل جاتی۔

"میرال بی ہیو یور سیلف اپنے جذبات پر قابو کرنا سیکھو، زندگی کھیل تماشا نہیں ہے۔" اس نے میرال کی گرفت سے اپنا گریبان چھڑوایا۔

"کھیل تماشا تو آپ نے بنا دیا، محبت کسی سے اور منگنی کسی اور سے۔" وہ دھواں دھار آنسو بہا رہی تھی۔

"وہ میری مجبوری تھی اور ہاں عزت سے بڑھ کر میرے لئے کچھ نہیں، میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تمہاری محبت میرے لئے الزام بن جائے، اس لئے جو جیسے ہو رہا ہے اسے ویسے ہی ہونے دو۔" وہ اس کے کمرے سے باہر نکل آیا، بہت کٹھن مرحلہ تھا لیکن اس نے سر کر ہی لیا تھا اور میرال نے تو چپ کی بکل اوڑھ لی تھی دوسرے روز مہندی لگانے والی اس کے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگا گئی تھی، زرینہ کی سہیلیوں اور عدیل کے دوستوں نے لاؤنج میں شور ڈالا ہوا تھا، تائی جی نے اسے بھی چلنے کو کہا پر اس نے انکار کر دیا، وہ اب شیبان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، نہ نیند آ رہی تھی نہ ہی سکون رہا تھا، اس نے وضو کیا اور نماز عشاء کی نیت باندھ لی، نماز پوری پڑھنے کے بعد جب اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو آنکھوں سے آبدار موتی پھسلنے لگے۔

"اللہ جی آپ نے بچپن میں مجھ سے پاپا، مما اور حارث کو چھین لیا، پھر اس کے بعد آپ نے مجھے نوازا ہی نوازا ہے، بن مانگے میری جھولی

بھرتے رہے، تو اب کیوں شیبان کو مجھ سے جدا کیا جا رہا ہے، آپ نے ہی تو میرے دل میں شیبان کی محبت ڈالی ہے، اللہ جی مجھے شیبان چاہیے، میں اس کے بغیر خوش نہیں رہ پاؤں گی، میں منافقت نہیں کرنا چاہتی، دل میں کوئی اور ہو اور سیج کسی اور کی سجا لوں، مجھے شیبان دے دیجئے۔'' وہ ضد کر رہی تھی اس رب سے جو زمین اور آسمان کا رب ہے جو اپنے بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔

☆☆☆

دل میں رنج و غم کے بادل چھائے ہوئے ہوں اور لبوں پر مسکان سجانا پڑ جائے تو کتنی اذیت ہوتی ہے یہ اسے اب معلوم ہوا تھا، جب ہر کسی سے مسکرا کر ملنا پڑ رہا تھا، گھر میں ڈھیروں مہمان ٹھہرے ہوئے تھے، کچھ دوسرے شہروں سے آئے تھے اور کچھ بیرون ملک سے، جن میں وجاہت کی چچا زاد بہن شائستہ بھی تھیں جو ناروے سے اپنی فیملی کے ساتھ آئی تھیں، وہ اپنے بچوں کو پاکستان دکھانے لائی تھیں ایسے میں میرال کی شادی طے ہو گئی تو وہ شادی میں شرکت کی غرض سے رک گئی تھیں کہ بچے پاکستان کی شادی بھی دیکھ لیں، ان کے دو بچے تھے، انیس سالہ عدنان اور پندرہ سالہ رمشہ، اس وقت بھی عدنان بیٹھا شیبان کے کان کھا رہا تھا، وہ میرال شادی کے بعد انہیں اسلام آباد لے چلے اس نے اب تک اسلام آباد اچھی طرح نہیں دیکھا تھا۔

''شیبان! تم جانتے ہو اسے کون ہے وہ۔'' مرتضیٰ نے آ کر سرگوشی کے انداز میں اس سے پوچھا۔

''وہی فارنر جسے میں کچھ دیر پہلے تایا جی کے پاس سٹنگ روم میں چھوڑ کر آیا ہوں، وہ کہہ رہی تھی کہ اسے وجاہت یزدانی سے ضروری بات کرنی ہے۔'' مرتضیٰ کے چہرے پر سنگین تاثرات تھے، شیبان بھی پریشان ہو گیا۔

''چلو، چل کر دیکھیں، مجھے نہیں معلوم تم کس کی بات کر رہے ہو۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تایا جی نے کسی کو بھی وہاں آنے سے منع کیا ہے، پاپا اور تائی جی بھی وہاں موجود ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا، دونوں چلتے ہوئے راہداری میں آ گئے، سٹنگ روم کا دروازہ بند تھا۔

کچھ دیر بعد شائستہ آنٹی بھی سٹنگ روم میں جاتی نظر آئیں، وہ ان دونوں کو کھڑا دیکھ کر مبہم سا مسکرائی تھیں، دونوں راہداری میں کھڑے دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگے جب کافی دیر تک دروازہ نہ کھلا تو وہ دونوں واپس لان میں آ کر سنگی بینچ پر بیٹھ گئے۔

''مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔'' مرتضیٰ کا انداز پریشان کن تھا۔

''ارے تمہیں تو ہوٹل جانا تھا انتظامات دیکھنے کے لئے۔'' خیال آنے پر وہ چونکا۔

''ہاں پر اس وقت مجھے بے چینی سی ہو رہی ہے جب تک سٹنگ روم کی صورت حال جان نہ لوں میں کہیں نہیں جا رہا۔'' اس کے انداز سے اضطراب مترشح تھا، وہ دونوں پھر سے خاموشی میں ڈوب گئے، تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد وہ فارنر لڑکی باہر آتی دکھائی دی، دونوں چوکنے ہو کر بیٹھ گئے، اس نے جاتے جاتے دونوں پر مسکراہٹ اچھالی اور مین گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔

''چلو اندر چلتے ہیں۔'' وہ دونوں تیزی سے سٹنگ روم کی جانب بڑھے جس کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا، وہ دونوں بلا جھجک اندر داخل ہو گئے اندر موجود افراد کے چہرے دیکھ کر شیبان کو اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ صورت حال سنگین ہے۔

''بابا جان کون تھی وہ لڑکی؟'' وہ ان کے نزدیک صوفے پر ٹک گیا۔

''افنان کی بیوی ہے وہ اور اس کی بیٹی کی ماں بھی ہے، افنان اس سے چھپ کر یہاں شادی کر رہا تھا۔'' ثروت نے بتایا۔

''او گاڈ۔'' مرتضٰی کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی جبکہ شیبان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دکھ کا اظہار کرے یا خوشی کا۔

''اسے کیسے معلوم ہوا کہ افنان یہاں شادی کر رہا ہے۔'' اس نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

''کہہ رہی تھی کہ اسے کسی دوست نے اطلاع دی تھی، بتا رہی تھی کہ ائیر پورٹ سے ہوٹل گئی، اپنی بیٹی کو ہوٹل میں چھوڑ کر یہاں آئی تھی اور اب بیٹی کو لے کر افنان کے گھر جائے گی کس قدر دھوکہ باز لوگ ہیں۔'' ثروت سے چہرے سے بھی اب اطمینان جھلک رہا تھا، جبکہ وجاہت یزدانی اور فرحت یزدانی کا متوقع بدنامی کا سوچ کر برا حال تھا، ان کے اعصاب شل ہو رہے تھے، پی سی کے بینکوئٹ ہال میں بارات کے لئے انتظام کیا گیا تھا، کس کس کو جواب دیں گے اور کیا جواب دیں گے، مرتضٰی کی منگنی ہو چکی ہے، عدیل عمر میں میرال سے چھوٹا ہے، سوچتے وجاہت یزدانی کی نظر شیبان پر پڑی تو انہیں یاد آیا کہ شزاء اور اس کے درمیان جو رشتہ تھا وہ اب ختم ہو چکا ہے، یکایک ان کی آنکھوں میں چمک کوندی تھی۔

☆☆☆

اس نے ایک جانچتی ہوئی نظر کمرے پر ڈالی، جسے حجلہ عروسی کے طور پر سجایا گیا تھا، ہنگامی صورتحال کے باوجود تزئین و آرائش خوب تھی، مرتضٰی کے علاوہ احمر اور عدیل نے بھی اپنی تمام صلاحتیں صرف کر دی تھیں، گلاب اور چنبیلی کے علاوہ کمرے کی فضا میں ائیر فریشنرز کی مسحور کن مہک بھی پھیلی ہوئی تھی، وہ بیڈ کے بیچوں بیچ سلور اور پیچ کلر کے لہنگے میں دلہن بنی بیٹھی تھی، تائی جی نے شام میں شیبان کے ساتھ ہی جا کر سارا عروسی ساز و سامان خریدا تھا اور اس وقت وہ شیبان کے کمرے میں اس کی منتظر تھی، گزشتہ شب اس نے رو رو کر اپنے معبود سے شیبان کو مانگا تھا اور اس کے معبود نے شیبان اسے نواز دیا تھا، افنان کی بیوی کے منظر عام پر آنے کے بعد وجاہت یزدانی کو یہی مناسب لگا تھا کہ مقررہ وقت پر شیبان کے ساتھ میرال کا نکاح کر دیا جائے، شیبان کی تو دلی مراد بر آئی تھی، وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ قدرت اس پر اس طرح مہربان ہو جائے گی۔

اچانک ہی میرال کی ذہنی رو بھٹک گئی ''شیبان نے مجبوری میں میرا ساتھ قبول کیا ہے، خاندان کی عزت بچانے کے لئے، پھر مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ جبراً خود کو ان پر مسلط کروں۔'' وہ ایک جھٹکے سے بیڈ سے نیچے اتر آئی، پھولوں کی ایک لڑی ٹوٹ کر بیڈ پر آ گری تھی، ڈریسنگ ٹیبل کے نزدیک آ کر اپنے زیورات اتارنے لگی، اندر اسی قدر شور ہونے لگا تھا کہ اسے پتا ہی نہیں چلا کے کب دروازہ کھول کر شیبان کمرے میں داخل ہوا، وہ تو جب اس نے میرال کی کلائی اپنی گرفت میں لی تب وہ گھوم کر اسے دیکھنے لگی۔

''یہ کیا ابھی تو میں نے تمہیں ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں۔'' اس کا لہجہ پھول برسا رہا تھا۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' وہ شیبان کی جانب دیکھنے سے گریز برت رہی تھی۔

''ارے تمہیں اس لئے تو نہیں اپنایا کہ......'' اس نے میرال کی کلائی کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو وہ بے اختیار اس کے نزدیک چلی آئی، بے حد نزدیک کے شیبان کی گرم سانسیں اس کی دھڑکنوں کو منتشر کرنے لگیں۔

''میں جانتی ہوں آپ نے خاندان کی عزت بچانے کے لئے مجھے اپنایا ہے۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''ہاں، مگر یہ میرے دل کا تقاضا بھی تو تھا، میری روح تک میں تمہاری آرزو بسی تھی، دل و نظر کے تقاضے تو تم جان ہی لو گی۔'' جذبات کی شدت سے اس کا لہجہ بوجھل ہو رہا تھا میرال کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔

''شزاء اس کی کیا حیثیت تھی آپ کے دل میں۔'' وہ پوچھنے سے باز نہیں آئی۔

''وہ اگر میری دوست تھی تو احمر کی محبت تھی، احمر کی خاطر مجھے وہ سب کرنا پڑا، احمر کے جانے کے بعد انکل شزاء کا کسی دوسری جگہ رشتہ طے کر دیتے، بس اسی وجہ سے مجھے منگنی کا ڈرامہ کرنا پڑا، اب جلد ہی عالیہ آنٹی، شزاء کے گھر رشتے کی بات کرنے جائیں گی، ارے کیا ہم دونوں ایسے ہی کھڑے رہیں گے۔'' بات کرتے کرتے وہ بولا، وہ اسے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر بیڈ کی جانب بڑھا۔

''افنان کی بیوی کو اس کی دوسری شادی کی اطلاع دینے کا کارنامہ شزاء اور زری نے سر انجام دیا ہے، اگر وہ دونوں چوکس نہ ہوتیں تو آج میں تم سے جدائی کا سوگ منا رہا ہوتا اور تم اس دھوکے باز کے پلے بندھ چکی ہوتیں، میں ان دونوں کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا۔'' وہ اسے بیڈ پر بیٹھا کر خود بھی اس کے نزدیک بیٹھ گیا، جبکہ وہ حیرت کی زد میں تھی پھر اسے زری کی مشکوک سرگرمیاں یاد آنے لگیں۔

''ایک بات اور بتاؤں افنان کی بیوی شائستہ آنٹی کی نیبر ہے سو اس بات کی گواہی شائستہ آنٹی نے بھی دی کہ افنان دھوکہ باز ہے اور وہ لیزا کا شوہر ہے۔'' وہ اس کی حنائی ہتھیلی تھامے اس کی چوڑیوں سے کھیل رہا تھا۔

''ایک بات میں سمجھ نہیں پایا، تم تو میری ہر بات سے اختلاف کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں تو تمہارے اندر کا موسم کیسے بدلا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر اعتراف مانگ رہا تھا۔

''پتا ہی نہیں چلا کے کب ایسا ہوا، شاید اس وقت جب آپ ملک سے باہر چلے گئے، تب مجھے کچھ گم ہونے کا احساس ہوا جیسے...... جیسے میں آپ کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی میرے رب کا احسان ہے کہ اس نے مجھے آپ کا ساتھ نواز دیا۔'' وہ شکر گزار تھی۔

''چلو ہم نوافل ادا کر کے اپنے رب کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ بخشا۔'' شیبان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے بھی شیبان کی پیروی کی تاکہ شکرانے کے نوافل ادا کر کے اپنی نئی زندگی کا آغاز کر سکے، جہاں شیبان اپنی بے پناہ محبت کے ساتھ اس کا ہم سفر تھا اور انہیں اب اپنی زندگی میں محبت کو آباد کرنا تھا۔

سندس جبیں

چھٹی قسط

اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھل رہی تھیں، چند لمحے وہ سپاٹ سے انداز میں چھت کو دیکھتی رہی پھر اس نے کمرے کے اردگرد نظر دوڑائی، وہ غالباً کوئی بیڈ روم تھا۔

اس نے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی مگر اسے ناکامی ہوئی، اسے اپنے متعلق کچھ یاد نہیں آ سکا، اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک نرس کی صورت نظر آئی، وہ اسے ہوش میں دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئی پھر یکدم تیزی سے واپس مڑی اور بھاگنے کے سے انداز سے باہر نکل گئی، غالباً وہ کسی سنیئر ڈاکٹر کو بلانے گئی تھی، کچھ دیر بعد سفید اوور آل پہنے ایک تھائی نقوش کا حامل ڈاکٹر تیز تیز چلتا اندر داخل ہوا، وہ اسی تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کا احوال دریافت کرتے ہوئے اس کا

ناولٹ

بنیادی اور ضروری چیک اپ کرنے لگا۔

''مجھے یہاں کون لے کر آیا ہے؟'' اس نے انگریزی میں دریافت کیا۔

''آپ کے شوہر۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

اس کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک پھیل گئیں، یکدم اس کے دماغ میں اسپارکنگ سی ہوئی اور مہروز کمال سے ہونے والا جھگڑا پوری شد و مد سے اسے یاد آ گیا۔

''آپ ٹھیک ہیں نا؟'' ڈاکٹر نے اس کے تاثرات سے گھبرا کر تیزی سے پوچھا، مگر وہ پھر سے غنودگی میں جا چکی تھی۔

☆☆☆

رات کے کھانے پہ تیمور احمد بے حد پریشان تھے، لمبی سی میز کے گرد صرف تین نفوس براجمان تھے۔

''مرینہ! اسید کدھر ہے؟'' وہ جانے کس رو میں تھے۔

"اپنے کمرے میں ہوگا۔"

"کھانے کی میز پہ کیوں نہیں آیا وہ، بلاؤ اسے۔" وہ قدرے ناگواری سے بولے۔

مرینہ نے بے حد چونک کر انہیں دیکھا، بجائے اس کے کہ وہ خوش ہوتیں، ان کے اندر کہیں گھنٹی بجنے لگی، وہ خاموشی سے اٹھ گئیں۔

"حبا! پہلا دن کیسا رہا اپنی ٹیچر کے ساتھ؟" ان کا لہجہ نرم تھا، حبا جواب دیئے بغیر خاموشی سے پلیٹ کو گھورتی رہی۔

"مجھے ان سے نہیں پڑھنا پاپا۔" اس کی آواز دھیمی تھی، تیمور نے طویل سانس لے کر سر جھکا، یوں جیسے وہ اس سے یہی توقع کر رہے تھے، اسی دوران انہیں اسید، مرینہ کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔

"السلام علیکم پاپا!" وہ قریب آکر بولا تھا۔

"وعلیکم السلام! کہاں تھے تم؟ کیا تم میں اتنی تہذیب نہیں کہ کھانے کے وقت میز پہ ہونا چاہیے؟" ان کا لہجہ کڑا تھا۔

"آئم سوری، ایک ضروری اسائمنٹ تیار کر رہا تھا۔" وہ ندامت سے بولتے ہوئے ان کے برابر بیٹھ گیا، ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا، تیمور احمد اس کے لئے بہت سخت اور کرخت مزاج تھے مگر یہ بھی سچ تھا کہ ان سے کھانے کی میز پہ کسی کی غیر موجودگی برداشت نہیں ہوتی تھی، نازک سے نازک حالات آئے مگر اس آبنوسی میز کے گرد نفوس کی تعداد ہمیشہ چار رہی، اب بھی وہ ان کے برابر بیٹھا تو ان کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا تھا، وہ سب کھانا کھانے میں مصروف ہوگئے۔

"تمہارے ایگزامز تو ہو چکے، یہ کون سی اسائمنٹ ہے؟" وہ اچانک یاد آنے پہ پوچھنے لگے، انداز میں تشکیک کا پہلو نمایاں تھا، اسید نے طویل سانس لیا۔

"ہمارے ایک پروفیسر کی اکیڈمی ہے وہ اپنے سٹوڈنٹس کے لئے نوٹس لینا چاہ رہے تھے میرے، انہی کو نیٹ کر رہا تھا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بتانے لگا۔

"اوہ! اور کیا مصروفیات ہیں آج کل تمہاری؟" ان کا لہجہ بدلا ہوا تھا، اسید کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

"کچھ بھی نہیں، سوچ رہا ہوں لاہور چلا جاؤں۔" اس کا انداز سادہ سا تھا۔

"لاہور روانگی فی الحال ملتوی کر دو، تمہاری یہاں موجودگی زیادہ ضروری ہے۔" ان کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"جیسا آپ کہیں۔" وہ حیرت کے ابتدائی جھٹکے سے سنبھل کر بولا تھا۔

"حبا!" اب وہ حبا سے مخاطب تھے۔

"جی پاپا!" وہ چونک کر بولی۔

"کھانا کھانے کے بعد کتابیں لے کر لاؤنج میں آجاؤ۔" شاید اندر ہی اندر وہ کوئی فیصلہ کر چکے تھے۔

"مجھے اس ٹیچر سے نہیں پڑھنا پاپا! میں آپ کو بتا چکی ہوں۔" وہ قدرے بدتمیزی سے فورک پلیٹ میں پٹخ کر بولی تھی، اسید نے چونک کر ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا، وہ اس کی سکھائی ہر بات بھولتی جا رہی تھی۔

"پوری بات تو سن لو، بے وقوف لڑکی۔" وہ اسے ڈانٹ کر بولے تھے، حبا نے تپی تپی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"تمہیں اسید پڑھائے گا۔" انہوں نے حبا کے سر پہ جیسے بم پھوڑا تھا۔

"کیا؟" حبا حیرت آمیز خوشی سے چلائی تھی، جبکہ اسید ششدر سا بیٹھا تھا۔

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی، ہر شخص حیران تھا، ایک دوسرے سے نظر چراتا، چھپ چھپ کر روتا ہوا، احمر مغل کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور سبین نروس بریک ڈاؤن کے سبب ہاسپٹلائز تھی، رشتے دار اور اردگرد سے کوئی خاص گیسٹ تو تھا نہیں، مغل ہاؤس کے قریبی رشتے داروں میں صرف نبیلہ چچی کی بہن سبیلہ بیگم ہی تھیں جو کہ سبین کی والدہ تھیں، انہیں بھی انفارم کیا جا چکا تھا، معاملہ ایسا تھا کہ چھپایا ہی نہ جا سکتا تھا، ان کی حالت تو بیان سے باہر تھی، وہ مستقل سبین کے پاس ہاسپٹل میں تھیں اور چھوٹی دونوں بیٹیاں مغل ہاؤس میں تھیں اور اس سارے قصے کا سب سے امپورٹنٹ کردار عباس مغل جو گزشتہ دو دنوں سے کسی بزنس سیمینار کے سلسلے میں اسلام آباد تھا، اس بات سے بے خبر تھا کہ گھر میں کیا قیامت گزر چکی تھی۔

دوسری طرف شاہ بخت جس نے اس سارے معاملے میں مڈل مین کا کردار ادا کیا تھا اب اس بات سے یکسر بے خبر تھا کہ ایاز نے کس قدر خوفناک انداز میں معاملے کو اختتام تک پہنچایا تھا، جس نے دو لوگوں کو زندگی موت کی سرحد پہ لا کھڑا کیا تھا اور جس نے پورے مغل ہاؤس کی بنیادیں ہلا ڈالی تھیں، وہ اس سے قطعی بے خبر تھا۔

یہ دونوں نفوس ایسے تھے جنہیں کسی نے انفارم نہیں کیا تھا، عباس تو دو دن بعد لوٹ آیا تھا اور آتے ہی اس روح فرسا خبر نے اس کی دھڑکنیں تھما دی تھیں، بعض ڈر بعض خدشات کتنے حقیقی ثابت ہو جاتے تھے، بعض حادثے کیوں زندگی کا حصہ ہوتے ہیں؟ اور وہ زندگی سے اپنا حصہ وصول بھی کر لیتے ہیں، حادثوں کا اثاثہ؟ انسان نے آنسو، یہ انمول موتی جو کئی مقامات پر بڑے روح پرور ہوتے ہیں اور بعض اوقات بے حد بے معنی اور بے مول، جیسے آج عباس کے آنسو تھے۔

کمرہ بند کر کے وہ کتنی ہی دیر سسکتا رہا تھا، بدقسمتی کی انتہا تو یہ تھی کہ نیویارک سے آنے والا پارسل جس میں ڈائیورس پیپرز تھے اسی نے وصول کیا تھا، سبین کو ہوش آ چکا تھا اور سب اسے دیکھنے ہاسپٹل بھی جا چکے تھے مگر عباس...... عباس خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا تھا کہ وہ اس کا سامنا کر سکے، حالانکہ انصاف کی نظر سے دیکھا جاتا تو وہ خود بے قصور تھا، بڑے بھائی کے اس فعل کا وہ قطعی ذمہ دار نہ تھا مگر کیا کیا جائے اس کی حساس طبیعت کا؟ جو ہر لمحہ اسے ہی قصوروار گردانتی تھی، وجہ؟ وجہ بھی تو مضبوط تھی، ہاں...... وجہ تھی، یہ عباس ہی تھا جس کے علم میں پہلی بار یہ بات آئی تھی کہ سبین ایاز کے ساتھ خوش نہیں تھی، اس نے بے وقوفی ہی تو کی تھی کہ اسے وقار سے ڈسکس کرنے کی بجائے شاہ بخت سے ڈسکس کیا تھا جو خود بھی ان معاملات سے یکسر نابلد تھا، اس کے اندر گہرا ملال اترتا جا رہا تھا اسے افسوس تھا، دکھ تھا اور پچھتاوا بھی کہ اگر اس نے تب معاملے کو سنجیدہ لے کر کوئی مناسب قدم اٹھایا ہوتا تو شاید...... ہاں شاید معاملہ یہاں تک نہ آتا، شاید ایاز اتنی انتہا پر نہ اترتا اور شاید سبین یوں ایک خود پسند اور انا پرست مرد کے ہاتھوں تباہ نہ ہوتی۔

کتنے سارے شاید تھے اس کے پاس، مگر وہ اس بات سے یکسر بے خبر تھا کہ ایاز احمر مغل جیسے لوگ واقعی سمجھوتوں بھری زندگی نہیں گزار پاتے، آزاد پنچھیوں کو بھی کبھی کوئی قید کر سکا ہے؟

وہ ہاسپٹل جانے نہ جانے کی کشمکش میں تھا کہ سبین اپنی والدہ کے ساتھ واپس اپنے گھر چلی گئی، اس نے آمنہ بھابھی کو کسی کو بتاتے سنا کہ وہ عدت میں تھی اور اس کا دل جیسے ٹکڑوں میں بٹ

گیا تھا۔

"مغل ہاؤس" میں ایک وحشت ناک خاموشی نے ڈیرا جما لیا تھا اور انہی بے زار اور ویران دنوں میں شاہ بخت بھی نیویارک سے لوٹ آیا، آج پھر اسے لینے کے لئے عباس ہی ایئرپورٹ گیا تھا، مگر اس نے گزشتہ وقت کی طرح کوئی شرارت نہ کی، دونوں کتنی ہی دیر ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے، خاموش مہر بہ لب کہنے کو اب بچا بھی کیا تھا۔

"سب ختم ہو گیا بخت۔" اس کی آواز میں کتنے نوحے تھے، شاہ بخت نے اس کا شانہ سہلایا۔

"حوصلہ کرو عباس۔" اس کی اپنی آواز غم سے بوجھل تھی۔

"نہیں ہوتا حوصلہ میرے بھائی۔" اس کی آنکھوں کی سرخی مزید گہری ہو گئی تھی، یقینی طور پر اس نے اسے واقعے کا شدید اثر لیا تھا، جس کا اندازہ شاہ بخت کو اس کے چہرے سے ہی ہو رہا تھا۔

"تم اس کے ذمہ دار نہیں ہو عباس۔" بخت نے اسے حوصلہ دیا تھا۔

"میں ہوں، ہاں میں ہی تو ہوں، اگر تب میں نے وقار بھائی کو سب بتا دیا ہوتا تو شاید آج یہ سب نہ ہوتا، وہ یقیناً اس مسئلے کا کوئی حل نکال لیتے۔" وہ پچھتا رہا تھا۔

بخت کو اس کے بچکانہ رویے پر حیرت ہوئی، وہ دونوں اب پارکنگ کی سمت جا رہے تھے۔

"تم ایک فضول اور لایعنی بات کر رہے ہو عباس! میں نے ایاز کے تیور دیکھے ہیں، وہ وہی کرتا جو اس نے اول دن طے کیا تھا اور حقیقت یہی ہے کہ اس نے کسی قسم کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی، پلٹنے کا راستہ خود بند کرنے والے لوگ پچھتانا نہیں جانتے عباس! تم اس معاملے میں قطعی طور پر انوالو نہیں ہو، اس لئے خود پر کسی قسم کا بر ڈن لینے کی ضرورت نہیں ہے، سمجھے تم۔" اس کا انداز سخت ہو گیا۔

"لیکن اس بات سے تو تم انکار نہیں کرو گے نا کہ ہماری وجہ سے ایک معصوم اور بے خطا لڑکی کی زندگی برباد ہو گئی۔" عباس کا لہجہ دکھ سے بھرا ہوا تھا۔

"ہماری وجہ سے نہیں، ایاز کی وجہ سے۔" بخت نے دوٹوک انداز میں تصحیح کی، اس کے لہجے میں ایاز کے لئے احترام یکسر ختم ہو چکا تھا، وہ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔

"ایاز ہم میں سے ہی ہے۔" عباس نے تلخی سے کہا۔

"غلط...... بالکل غلط، وہ ہم سے ہوتا تو کبھی یہ قدم نہ اٹھاتا، اس کے اندر شروع سے ہی نواز بھائی کے جرثیم تھے۔" بخت کا دماغ بھی گرم ہو رہا تھا۔

"کیا مطلب؟" سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے عباس نے کہا۔

"خود غرضی اور بے حسی کی جراثیم۔" بخت نے سرد مہری سے کہا، عباس خاموشی سے گاڑی سٹارٹ کرنے لگا۔

"سبین کہاں ہے اس وقت؟" بخت نے موضوع بدلنا چاہا۔

"اپنی والدہ کے گھر۔" عباس نے مختصراً کہا۔

"تایا ابو کی طبیعت کیسی ہے؟"

"بہتر ہے، آج شام تک ڈاکٹرز ڈسچارج کر دیں گے۔"

"کہتے کیا ہیں ڈاکٹرز؟" اس کا تفکر ظاہر تھا۔

"بس یہی کہ ٹینشن سے بچایا جائے۔" عباس نے گہری سانس لی۔

"ناممکن سی بات ہے، جب وہ گھر آئیں گے تو لامحالہ پھر سے وہی موضوع ہو گا۔"

"ہاں، وقار بھائی تو سب کو تاکید کر چکے ہیں کہ ان کے سامنے کوئی یہ قصہ نہیں دہرائے گا۔"

"اللہ پاک سب بہتر کرے گا عباس، تم ٹینشن نہ لو۔" اس نے عباس کا شانہ تھپتھپایا، مگر وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اس سوچ میں گم تھے کہ طوفان تو گزر گیا اب ٹوٹی کشتیوں اور پھٹے بادبانوں کو سہارا کون دے گا؟ گاڑی میں اب وحشت ناک خاموشی چھا چکی تھی، باقی کا سارا رستہ اسی خاموشی کی نظر ہو گیا، وہ گھر آئے تو عباس کو گھر میں پھیلی خاموشی قدرے غیر فطری لگی، وہ بخت کو سوٹ کیس گھسیٹتا ہوا اندر لے آیا جس میں اس کا سامان کم اور تحائف زیادہ تھے، وہ ہمیشہ یونہی کرتا تھا، سب کے لئے شاپنگ کرتے کرتے وہ دو ہستیوں پہ آ کر جانے کیوں تھم سا جاتا۔

"رمشہ احمد مغل۔" جس کی غیر معمولی حب الوطنی بعض اوقات اس کے لئے امتحان بن جایا کرتی تھی، خاص طور پر تب جب اسے ابروڈ سے کچھ خریدنا پڑتا اور عموماً ایسا ہوتا تھا کہ وہ رمشہ کے لئے کچھ نہیں لاتا تھا، وہ غیر ملکی پروڈکٹس سے سخت الرجک تھی، جبھی شاہ بخت کی مشکل آسان ہو جاتی اور وہ یہ بات بڑے دھڑلے سے اسے جتاتا تھا۔

دوسری طرف تھی "علینہ احمد مغل" جس کے لئے وہ ہمیشہ کچھ بھی خریدتے ہوئے کنفیوژن کا شکار ہو جاتا، کہ وہ ان سب کو اسے دے بھی پائے گا یا نہیں اور عموماً وہ دوسرے فیصلے پہ قائم رہتا یعنی نہ دینے والے فیصلے پر اور پتا نہیں کیوں؟ مگر اسے لگتا وہ کبھی اس کا تحفہ نہیں لے گی، مگر لاسٹ ٹائم اس نے اپنے ذہن سے سارے خدشات نکال کر اسے اپنے تئیں نہایت بے ضرر سا گفٹ (جو کہ صرف ایک خوبصورت ریسٹ واچ تھی) دینا چاہا تھا اور اس کا جو خوفناک نتیجہ سامنے آیا تھا اس کا تلخ تجربہ وہ ابھی بھولا نہیں تھا، لیکن اس سب کے باوجود وہ بھی شاہ بخت مغل تھا، اپنے نام کا ایک، وہ وقتاً فوقتاً اس کے لئے کچھ نہ کچھ خریدتا رہتا تھا، جو کہ بعد میں اس کی کپ بورڈ کے خانے میں محفوظ ہوتا جاتا، چونکہ کپ بورڈ کا یہ حصہ ہمیشہ لاک رہتا تھا جبھی علینہ کی امانتیں بھی باحفاظت موجود تھیں جن کا ایک ڈھیر جمع ہو چکا تھا، بے شمار چھوٹی چھوٹی چیزیں، کیچر، بریسلٹ، ایئر رنگ، کلر نگ بکس، وشنگ کارڈز، رنگز، نازک سی اسٹائلش بینڈلز، ہیر پنز، بنیڈز اور کئی خوبصورت اور جدید تراش خراش کے شرٹ ٹراؤزرز شامل تھے، اب کی باران میں مزید اضافہ ہونے والا تھا۔

"ہیلو...... ہیلو۔" بخت لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بلند آواز میں بولا تھا، عجیب سی خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔

"عباس! سب کدھر ہیں؟" وہ اس کی طرف پلٹا۔

عباس خود بھی حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا، لاؤنج بھائیں بھائیں کر رہا تھا، حالانکہ یہ لنچ کا وقت تھا، اسی وقت کچن سے کومل در آمد ہوئی۔

"بخت بھائی! آپ آ گئے؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں کیسی ہو کومل؟ گھر میں کوئی نہیں کیا؟" وہ اس سے مصافحہ کرنے کے بعد پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کے بولا تھا، جواباً کومل کی آنکھیں ڈبڈبا سی گئیں۔

"ارے...... ارے کیا ہوا؟ بھئی بولو نا؟"
عباس نے ہکا بکا سا ہو کر اسے دیکھا، وہ روتی ہوئی اس کے شانے سے آ لگی۔
"عباس بھائی! وہ سیبن...... سیبن...... سیبن ٹھیک نہیں ہیں۔" وہ آنسوؤں کے درمیان بمشکل بات مکمل کر پائی تھی، عباس کا رنگ بدل گیا۔
"کیا ہوا ہے انہیں؟" اس نے جھٹکے سے کومل کو الگ کیا، شاہ بخت نے قدرے چونک کر عباس کو دیکھا، اس کے تاثرات اتنے غیر فہم نہیں تھے کہ وہ سمجھ نہ پاتا۔
"ان کی طبیعت پھر سے بگڑ گئی ہے، سب ادھر گئے ہیں، بس میں اور علینہ گھر پہ ہیں، رمشہ بھی چاچو کے پاس ہاسپٹل میں ہے۔" وہ رو رہی تھی۔
"بس کرو کومل، بس چپ کرو۔" بخت اسے خاموش کروانے لگا، عباس واپس مڑ چکا تھا، بخت اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر سچویشن ایسی تھی کہ وہ خود کو اس قابل نہیں پا رہا تھا کہ اتنے ٹینس ماحول میں سب کا سامنا کر سکے، دوسرے اسے یہاں رہنا زیادہ بہتر لگا تھا، کومل اور علینہ کو مزید تنہا چھوڑنا مناسب نہیں لگا تھا اسے، کومل کی حالت تو وہ دیکھ چکا تھا، یقینی طور پر علینہ کی حالت کومل سے مزید بدتر ہی ہونا تھی، سوئے اتفاق اسی وقت علینہ کمرے سے نکلتی دکھائی دی۔
"آپ؟" وہ شاہ بخت پہ نظر پڑتے ہی بھرپور انداز میں چونکی تھی۔
"کیسی ہو علینہ؟" اس نے نرمی سے کہا، نظر اس پہ جم سی گئی تھی، سوجی ہوئی متورم آنکھیں، سرخ ہوتا بھیگا چہرہ اور تھکے تھکے سے اعصاب لیے وہ بہت افسردہ اور پژمردہ لگ رہی تھی۔
"ٹھیک ہوں۔" دھیمے سے کہتی وہ سر جھکا گئی تھی۔
"غلط بھائی! یہ بالکل ٹھیک نہیں ہے، اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا، میں کب سے اس کی منتیں کر رہی ہوں۔" کومل نے جھٹ اس کی شکایت لگائی۔
"کومل پلیز میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا۔" وہ سستی سے بولی، جواباً کومل ناراضی سے پیر پٹختی مڑ گئی، اس میں بھی اس کی محبت پنہاں تھی۔
علینہ کچن کی طرف بڑھ گئی، ارادہ چائے بنانے کا تھا، شاہ بخت اس کی پیروی میں کچن کے فریم میں کھڑا ہو گیا۔
"اگر زحمت نہ ہو تو ایک کپ میرے لیے بھی۔" اس نے کہا، وہ چونکی پھر سر ہلا دیا۔
"کھانا گرم کر دوں آپ کے لئے؟" اس کی پیشکش پر بخت کو خوشگوار حیرت ہوئی۔
"ضرور مگر میں بہت تھکا ہوا ہوں، فریش ہونا چاہتا ہوں، تم یہ سب تیار کر کے میرے کمرے میں لے آنا۔" نا چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ قدرے تحکمانہ ہو گیا۔
"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔
بخت واپس مڑ گیا، سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ اپنا سوٹ کیس لینا نہیں بھولا تھا، اسے فریش ہونے میں قریباً دس منٹ لگ گئے، بال بنا کر وہ سوٹ کیس کھول کر بیٹھ گیا، کارپٹ پہ ڈھیروں چیزیں بکھر گئیں، اس نے وارڈ روب کے پٹ کھولے اور اپنی چیزیں رکھنے لگا، پھر باقی چیزیں رکھنے کا سوچا مگر پھر خیال آیا کہ رات کو جب سب کو دینا ہی ہیں تو واپس سوٹ کیس میں ہی کیوں نہ ڈال دی جائیں، اتنی تگ و دو کا فائدہ، ابھی وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ آہستگی سے دروازہ بجایا گیا۔
"آ جاؤ علینہ!" اس کی آواز پر وہ دروازہ کھولتی اندر آ گئی، دونوں ہاتھوں میں بڑی سی

ٹرے تھامے جو لوازمات سے بھری ہوئی تھی۔
"اوہ! آپ نے تو اتنا کچھ پھیلایا ہوا ہے، کہاں رکھوں؟" وہ چیزوں سے بچتی ہوئی بولی۔
"بیڈ پہ رکھ دو۔" وہ خود بھی بچتا بچاتا بیڈ کی طرف آ گیا، وہ ٹرے میں رکھے لوازمات کو بغور دیکھ رہا تھا، رشین سلیڈ، میکرونی، بریانی، سویٹ ڈش میں بنانا ڈیزرٹ اور ساتھ رکھا کافی کا بڑا سا مگ، بخت کی بھوک چمک اٹھی۔
"تم کدھر؟" وہ اسے واپس مڑتے دیکھ کر بولا تھا۔
"بیٹھو ادھر، کھانے میں میرا ساتھ دو۔" اکڑ کے بولا، علینہ گڑبڑا سی گئی۔
"میرا دل نہیں چاہ رہا۔" اس کے لفظوں میں نمی گھل گئی۔
"عینا! ادھر بیٹھو۔" وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا، اس کے شانے پہ ہاتھ کا نرم دباؤ ڈال کر اسے بیڈ پہ بیٹھایا اور خود اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔
"پریشانیاں زندگی کا حصہ ہوتی ہیں، ذرا سوچو! تم ایک غیر متعلق شخص ہو کر اس قدر ڈس ہرٹ ہو تو وہ جن پر یہ قیامت گزری ہے ان کا کیا حال ہو گا؟" اگرچہ اس کے الفاظ قدرے سخت تھے مگر لہجہ نرم و ملائم، سمجھانے والا، وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ اس کے مخصوص کلون Okley کی مہک اس کو بخوبی محسوس ہو رہی تھی مگر وہ اس کے الفاظ پہ تڑپ اٹھی۔
"میں ایک غیر متعلق شخص نہیں ہوں، سیبن میری بھابھی ہیں اور جو ہاسپٹلائز ہیں وہ میرے بابا۔" وہ پھر سے رونے کو تیار تھی۔
"وہ تمہاری بھابھی تھیں، اب نہیں ہیں، رشتوں کو اصل شکل میں ہی قبول کیا جاتا ہے۔" وہ دوٹوک بولا۔
"ٹھیک ہے لیکن اس کے باوجود میں خود کو اس کرائسسز سے الگ نہیں کر سکتی، یہ میرے گھر کا معاملہ ہے، آپ بتائیں آپ کر سکتے ہیں خود کو الگ؟" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
شاہ بخت کے دل کو کچھ ہوا تھا، ان کے درمیان بظاہر کوئی دوستی نہیں تھی مگر اس کے باوجود ایک بہت خاص رشتہ تھا اور اس وقت اس کے دل پہ علینہ کے آنسوؤں نے گہرا اثر کیا تھا۔
"عینا! عینا! جسٹ لسن ٹو می، ڈونٹ بی سو فرسٹریٹڈ۔" اس سے ضبط نہیں ہو سکا تھا، نرمی سے اس کا شانہ تھپتھپاتے وہ اس کے آنسو پونچھنے لگا اور ذرا سی ہمدردی اور مہربان آغوش پاتے ہی وہ بکھر گئی، پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے وہ اسے بتانے لگی کہ کس طرح تایا جان ایاز کو گالیاں دیتے تھے، کس طرح سب اسے نظر انداز کر رہے تھے، محض بچی سمجھ کر اسے ہاسپٹل نہیں لے جایا گیا تھا اور نہ ہی سیبن کے گھر، وہ اکیلی ہی کمرہ بند کر کے روتی رہی اور پریشان ہوتی رہی تھی۔
شاہ بخت کو دلی افسوس ہو رہا تھا، وہ کچھ دیر مزید اسے چپ کرواتا رہا اور پھر خود ہی اسے ہاتھ پکڑ کر باتھ کی سمت لے گیا، وہ منہ دھو کر باہر آئی تو بے حد شرمندہ تھی، وہ اس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔
"سوری آپ اتنے تھکے ہوئے تھے، میں نے آپ کو مزید پریشان کر دیا۔" وہ ندامت سے گویا ہوئی تھی، شاہ بخت کو چہرے پہ ایک دلکش مسکراہٹ آ گئی۔
"اٹس او کے عینا! پلیز آ جاؤ، مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" وہ بولا۔
وہ جھجکتی ہوئی اس کے سامنے آ بیٹھی، اپنی گھبراہٹ میں اس نے غور ہی نہیں کیا تھا کہ وہ اسے کب سے عینا کہے جا رہا تھا، ٹرے میں اس وقت دو چمچ رکھے ہوئے تھے، وہ چونکہ کھانا

کھاتے ہوئے دو چیچ یوز کرنے کا عادی تھا جبھی وہ دو ہی لائی تھی، دو چیچ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ وہ دونوں چمچوں سے بھر بھر کر کھانا شروع کر دیتا تھا، بلکہ کھاتا وہ ایک سے ہی تھا مگر دوسرے چیچ کو اس قدر مہارت سے استعمال کرتا کہ دیکھنے والا عش عش کر اٹھتا، اب بھی علینہ کی نظر اس پہ جمی تھی، بلکہ نہیں...... اس پر نہیں اس کے ہاتھوں پر، جو کہ دو چیچ ہاتھ میں لئے اسے دیکھ رہا تھا، ٹرے میں کوئی ایکسٹرا تیسرا چیچ موجود نہیں تھا۔

''تم یہ لے لو۔'' شاہ بخت نے خاموشی سے ایک اس کی سمت بڑھایا۔

''نہیں رہنے دیں میں لے آتی ہوں۔'' وہ اٹھنے لگی۔

''رہنے دو، کہاں دوبارہ اتنی نیچے جاؤ گی، بیٹھ جاؤ۔'' اس نے چیچ زبردستی اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

اب ایک حیران کن اور مزے دار سچویشن پیدا ہو چکی تھی، جس نے انہیں وقتی طور پر ہر چیز بھلا دی تھی، بخت تو دل ہی دل میں کافی محظوظ ہو رہا تھا جبکہ اس کے برعکس علینہ کافی گھبرائی اور جھجکی سی تھی، دونوں کو ایک ہی پلیٹ میں کھانا تھا، بخت نے بریانی کی پلیٹ اپنے آگے سرکائی اور اسے بھی اشارہ کرتے ہوئے کھانا شروع کر دیا۔

☆☆☆

شائی وانگ کا تعلق بنیادی طور پر تھائی لینڈ کے انتہائی شمال میں برما اور لاؤس کی سرحدوں کے قریب واقع شہر ''چیانگ رائے'' سے تھا، اس کی فیملی خاصی خوشحال اور پڑھی لکھی تھی، وہ دو بہنیں تھیں، تھائی وانگ اور شائی وانگ، ان کی زندگی ہر طرح سے پرسکون تھی، ڈیڈ کا ایک مشہور اور چلتا ہوا کافی ہاؤس تھا، جس سے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی، اس وقت تھائی جو کہ بڑی بیٹی تھی کالج میں پڑھ رہی تھی اور شائی ابھی اسکول لیول پہ تھی جب وہ حادثہ پیش آیا جس نے دونوں بہنوں کی زندگیاں کمزور اور ڈولتی ناؤ کی مانند کی بھنور میں پھینک دیں۔

وہ ایک بہت خوشگوار اور چمکدار صبح تھی جب وہ دونوں اپنے اپنے اسکول و کالج جانے کے لئے تیار ہو رہی تھیں، اچانک مام اور ڈیڈ کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آنے لگیں، تھائی نے اسے وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود باہر نکل گئی، کچھ دیر بعد وہ لوٹی تو بہت پریشان تھی لیکن اس نے شائی کو کچھ نہیں بتایا، وہ معمول کے مطابق اپنے ڈرائیور کے ساتھ چلی گئیں۔

وہ اسکول میں بھی سارا دن پریشان رہی تھی اور بات بہت دن تک اس سے چھپی نہ رہی تھی، ڈیڈ تھائی کی شادی اپنے کسی دوست سے کرنا چاہتے تھے، جو بمشکل ان سے چار پانچ سال چھوٹا تھا، مام اور ڈیڈ بھی اس بات پر کئی بار جھگڑ چکے تھے مگر نتیجہ وہ ڈھاک کے تین پات، تھائی بڑی خوبصورت اور اسٹائلش تھی، کالج میں اس کے بے شمار دوست تھے اور اس میں سے کئی اس سے شادی کے خواہش مند تھے، اب یوں ڈیڈ کا اس پر اپنے ادھیڑ عمر دوست کو تھوپنا اسے سراسر ظلم لگا تھا، اسے کون سا پرپوزلز کی کمی تھی، کئی دن گھر میں مسلسل جھگڑے ہوتے رہے، پھر مام نے ڈیڈ کو صاف کہہ دیا کہ اگر انہوں نے زبردستی کرنے کی کوشش کی تو وہ گھر چھوڑ کر چلی جائیں گی، بہت دن تک گھر میں مام اور ڈیڈ کی سرد جنگ جاری رہی پھر ڈیڈ نے ہار مان لی اور اپنے مطالبے تما خواہش سے دستبردار ہو گئے۔

اس کے بعد بہت دن تک مام ڈیڈ نے آپس میں کوئی بات نہ کی، وہ دونوں ہی والدین کے مابین ہونے والی اس چپقلش سے نالاں تھیں مگر کسی مداخلت سے گریز ہی کر رہی تھیں، آخر ایک دن یہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا اور اس کی وجہ بھی تھائی ہی بنی تھی، اس کی کالج کی پڑھائی ختم ہو چکی تھی اور اس کے ایک کلاس فیلو نے اسے پرپوز کیا تھا، اس دن بہت دنوں بعد انہوں نے مام ڈیڈ کو مل کر باتیں کرتے اور ہنستے دیکھا تھا۔

تھائی بے حد خوش تھی، دونوں کو شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی، گھر میں خوشیوں کی بارات اتر آئی تھی، تھائی کی شادی بخیر و عافیت سے انجام پا گئی، شائی بے حد خوش تھی، اس کی اسکولنگ مکمل ہو چکی تھی، زندگی خوش و مطمئن تھی کیونکہ زندگی میں سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا، مگر یہ سب کچھ بہت دن تک ٹھیک نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

سہ پہر کا وقت تھا، موسم بتدریج بدل رہا تھا، شام کی ہوا بڑی بھلی اور خوشگوار لگتی تھی، اس وقت بھی آسمان بڑا خوبصورت لگ رہا تھا نیلا نیلا سا، لاؤنج کی سلائیڈنگ ونڈوز کھلی ہوئی تھیں، صوفوں کے درمیان پڑے ٹیبل پہ ڈھیر ساری بکس اور نوٹ بکس پڑی تھیں، ایک طرف ٹیبل کے حبا بیٹھی تھی، فلور کشن پر اور میز پر رکھی نوٹ بک میں کچھ لکھ رہی تھی، جبکہ ٹیبل کے دوسری طرف اسی کی مانند فلور کشن پہ اسید مصطفیٰ براجمان تھا۔

وہی اسید مصطفیٰ جو کہتا تھا کہ حبا تیمور اس کی ڈکشنری سے نکل گئی ہے، تیمور احمد کی ایک بات نے اسے پھر سے باندھ کر حبا کے آگے لا پٹخا تھا، نہ اس سے بات کرنے، نہ اس کی شکل دیکھنے کا دعویٰ کرنے والے اسید کو اب نہ صرف اس سے مخاطب ہونا تھا بلکہ اس کی شکل بھی دیکھنا تھی، ہمیشہ یونہی ہوتا تھا، وہ ہمیشہ بے بس ہو جاتا تھا ان باپ بیٹی نے تو اس کا تماشا بنا لیا تھا، مگر پھر وہی بات کہ نہ تو وہ احسان فراموش تھا اور نہ ہی نمک حرام، تیمور احمد نے اسے سب کچھ دیا تھا وہ سب کچھ جو اسے اس کا باپ دیتا اگر وہ زندہ ہوتا، اس کے لئے وہ سب کیا تھا جو ایک باپ کرتا، وہ ایک بہترین ادارے سے پڑھ رہا تھا، اس نے اپنی مرضی سے ادب کا شعبہ چنا تھا، اسے خرچ کے حوالے سے کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی، اس کے پاس اپنی بہترین ہیوی بائیک تھی، حالانکہ جب وہ یونیورسٹی میں آیا تو تیمور احمد نے مرینہ سے کہا تھا کہ اسے اب گاڑی لے لینی چاہیے مگر اسید نے نرمی سے انکار کر دیا، بائیک اس کا شوق تھی، گاڑی میں بیٹھنا اسے کبھی پسند نہیں رہا تھا۔

جب تک کالج لائف چلتی رہی مرینہ اسے جیب خرچ دیا کرتی تھیں مگر یونیورسٹی میں آنے کے بعد تیمور احمد نے اسے کریڈٹ کارڈ اور اے ٹی ایم کارڈ بنوا کر دے دیئے تھے، اس سب کے لئے وہ ان کا بے انتہا شکر گزار تھا، ہاں ایک چیز انہوں نے اسے کبھی نہیں دی تھی اور وہ تھی ''محبت''۔

اور اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود اسید سے یہ کمی کبھی برداشت نہ ہوئی، مگر وہ مرینہ خانم کا بیٹا تھا جن کے لبوں نے شکایت کرنا سیکھا ہی نہ تھا، اسید بھی جانتا تھا کہ زندگی میں ہر چیز مکمل میسر نہیں ہوتی اور بعض چیزوں کے لئے جتنی بھی کوشش کر لو، کتنی بھی تگ و دو کر لو، وہ نہیں ملتی، تیمور احمد کی محبت بھی اس کے لئے ایسی ہی تھی، بہت عرصہ وہ ان کے پیچھے بھاگتا رہا، پھر رک گیا تھک کر یا اکتا کر، اس سے کیا فرق پڑتا تھا مگر اس نے دل سے یہ خواہش نکال دی، حالانکہ خواہشیں نکلتی کب ہیں، صرف دب جاتی ہیں اور ہم اس پر ''I dont care'' کا پردہ ڈال

دیتے ہیں۔
اب تیمور احمد اس پر اعتماد کر رہے تھے انہوں نے ایک بار پھر حبا کو اس کے حوالے کر دیا تھا یہ سوچ کر وہ اس کا کبھی برا نہیں چاہے گا اور اسید کو اس امانت کو یونہی لوٹانا تھا، صحیح سلامت اور باحفاظت۔
یہی وجہ تھی کہ آج سے پہلے اس کا حبا کے ساتھ کیا رویہ تھا؟ یا اس نے حبا کو کس طرح ٹریٹ کرنا تھا وہ اب اس کو مکمل طور پر بدل چکا تھا، اس وقت وہ بڑے روڈ اور تلخ موڈ میں تھا۔
خاموشی سے نظر کتاب پر جمائے وہ اسے کچھ نوٹ کروا رہا تھا اور باقی رہ گئی حبا تو وہ وہاں تھی ہی کہاں؟ وہ تو بڑے مست و مگن انداز میں اس کی جھکی نظروں پر قبضہ جمائے بیٹھی پلکوں کو تکنے میں اس قدر مگن تھی کہ اس کے فرشتے بھی اس بات سے لاعلم تھے کہ وہ اسے کیا لکھوا رہا تھا، کچھ دیر بعد وہ اس سے نوٹ بک مانگ رہا تھا، حبا نے میکانکی انداز میں کتاب کے اوپر رکھی نوٹ بک اسے تھما دی اسید اب بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا، اس کی نظریں نوٹ پر پھسل رہی تھیں، پھر یک بیک اس کے تاثرات بدلتے گئے، حبا نے دیکھا اس کے لب بھینچ گئے۔

چلو تم چھوڑ دو مجھ کو
میں واپس لوٹ جاتا ہوں
تمہیں منزل مبارک ہو
نیا ساتھی مبارک ہو
مگر پھر اے میرے ہمدم!
مجھے اتنا تو بتلا دو
کہ واپس کس طرف جاؤں
کہاں سے ساتھ لائے تھے؟
مجھے اتنا تو سمجھا دو......!!!
اگر ایسا نہیں ممکن
تو مجھ کو اس طرح توڑو!
کہ میں یکسر بکھر جاؤں
بھٹکنے سے تو بہتر ہے
تمہارے پاس مر جاؤں

"یہ کیا ہے؟" اس نے نوٹ بک حبا کے آگے پٹخی۔
حبا نے ایک نظر نوٹ بک کو دیکھا اور دوسری بار اسید کو جو اسے ہی گھور رہا تھا، چند لمحے وہ کچھ بول نہیں سکی، وہ پلکیں جھپکائے بغیر سیدھا اسید کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی جو کہ اس کے اس طرح دیکھنے پر پہلے تو قدرے حیران ہوا اور پھر اس کی فراغ پیشانی شکنوں سے بھرتی گئی، اس نے نظر کا زاویہ بدل لیا، حبا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اک مدت کے پیاسے کو فقط ایک ہی جام
ساقی تیری تنگ دستی مجھے یاد رہے گی

وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔
"ڈیٹس انف۔" وہ سختی سے بولا۔
"ایسا مت کرو اسید، پلیز...... میرے ساتھ ایسا مت کرو۔" اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک گئے۔
"تم...... تم آخر کرنا کیا چاہتی ہو؟" وہ درشتی سے بولا۔

سادگی میری کہ تجھ کو رشتہ جاں کہہ دیا
حوصلہ تیرا کہ اکثر بھول جاتے ہو مجھے

وہ دلگرفتی سے بولی تھی۔
اسید کے چہرے کے تاثرات بڑے عجیب سے ہو گئے، وہ چند لمحے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے گھورتا رہا پھر یک بیک اس کے چہرے پر ہنگامی تبدیلی ہوئی اس کے لبوں کی تراش میں ایک مسکراہٹ آ گئی، گہری، بہت گہری مسکراہٹ، ایک ایسی مسکراہٹ جو مقابل کا دل لوٹ لے۔
"اٹس آل رائیٹ حبا! یہ آپ کی پوئٹری کی کلاس نہیں ہے، سو پلیز جو میں لکھوا رہا ہوں وہ نوٹ کرو۔" وہ بڑے خوشگوار موڈ میں کہہ رہا تھا۔
حبا ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی، پھر یکدم اس نے لاؤنج میں پاپا کی آواز سنی، وہ مسکراتے ہوئے اندر آ رہے تھے، وہ سن سی بیٹھی رہ گئی، لازمی بات تھی کہ وہ انہیں آتے دیکھ چکا تھا چونکہ حبا کی دروازے کی سمت پشت تھی، جبھی اسید کا موڈ ایکدم سے چینج ہو گیا تھا۔
"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" تیمور اس سے دریافت کر رہے تھے۔
"کچھ نہیں پاپا! حبا کا پوئٹری کا موڈ ہو رہا ہے، یہ دیکھیں ذرا، میں اسے اتنے امپورٹنٹ پوائنٹس نوٹ کروا رہا ہوں اور یہ...... یہ لکھ کر مجھے دے رہی تھی۔" وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے اب تیمور احمد کو حبا کی نوٹ بک دکھا رہا تھا، وہ کتی مجسمے کی مانند ساکت تھی، کیسی کند چھری چلائی تھی اس نے۔
"حبا! کیا بات ہے بیٹا! اسٹیڈیز پہ دھیان دو۔" تیمور اب اسے ڈانٹ رہے تھے، پھر وہ اٹھے اور لاؤنج میں نکل گئے۔
"کچھ پڑھنے کا موڈ ہے تمہارا؟" وہ اب پھر تلخ موڈ میں اس سے پوچھ رہا تھا، انداز ایسا تھا کہ بھاڑ میں جاؤ، حبا کی ساکت، ٹھہری ہوئی آنکھیں بھیگنے لگیں۔
"کاش تم اپنی جذباتی اداکاری سے مجھے متاثر کر پاتیں۔" وہ اب اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

پڑا ہے واسطہ محبت کے یزیدوں سے
یہاں ہم اپنی آنکھوں میں پانی رکھ نہیں سکتے

وہ زیر لب بولی تھی آواز اتنی بلند تو تھی کہ اسید بخوبی سن سکے، حبا نے اسے ایک بار پھر ہونٹ بھینچتے دیکھا اس کی پیشانی پھر سے شکن شکن ہو رہی تھی اور حبا کا دل جیسے تھمتا جا رہا تھا، سب کچھ واقعی پہلے جیسا نہیں رہا تھا بلکہ شاید کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا، اس کے اندر نئے سرے سے ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

علینہ نے چند نوالے لینے کے بعد چمچ سائیڈ پہ رکھ دیا، شاہ بخت نے چونک کر اسے دیکھا۔
"کیا ہوا؟ تم نے کھانا کیوں چھوڑ دیا؟"
"دل نہیں چاہ رہا۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"دل کیا چاہ رہا ہے؟" وہ استفسار کرنے لگا، انداز سنجیدہ ہی تھا۔
"سر میں درد ہو رہا ہے۔" وہ بائیں ہاتھ سے سر کو چھو کے بولی تھی۔
"تم کافی پی لو۔" مشورہ دیا، اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"یہ آپ کی ہے۔"
"لیکن کہہ بھی تو میں رہا ہوں۔"
"میں چائے بنا لیتی ہوں نیچے جا کر۔" اٹھنا چاہا، شاہ بخت نے ہاتھ کھینچ کر اسے واپس بٹھا لیا۔
"بیٹھ جاؤ اور چلو...... پکڑو یہ۔" اس نے اپنا مگ اس کے ہاتھ میں زبردستی تھمایا۔
علینہ مگ تھامے حیرت و بے یقینی سے چند لمحے اسے دیکھتی رہی، اسے اتنی دیر میں پہلی بار خیال آیا تھا کہ شاہ بخت اس کے ساتھ اتنا فرینڈلی بی ہیو کر رہا تھا حالانکہ اسے یاد تھا کہ پچھلی بار...... بلکہ بہت دن پہلے یا شاید دو سے تین ماہ پہلے اس نے یعنی علینہ نے کس قدر لاپرواہی سے اس کا گفٹ لینے سے انکار کر دیا تھا اور جواباً وہ کس قدر ہائپر ہو گیا تھا، اسے وہ سب نئے سرے سے یاد آیا تو شرمندگی کے شدید احساس نے آن

گھیرا۔
''میں یہ سب سمیٹ دوں؟'' اس نے کارپٹ پہ بکھری اشیاء کی طرف اشارہ کیا وہ نجانے کون سا ازالہ کرنا چاہ رہی تھی، اس نے بنانا ڈیزرٹ کے چمچ بھر بھر کے کھاتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔
''میں خود کرلوں گا، تم ٹھیک نہیں ہو۔'' وہ بولا۔
اس کی بات نے علینہ پر عجیب سے انداز میں اثر کیا تھا، وہ چند لمحے کافی کے مگ پہ نظریں جمائے رہی پھر جو نظر اٹھائی تو دل دھڑک اٹھا، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس کی شہد رنگ جھیلیں علینہ کو جیسے کسی تار عنکبوت میں جکڑ رہی تھیں، وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح ان میں دیکھتی رہی، اچانک دور کہیں سے عصر کی اذانوں کی آواز آنے لگی، طلسم ایک چھناکے سے ٹوٹا تھا، وہ جھرجھری لے کر ہوش میں آ گئی، اس نے تیزی سے کافی کا مگ ٹرے میں رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی، چہرے سے سراسیمگی اور بے چینی ٹپک رہی تھی۔
''کیا ہوا؟'' وہ حیرانی سے گویا ہوا۔
''کک...... کچھ نہیں، میں نیچے جا رہی ہوں، مجھے سونا ہے۔'' وہ عجلت میں کہتی پلٹی اور کسی ہرنی کی مانند کلانچیں بھرتی دروازے کی سمت بھاگ گئی، وہ حیرانی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

گھر میں تھائی کے جانے کے بعد بہت دن تک خاموشی چھائی رہی، وہ اسے بہت مس کرتی تھی، مگر جب اس کا کالج سٹارٹ ہوا تو اسے سب بھولنے لگا، ان ہی دنوں اس نے مام ڈیڈ کو پھر سے پریشان دیکھا، وہ تھائی نہیں تھی جو دھڑلے سے جا کر ان سے پوچھ سکتی، وہ اس جیسی کونفیڈنٹ قطعی نہیں تھی، وہ بڑی ڈرپوک اور دبو سی تھی، جبھی وہ بس اندر ہی کڑھے جاتی مگر کچھ پوچھ نہ پاتی۔
اسے کچھ پوچھنے کی نوبت ہی نہ آئی، ایک شام مام ڈیڈ کسی پارٹی سے لوٹ رہے تھے جب ایک خطرناک ایکسیڈنٹ نے ان کی جان لے لی، صدمہ ایسا اور اتنا بڑا تھا کہ صدیوں بعد بھی اذیت کم نہیں ہو سکتی تھی۔
تھائی اور اس کا شوہر تھونگز بھی اس کے پاس ہی تھے، مگر وہ اپنا گھر اور جاب چھوڑ کر اس کے پاس نہیں بیٹھ سکتے تھے جبھی تھائی نے اسے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا، انہوں نے مام ڈیڈ والا گھر رینٹ پہ دے دیا اور تھائی کے اصرار پر بلکہ اچھا خاصا جھگڑنے کے بعد اس نے آخر کار تھونگز کو آمادہ کیا تھا کہ وہ ڈیڈ کا کافی ہاؤس سنبھال لے۔
یوں وہ تھائی کے گھر آ گئی، کچھ دن تو سب ٹھیک رہا پھر اس نے تھائی اور اس کے شوہر کو پریشانی کے عالم میں باتیں کرتے سنا اور اس بار اس سے رہا نہ گیا، اس نے دوٹوک انداز میں تھائی سے پوچھ لیا اور تب اس پر یہ خوفناک انکشاف ہوا کہ ڈیڈ کا کافی ہاؤس دراصل ہیروئن فروشوں کا اڈہ تھا، اب یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا کہ کب سے؟ مگر یہ بات تو صاف تھی کہ انہیں زبردستی اس منشیات کے ریکٹ کا حصہ بنایا گیا اور ڈیڈ کا وہی دوست جس سے وہ تھائی کی شادی کرنا چاہتے تھے وہ اس سارے نیٹ ورک کا کرتا دھرتا تھا چیانگ رائے میں نشہ فروخت کرنے پر سختی سے پابندی تھی، چونکہ ڈیڈ کا کافی ہاؤس بہت اچھی شہرت رکھتا تھا اور آج تک کسی ہنگامے یا پولیس سے متعلقہ معاملے میں استعمال نہیں ہوا تھا جبھی ان کے دوست نے دوستی کی آڑ میں ڈیڈ کو استعمال کرنا شروع کر دیا، ڈیڈ شاید بچنے کے لئے تھائی کی شادی اس سے کرنا چاہتے تھے، یا پھر شاید وہ ڈیڈ کو بلیک میل کر رہا تھا اس بات کا کوئی سرا نہیں مل پایا تھا تاہم اب تھونگز کا خیال تھا کہ انہیں یہ کافی ہاؤس فروخت کر دینا چاہیے خواہ معمولی یا کم قیمت ہی ملے، اس کے بعد تھونگز نے کافی ہاؤس سیل کرنے کے لئے بروکرز اور ایجنسیز سے رابطہ کرنا شروع کر دیا۔
وہ ایک چلتا ہوا کافی ہاؤس تھا جو کہ ایک کمرشل ایریا میں واقع تھا اور اس کی کم از کم قیمت بھی ایک ملین بھات (بھائی سکہ) تھی۔
چند دنوں بعد دوسرا دھماکہ ہوا، ایک شام گھر واپس آتے ہوئے تھونگز پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، وہ بال بال بچا تھا، اب انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جس چکر میں پھنس چکے تھے اس سے نکلنا اتنا بھی آسان نہیں تھا، ان کی زندگیاں پھر طوفان کی زد میں آ گئیں تھیں۔

☆☆☆

گاڑی بڑی تیز رفتاری سے سڑک پہ دوڑ رہی تھی، سگنل بلاک ہوا تو یکدم اسے کچھ یاد آ گیا، اس نے فوراً سیل سے وقار کا نمبر ملایا۔
''جی بھائی کہاں ہیں آپ؟'' چھوٹتے ہی پوچھا۔
''آفس میں پھنسا ہوا ہوں یار، بہت برڈن ہے مجھ پہ، تم کدھر ہو؟ بخت کو لے آئے؟'' وہ جواب دے کر دریافت کر رہے تھے۔
''ہوں لے آیا ہوں۔''
''کیسا ہے وہ؟'' جوش سے قلقاری مارتا ہوا لہجہ اور پھوٹتی خوشی، عباس کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ نے پل بھر کو ہی سہی جھلک دکھلائی تھی۔
''بالکل ٹھیک ہے، اسے گھر چھوڑ کے آیا ہوں۔''
''کیوں تم کہیں جا رہے ہو؟''
''جی سبین کی طرف، آپ چلیں گے؟''
''ہاں بالکل تم یوں کرو مجھے آفس سے پک کرلو، آمنہ وغیرہ تو وہاں سے واپسی کے لئے نکل چکی ہیں۔''
''چلیں ٹھیک ہے۔'' اس نے فون بند کر دیا، سگنل کھل چکا تھا، گاڑی آہستہ آہستہ آگے رینگنے لگی، اس نے آفس سے وقار کو پک کیا تو ان کی شکل دیکھ کر ٹھٹک گیا وہ بے تحاشا تھکے ہوئے لگ رہے تھے، دونوں کے درمیان باقی سارا رستہ سبین کو موضوع ہی ڈسکس ہوتا رہا، عباس بے حد افسردہ اور پریشان تھا، وقار نے شدت سے اس کی اس کیفیت کو نوٹ کیا مگر کچھ کہے بغیر وہ دونوں سبین کے گھر پہنچ گئے، سہیلہ آنٹی انہیں دیکھ کر خوش ہوئیں تھیں مگر موقع ایسا تھا کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار نہ کر سکیں، جب وقار نے سبین سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ دبے لفظوں میں بولی تھیں کہ سبین ''عدت'' میں ہے، وقار کو اس نام نہاد ''عدت'' کے لفظ پہ جی بھر کے ہنسی آئی مگر وہ دبا گئے کہا تو بس اتنا ہی۔
''میں جانتا ہوں آنٹی۔'' وہ طویل سانس لے کر اسے سبین کے کمرے کے باہر چھوڑ گئیں، آہستگی سے دروازہ بجا کر وہ اندر داخل ہوئے، عباس کی نگاہ لحظہ بھر کو اٹھی تھی اور جہاں بھر کا کرب سمیٹ کر جھک گئی، وہ سامنے ہی تو تھی، بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے، برستی خالی آنکھیں اور ان کے گرد پھیلے حلقے، بکھرے بال اور لبوں پہ فریادیں لئے عباس کے اندر جیسے کربلا برپا ہو گیا، وقار کو دیکھ کر سبین تڑپ اٹھی تھی، وہ آہستگی سے بڑھ کر اس کے نزدیک جو بیٹھے تو وہ ان کے شانے سے لگ بلک پڑی، وقار اس کا سر سہلانے لگے۔
''بھائی...... بھائی...... مجھے بچالیں۔'' اس

کے آنسو اس کی آہیں عباس کا سینہ شق کرنے لگیں۔

"بس کرو سبین، بس میری چندا، کیا ہوا ہے؟" وقار کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"میں مر جاؤں گی بھائی، لوگوں کی باتیں مجھے مار ڈالیں گی۔" وہ تڑپ تڑپ کر کہہ رہی تھی، عباس کا رنگ زرد پڑنے لگا۔

"مجھے کہیں دفنا دیں، کسی اندھے کنویں میں پھینک دیں مگر مجھے ان زہریلے سانپوں سے بچا لیں۔" کتنا کرب تھا الفاظ میں۔

"میرے ساتھ چلو۔" انہوں نے اسے کہا۔

وہ یوں الگ ہوئی جیسے بچھو نے ڈنگ مارا ہو، اس کی آنکھوں میں درد کا صحرا اٹھا تھا ہمیں مارا رہا تھا اور چہرے پہ اذیت جیسے منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔

"کیوں جاؤں وہاں اب؟ کیا رشتہ ہے میرا اب مغل ہاؤس سے؟" وہ ہذیانی انداز میں چلائی تھی، وقار خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

"جس شخص کے نام پر تم مغل ہاؤس میں آئی تھیں اس سے تو تمہارا رشتہ بنا ہی نہیں، تم ہم میں سے ہو سبین، ہماری بیٹی ہو، میں تمہارا بھائی یا سچ کہو کہ "مجھے بھائی نہیں سمجھتی تم۔" انہوں نے سکون سے کہا، وہ دونوں ہاتھ چہرے پہ رکھ کر رونے لگی تھی۔

"ایسا نہ کہیں، آپ میرے بھائی ہیں۔"

"تو پھر میری بات مان لو۔"

"وقار بھائی! میں...... میں احساس ذلت سے مر جاؤں گی، خدارا مجھے نہ مجبور کریں۔" وہ دلسوزی سے بولی تھی، وقار نے طویل سانس لے کر اسے دیکھا۔

"وقت کڑا ضرور ہے سبین! لیکن یہ بھی حوصلہ رکھنا کہ اللہ کسی ذی نفس پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، کوئی مشکل ہو، کوئی پریشانی آئے ہم ہیں دیکھنے کے لئے، تم آج بھی ہماری ہو، البتہ وہ...... وہ ہم میں سے نکل گیا، گزرے چند مہینوں کو کسی بھیانک خواب کی طرح بھلا دو، یوں جیسے وہ کبھی آئے ہی نہیں تھے، اٹھو میری گڑیا ہمت کرو، ذہن پہ اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ سہار نہ سکے، کچھ نہیں ہوا تمہارے ساتھ، اچھا ہوا تمہاری جان چھوٹ گئی اس ناقدرے سے، خدا نے بھی بہتر چیز لے کر بہترین دینے کا وعدہ کیا ہے اور وہ وہ تو تمہارے لئے بالکل اچھا نہیں تھا۔" وہ ملائم حلاوت بھرے لہجے میں اسے سمجھا رہے تھے۔

"بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں سبین! رشتہ آپ کا ختم نہیں ہوا، ان کا ہوا ہے، آپ یوں حوصلہ مت ہاریے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ٹوٹے پھوٹے ہی سہی مگر عباس نے بھی تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

اور سبین نے یکدم حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ تو اسے اب نظر آیا تھا، اسے حیرت ہوئی کیا وہ بھی وقار کے ساتھ اندر آیا تھا؟ مگر کب؟ اور اسے کیوں دکھائی نہیں دیا تھا؟ سبین نے دیکھا وہ سر جھکائے بیٹھا تھا اور پھر وہ ست قدموں سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

وقار نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا اور اس کے تاثرات نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا، اس کے لب بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں صحرا کے بگولوں کی سی سرخی تھی۔

"کیا بات ہے عباس؟ اتنے اپ سیٹ کیوں ہو؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"آپ نے ان کی حالت دیکھی؟ میرا دل چاہ رہا تھا ایاز میرے سامنے ہو اور میں اسے

شوٹ کر دوں۔" وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے جنونیت سے بولا تھا، وقار ٹھٹک سے گئے۔

"حوصلہ کرو یار!" انہوں نے اس کا شانہ تھپکا۔

مگر وقار مغل کا ذہن واپسی میں عجیب سی جوڑ توڑ میں مگن تھا، گاڑی کے بریک چرچرائے تو یکدم ہی ان کا ذہن ایک فیصلے پہ پہنچ گیا، کوئی دریچہ کھلا تھا۔

☆☆☆

اسید لاہور نہیں جا سکا تھا اور اسے اس بات کا قلق بھی تھا اور آج کل تو اسے بے تحاشا غصہ آنے لگا تھا اور اس کا سبب ظاہر سی بات تھی حبا تیمور کے سوا اور کون سا ہو سکتا تھا، یہ حبا تیمور اب اسے ناکوں چنے چبوا رہی تھی، کوئی لمحہ نہ جانے دیتی اسے زچ کرنے کا، وہ آگے سے کچھ بھی نہ کر پاتا تا صرف دانت کچکچاتا رہ جاتا، تیمور احمد خود بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ بے چارے اسید کے ساتھ کیا کرتی پھرتی تھی، وہ بڑی محنت سے اسے کچھ سمجھاتا اور وہ محترمہ آگے سے بڑی معصومیت سے انکار میں سر ہلا کر سمجھ میں نہ آنے کا اشارہ کر دیتی، لیکن وہ بھی اسید تھا، حبا کی رگ رگ سے واقف، بہت دنوں تک حبا اسے بے وقوف نہیں بنا پائی تھی، اس کی شعر شاعری کا بھوت تو اس نے اسی روز بھگا دیا تھا اب اس کی یہ "نہ سمجھ میں آنے والی بات" کا بھی جلد ہی سدباب کر لیا اس نے، وہ نہایت انہماک اور محنت سے اسے کام کرواتا صرف ایک بار، دوسری بار پوچھنے پر اسے یوں گھورتا جیسے کچا چبا جانے کا ارادہ ہو، وہ گڑبڑا جاتی۔

اور یوں بہت دنوں بعد مگر آخر کار اسید مصطفیٰ نے اسے بالکل ٹھیک کر لیا تھا اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ اسے بڑے اچھے طریقے سے جانتا تھا، اس کی کمزوریوں اور خامیوں سے آگاہ تھا، جانتا تھا کہ نبض کو کیسے تھامنا تھا، وہ بھی اسے بڑے طریقے سے ڈیل کر رہا تھا۔

دوسری طرف حبا تھی بے حد جھلائی اور سارے جہان سے اکتائی، ہر حربہ ناکام جاتا دیکھ کر وہ مزید کڑھتی رہتی، مگر اس بار "اسید مصطفیٰ" یہ بھول گیا کہ وہ بھی تو تیمور احمد کی صاحبزادی تھی، اسے تڑپانے کا ہر گر جانتی تھی، اس کا ذہن روز نت نئے منصوبے بناتا مگر عمل کرنے کی نوبت ہی نہ آتی، وہ منہ بسور کر رہ جاتی مگر پھر ایک دن اسے موقع مل گیا، مرینہ گھر پہ نہیں تھیں اور تیمور حسب معمول آفس صرف دو دونوں تھے گھر میں، بلکہ دونوں بھی کہاں، اسید تو جب سے آیا تھا اپنے کمرے میں بند تھا، وہ اکیلی ہی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی کھولے چینل پہ چینل بدلتی اپنی بوریت کا سامان کرنا چاہتی تھی مگر بری طرح ناکام تھی، بے زار ہو کر اس نے ریموٹ ایک طرف پھینکا اور خود صوفے پر لیٹ گئی، سر کے نیچے کشن رکھے، ابھی اس نے آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ اسید کے کمرے کا دروازہ کھلا اور خوشبو کے مہکتے جھونکے کے ساتھ ہی وہ برآمد ہوا، تک سک تیار، خوشبوؤں میں بسا ہوا بال سیٹ کیے وہ دائیں ہاتھ میں موبائل تھامے غالباً موبائل پہ کچھ سرچ کر رہا تھا، حبا کی آنکھوں میں روشنیاں سی اتر آئیں، وہ بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کہاں جا رہے ہو اسید؟" اس نے کہا، اس کی آواز پر وہ چونک کر متوجہ ہوا۔

"میں تمہیں بتانے کا پابند نہیں ہوں۔" وہ سرد مہری سے کہتا باہر کی سمت چلا گیا اور حبا اذیت کے احساس سمیت جاد سی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

مگر وہ ابھی باہر بھی نہیں پہنچا تھا جب اسے

کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی، اس نے لاؤنج کی ونڈو سے باہر دیکھا، وہ ایک چمکدار نئے ماڈل کی کرولا تھی جس میں سے تین چار لڑکے باہر آگئے اور اسید سے ملنے لگے، وہ یقیناً اسید کے دوست تھے، پھر حبا نے ان سب کو ڈرائنگ روم میں آتے دیکھا، کچھ ہی دیر بعد بلند قہقہوں، تیز تیز باتوں اور ہنسی کی ملی جلی آوازوں سے لاؤنج بھی گنگنا اٹھا، حبا وہیں بیٹھی ان کی آوازیں سنتی رہی پھر یکدم خاموشی چھا گئی، اب صرف اسید کی آواز تھی جو کافی بلند اور جھلائے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔

''تم لوگ کم از کم مجھے بتا کر آتے یار! بات کو سمجھو ماما گھر پہ نہیں ہیں، اب میں تمہیں کچھ نہیں کھلا سکتا، اٹھو یار! تمہیں کہیں باہر ٹریٹ دے دوں۔''

''بیٹھ جا کہیں سے آیا تو لاٹ صاحب کا بچہ، تجھے پتا نہیں ہے ہم تجھ پہ کتنی بھاری پنالٹی ڈال دیں گے، گھر میں کوئی نہیں تو کیا ہوا، تو تو ہے نا؟'' ان میں سے کوئی ایک طنزیہ ہنسا۔

اسید اب تیز آواز میں اسے کچھ کہہ رہا تھا جب ''حبا'' کے ذہن میں برق سی لہرا گئی وہ بگٹٹ کچن کی طرف بھاگی، اپنی تمام تر پھرتی استعمال کرتے ہوئے اس نے صرف دس منٹ میں چائے تیار کر لی تھی باقی ریڈی میڈ اشیاء تو گھر میں وافر مقدار میں موجود تھیں، اس نے جلدی جلدی ٹرالی سیٹ کی، ایک نظر خود پہ ڈالی، حالانکہ وہ صبح ہی نہا کر لباس بدل چکی تھی، مگر اس پل وہ شکنوں سے بھر چکا تھا، اس نے لاپرواہی سے سر جھٹکا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی جو ابھی تک ان کی بحث و تمحیص کی آوازوں سے گونج رہا تھا، اسید ان کو یہ یقین دلانے میں بری طرح ناکام تھا کہ اس نے خود سے کبھی پانی کا گلاس بھی نہیں پیا وہ کیسے ان کو کچھ بنا کے کھلا سکتا ہے مگر وہ قطعاً ماننے پر آمادہ نہ تھے کہ اسی اثناء میں حبا اندر چلی گئی، وہ سب بمعہ اسید اسے دیکھ کر یوں ساکت ہو گئے جیسے جادو کی چھڑی سے انہیں مجسمے بنا دیا گیا ہو، خاص طور پر اسید کے چہرے کے تاثرات تو بہت عجیب سے تھے، ان میں سے ایک کو یکدم ہی ہوش آ گیا۔

''آپ کا تعارف؟'' اس نے حبا کو سر سے پیر تک جانچنے والے انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''حبا!'' حبا نے چائے کے لوازمات ٹیبل پر سیٹ کرتے ہوئے کہا اور پھر اسید کو یوں دیکھا جیسے اسے باقی ماندہ تعارف کروانے کا کہہ رہی ہو، اسید نے خون آشام نظروں سے اسے دیکھا۔

''شی از حبا...... مائی سسٹر۔'' وہ جیسے خون کے گھونٹ بھرتے ہوئے بولا تھا، حبا نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا، وہ تینوں اب کافی تمیز سے بیٹھ چکے تھے، حبا باہر چلی آئی، دو گھنٹے جیسے اس نے سولی پر لٹک کر گزارے تھے اسے اسید کے ری ایکشن کا شدت سے انتظار تھا اور وہ اپنے دوستوں کو رخصت کر کے سیدھا اندر آیا بلکہ دندناتا ہوا آیا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی ان کے سامنے آنے کی۔'' وہ اس پر دھاڑا تھا، حبا ڈر سی گئی مگر چہرے سے قطعاً ظاہر نہ کیا۔

''وہ تمہارے دوست تھے۔'' وہ منمنائی۔

''They are just my fellows۔'' وہ بلند آواز میں بولا۔

حبا خائف سی ہو گئی، پھر ایک دم سے مڑ گئی جیسے اس سے اور کوئی بات نہ کرنا چاہتی ہو۔

''میری ایک بات سن لو حبا تیمور! اگر دوبارہ تم نے ایسی جرأت کرنے کی کوشش کی نا تو......'' اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

''تو......؟'' وہ مڑی اور بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

''تو میں تمہارا منہ تھپڑوں سے اڑا دوں گا۔'' وہ حلق کے بل چلایا تھا۔

''ضرور۔'' وہ طنزیہ ہنسی پھر بولی۔

''یہ شوق بھی پورا کر لینا۔'' وہ تمکنت سے کہتی چلی گئی، اسید لب بھینچے کینہ توز نظروں سے اس کی پشت کو گھورتا رہ گیا۔

☆☆☆

تھائی اور تھونگز بے حد خوفزدہ تھے، کتنے ہی دن تو وہ اپنی جاب پر بھی نہ گئے، اس نے بھی کالج سے چھٹیاں لے لیں، کچھ دن بعد تھونگز نے سب کچھ پولیس ڈیپارٹمنٹ کی نگرانی میں دے دیا اور خود وہ چیانگ سائین آنے کی تیاری کرنے لگے، شائی وانگ بھی بے چاری بے حد پریشان تھی اس کی اچھی خاصی زندگی اچانک ہی طوفانوں کی زد میں آ گئی تھی، پہلے مام ڈیڈ گئے تو اس کو تھائی نے سہارا دے دیا مگر اب تو ان تینوں کی زندگیاں خطرے میں نظر آ رہی تھیں، جرائم پیشہ عناصر کے گروہ اتنی آسانی سے کہاں کسی کا پیچھا چھوڑتے تھے اور جب بات ہو ایک ملین بھات کی تو اس کے لئے تو تین کی بجائے تیس لاشیں بھی گرائی جا سکتی تھیں۔

چیانگ سائین، چیانگ رائے سے صرف انسٹھ کلو میٹر دور ایک بہت خوبصورت اور پر فضا سیاحتی مقام تھا جو کہ تھائی لینڈ کے انتہائی سرحدی علاقوں میں شمار ہوتا تھا، ان کی منزل اس قصبے نما شہر کے اطراف میں موجود ہٹس میں سے ایک ہٹ تھا، جگہ خوبصورت تھی اور یہاں چند ایک تاریخی عمارتیں بھی موجود تھیں جس کی وجہ سے ان کا وقت اچھا کٹ رہا تھا، تھونگز نے چونکہ سارا معاملہ اپنے دوست پولیس انسپکٹر کے حوالے کر دیا تھا جبھی وہ بے فکر تھا، اس نے کافی ہاؤس کو سیل کرنے کا کہہ دیا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ ان کا محکمہ پولیس بڑا ایماندار اور فرض شناس آفیسرز سے بھرا ہوا تھا مگر بہر حال برے لوگوں کے ساتھ چند اچھے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں، انہی میں سے ایک اس کا دوست بھی تھا، مگر جب اس نے کافی ہاؤس سیل کرنے کی کوشش کی تو اسے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، بعض عناصر نے کافی روڑے اٹکانے کی کوشش کی مگر نسبتاً کم قیمت پر ہی سہی، وہ اسے سیل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اسے اتنا اندازہ بہت اچھی طرح ہو گیا تھا کہ اگر اس معاملے میں پولیس انوالو نہ ہوتی تو اکیلا تھونگز قیامت تک یہ کافی ہاؤس نہیں سیل کر سکتا تھا۔

جیسے ہی ان کے ہاتھ رقم آئی انہوں نے وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا، تھائی کا خیال تھا کہ انہیں بنکاک میں چلے جانا چاہیے، وہ ایک بڑا اور پرہجوم شہر تھا جہاں کسی کو ڈھونڈنا ایسا ہی تھا جیسے بھوسے کے ڈھیر سے سوئی تلاش کرنا، وہ بھی اس سے متفق تھے اور یوں وہ نہایت خفیہ طور پر سرکاری مدد سے چیانگ سائین سے بنکاک آ گئے۔

بنکاک ایک جدید، ترقی یافتہ اور بے حد خوبصورت شہر تھا جو مختلف چھوٹے چھوٹے دریاؤں میں گھرا ہوا تھا، اس کی فلوٹنگ مارکیٹ، جمنازیم، واٹس (بدھ مت کی عبادت گاہ) مندر اور جامع مسجد کے علاوہ کنگ ٹاکسن کے اسٹیچو کے ساتھ ساتھ بے شمار قابل ذکر اور قابل دید چیزیں تھیں۔

بنکاک آنے کے بعد شائی وانگ نے پھر سے کالج اسٹارٹ کر لیا اور تھائی اور تھونگز مل کر اپنا بزنس سیٹ کرنے میں مصروف ہو گئے، زندگی

میں ایک خوشگوار ٹھہراؤ آ گیا تھا مگر کب تک؟ یہ بتانا مشکل تھا۔

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں بڑی اداس شام اتری تھی، احمر مغل کو گھر لے آیا جا چکا تھا، ڈاکٹرز کے مطابق انہیں ہر قسم کی خواہ معمولی سی بھی ہو پریشان کن صورتحال سے دور رکھا جائے ورنہ خطرناک نتائج کا احتمال تھا، گھر میں سب ان کے استقبال کے لئے مسکراتے چہروں سمیت موجود تھے خواہ مجبوراً ہی سہی اور ان سب میں سب سے آگے شاہ بخت تھا، انہوں نے اسے دیکھ کر دور سے ہی بازو وا کر دیئے حالانکہ ابھی وہ گاڑی سے نکلے ہی تھے، بخت بے ساختہ آگے بڑھتے ہوئے ان کے بازوؤں میں سما گیا۔

"اب میں آ گیا ہوں تایا ابو! میں آپ کو بالکل ٹھیک کر دوں گا۔" وہ سرگوشی میں بولا انداز ایسا تھا جیسے پرائمری کا ماسٹر نکمے طالب علم کو ٹھیک کرنے کی دھمکی دیتا ہے، وہ بے ساختہ ہنس دیئے۔

"بابا جان! کیا آپ فیملی ہیرو کی مانند اس بخت کے بچے کو گلے لگا کے باقی ساری دنیا بھول بیٹھے ہیں، میں آپ کا بیٹا بھی راہوں میں پڑا ہوں۔" عباس نے دہائی دی تھی، سبھی ہنس دیئے۔

"جیلس۔" بخت نے پیچھے ہٹے بغیر اسے چڑایا۔

"چل اوئے میں جیلس ہوں گا اور وہ بھی تجھ سے؟" عباس نے مذاق اڑایا، وہ سب انہیں اندر لے آئے، یہ سب وہ دونوں طے شدہ پلاننگ کے تحت کر رہے تھے ورنہ عباس جیسے سنجیدہ مزاج بندے سے مزاح کی امید قدرے کم ہی تھی، اب بھی بخت ان کی پٹی سے لگا مسلسل ان کے کان کھا رہا تھا، اپنے نیویارک کے قصے سناتے ہوئے وہ لگاتار یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کتنا ہینڈسم ہے اور کس طرح وہاں کے انسٹرکٹرز تو اس کے پیچھے ایگریمنٹ پیپرز لے کر پھرتے رہے کہ وہ ان کا برانڈ ایمبیڈر بن جائے، یہ سب باتیں چاہے وہ مذاقاً کہہ رہا تھا یا حقیقتاً مگر اس کا انداز اتنا معصومانہ اور لہجہ اتنا مضحکہ خیز تھا کہ تایا ابو مسلسل مسکرا رہے تھے اور عباس بڑی ڈرامائی سی دہائیاں دیئے جا رہا تھا کہ وہ اس کے اکلوتے بابا پہ قبضہ جما کے بیٹھ گیا ہے، بالکل ایسے جیسے امریکہ افغانستان پہ، روز بخت مسلسل یہ ثابت کر رہا تھا کہ عباس سے زیادہ وہ ان کا بیٹا ہے اس لئے وہ میرے بابا، میرے بابا کی رٹ لگانا بند کرے۔

علینہ سوپ لے کر آئی تو مسلسل مسکرا رہی تھی، پہلی بار اسے شاہ بخت یوں بلاتکان بولتے ہوئے اچھا لگ رہا تھا، اس نے علینہ کے ہاتھ سے سوپ لے لیا۔

"لاؤ بھئی میں خود پلاؤں گا سوپ، رسک نہیں لیا جا سکتا، کہیں کوئی قطرہ ہمارے نازک دل پہ گر گیا تو......؟" انداز میں شرارت نمایاں تھی، اس بار طارق چچا بھی قہقہہ نہ دبا سکے۔

"بخت بس کرو بیٹا۔" انہوں نے بیٹے کو ڈانٹا، مگر وہ کہاں خاطر میں لاتا تھا۔

"آپ کو نہیں پتا بابا جان میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، اصل میں مجھے پتا کیا لگ رہا ہے تایا جان؟" وہ ان کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔

"کیا؟" وہ پوچھنے لگے۔

"جب آپ کی شادی ہوئی ہو گی نا...... ینگ ایج میں تو بندہ کتنا رومینٹک ہوتا ہے تو آپ نے بھی وہ گیت گایا ہو گا نبیلہ تائی جان کے لئے ہاں ہاں وہی گیت، آپ کا دل ہمارے پاس ہے ہمارا دل آپ کے پاس ہے تو بس اصل مسئلہ وہیں شروع ہوا ہو گا، اصل میں تو اب آپ کے پاس اس "بدلی" کے نتیجے میں خالص خواتینی نازک سا دل ہے، ہے نا؟" اس کی مسخریاں جاری تھیں اور علینہ کا رنگ دہک رہا تھا، ہنسی ضبط کرتے کرتے۔

"اطلاعاً عرض ہے اس وقت یہ گیت نہیں تھا۔" عباس نے منہ بنایا۔

"تمہارا بولنا درمیان میں ضروری ہے؟" بخت نے اسے گھونسا دکھایا، وہ اسی بحث میں الجھے ہوئے تھے جب رمشہ نے اندر قدم رکھا۔

"اے رمشہ! اِدھر آؤ، ذرا حق دوستی تو ادا کرو، اس عباس کے بچے کو سنبھالو مجھے تنگ کر رہا ہے۔" بخت نے اسے اپنی بحث میں گھسیٹا۔

وہ سرد مہری سے مسکرائی اور تایا جان جو اس کے چچا تھے ان کے نزدیک بیٹھ گئی بخت کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی یہ قطعاً "رمشہ" نہیں تھی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا!" بخت چونک کر پوچھ رہا تھا۔

"کیوں؟ مجھے کیا ہوا ہے؟" وہ سنجیدگی سے استفسار کر رہی تھی۔

اور تب شاہ بخت کی یادداشت میں دھماکے سے وہ دن روشن ہو گیا، وہ کتنے مزے سے بھول بیٹھا تھا کہ اس نے رمشہ کا پرپوزل ریجیکٹ کر دیا تھا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟"

"ارے بھئی یہ کیوں تم سے ناراض ہو گی؟ تم کیا اس کے قرض دار ہو؟" عباس نے مذاقاً کہا۔

"شاید ہو۔" رمشہ کا لہجہ تیکھا تھا، بخت خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور علینہ ان دونوں کو۔

"بھئی بچو! کن باتوں میں الجھ گئے ہو، مجھے سوپ کون پلائے گا۔" احمر چچا کے کہنے پہ وہ سب چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

دوسری طرف وقار بے چارے تا حال آفس میں پھنسے ہوئے تھے، انہیں تایا جان کے ساتھ مل کر اکیلے ہی سب دیکھنا پڑ رہا تھا، ورنہ وہ تو اڑ کر آ جاتے۔

"عباس! یہ وقار کدھر رہ گیا؟ ذرا اسے فون تو کرو بیٹا؟" طارق نے کہا۔

"جی چاچو! میں کرتا ہوں کال۔" اس نے کہا اور سیل سے نمبر ملایا ہوا باہر نکل گیا، جلد ہی وقار سے رابطہ ہو گیا اور انہوں نے بتایا کہ وہ راستے میں ہیں، گھر پہنچ کر جس گرم جوشی اور والہانہ محبت سے وہ شاہ بخت سے ملے اس کی توقع سب کو پہلے سے ہی تھی، رات کا کھانا بہت دنوں بعد آج قدرے خوشگوار موڈ میں کھایا گیا تھا، ہلکی پھلکی گپ شپ لگاتے ہوئے سب کی ہی یہ کوشش تھی کہ وہ سبین کے موضوع سے گریز کریں بلکہ کچھ دیر کے لئے بالکل بھول جائیں کہ ان کے گھر چند دن پہلے کتنا خوفناک واقعہ ہوا تھا جو ان کی سات پشتوں میں نہیں ہوا تھا، کھانے کے بعد وہ سب اپنے اپنے کمروں میں جا رہے تھے، مغل ہاؤس کی سیٹنگ بڑی مزے دار تھی، فرسٹ فلور پہ تایا ابو اور چچاؤں کے کمرے تھے اور کومل، علینہ اور رمشہ کا کمرہ تھا جبکہ سیکنڈ فلور پر وقار، شاہ بخت، عباس کے کمرے تھے اور کبھی ایاز کا بھی تھا، اب تو اس کا نام بھی ممنوع تھا گھر میں۔

رمشہ کمرے کی طرف جا رہی تھی جب شاہ بخت نے اسے آواز دی۔

"رمشہ! رکو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" رمشہ ٹھٹک کر رکی تھی۔

علینہ راہداری کا موڑ مڑتے ہوئے یکدم

رک گئی، پھر پیچھے ہٹ کر رک گئی بلکہ چھپ سی گئی، وہ دونوں کیا بات کرنا چاہتے تھے؟ سوچ کر علینہ کی دھڑکنیں بے ربط ہو رہی تھیں۔

''کون سی بات؟'' رمشہ نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم مجھ سے ناراض ہو؟''

''کیوں؟'' رمشہ کا انداز تیکھا ہو گیا۔

''پھر تم ایسے کیوں بی ہیو کر رہی ہو؟'' بخت کو غصہ آنے لگا۔

''تو مجھے کیسے بی ہیو کرنا چاہیے؟'' اس کا انداز تمسخرانہ تھا۔

''رمشہ! آخر تم چاہتی کیا ہو؟'' وہ جھلا گیا۔

''نہیں...... اب...... ہاں کم از کم اب میں تم سے کچھ نہیں چاہتی۔'' وہ بڑے طنزیہ انداز میں ہنسی۔

''تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آئی نا، آخر تم اتنی بے وقوف کیوں ہو؟'' وہ جھلا گیا تھا۔

''تمہیں میرے بارے میں رائے دینے کا کوئی حق نہیں۔'' وہ غرائی تھی۔

''اگر تم اسی قسم کی بے وقوفیاں کرتی پھرو گی تو میری رائے یہی رہے گی، تمہیں آخر سمجھ کیوں نہیں آتی کہ ہر رشتے کا انجام شادی نہیں ہوتی اور تم صرف میری اچھی دوست ہو۔'' وہ اپنی مخصوص صاف گوئی سے بولا تھا، رمشہ نے جلتی نگاہیں لئے اسے دیکھا، یہ شخص آخر اسے مزید کتنی تکلیف دینا چاہتا تھا۔

''تم نے کبھی مجھے یہ نہیں کہا کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے۔''

''لیکن میں نے کبھی تم سے یہ بھی نہیں کہا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

''میرا ہر ایک سے بات کرنے کا یہی انداز ہے۔''

''اچھا اور کتنوں کو بے وقوف بنایا تمہاری اس معصومیت اور بے خبری نے؟'' وہ زہریلے لہجے میں بولی تھی، شاہ کو ضبط کرنا مشکل ہونے لگا، وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر اس کے چہرے کے تاثرات یک بیک بدل گئے۔

''تمہارا امپر فوراً لوز ہو جاتا ہے رمشہ! بالکل میری طرح۔'' وہ اب ہنس رہا تھا۔

''ذرا سوچو اگر میں تمہیں اپنا لوں تو ہم تو ایک دن بھی اکٹھے نہ رہ پائیں گے، مجھے تو ایسی لڑکی چاہیے جو بے حد کول مائنڈڈ ہو، جو مجھے برداشت کر سکے۔'' وہ جیسے اب خود اپنا مذاق بنا رہا تھا، رمشہ پلک جھپکے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

''اور ایسی لڑکی کون ہو گی؟ یقیناً علینہ۔'' اس کے انداز میں بری کاٹ تھی شاہ بخت کے ساتھ ساتھ علینہ پر بھی بجلی گری تھی۔

''رمشہ! تم......'' وہ کچھ بول نہ سکا۔

''کیوں غلط کہا میں نے؟'' رمشہ نے اسے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا تھا شاہ بخت کی پیشانی پہ شکن نمودار ہو گئی، وہ چند لمحے اسے گھورتا رہا۔

''تم ایک بے وقوف اور خود غرض لڑکی ہو جو کسی کو نیچا دکھانے کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتی ہے، تمہیں احساس ہی نہیں کہ تمہارے الفاظ کسی کی پوری زندگی داؤ پہ لگا سکتے ہیں، میں مزید تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، آج کے بعد مجھے اپنی شکل بھی مت دکھانا۔'' وہ تنفر بھرے انداز میں کہتا ہوا مڑ گیا، اس کے چہرے کے تاثرات بگڑے ہوئے تھے، تیز تیز چلتے ہوئے وہ ادھر ادھر ٹہلتا رہا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب رمشہ نے اس سے کہا تھا، شدید ٹینشن میں اس نے سگریٹ سلگا لیا، ایک کے بعد ایک سگریٹ لگاتے بہت دیر تک وہ اسی مسئلے کے متعلق سوچتا رہا۔

پہلے تو اس نے سوچا کہ وہ رمشہ کے خیالات وقار کے بتا دے پھر فوراً اس خیال کو رد کر دیا، اس میں علینہ کا نام بھی تو تھا، خواہ بنا جواز ہی سہی، پھر اس نے سر جھٹکا، آخر وہ اتنا پریشان کیوں ہو رہا تھا؟ اسے ''وجہ'' سمجھ نہیں آئی تھی۔

☆☆☆

رات کے کھانے پہ اسید نے بڑے سکون سے حبا کا دوپہر کا کارنامہ تیمور اور مرینہ کے سامنے رکھ دیا اور خاص طور پر تیمور سے اس نے بڑے ملتجی انداز میں کہا تھا کہ خدارا حبا کو منع کریں وہ بالکل پسند نہیں کرتا کہ وہ یوں اس کے ملنے والوں کے سامنے آئے، تیمور تو تھے ہی سدا کے کانشس انہوں نے وہیں اسید کے سامنے ہی حبا کی کلاس لگا لی۔

حبا نم آنکھوں سمیت بار بار کچھ کہنے کے لئے منہ کھولتی مگر تیمور کے تیز آواز میں اسے خاموش رہو، کہنے کی وجہ سے پھر وہ لب بھینچ لیتی۔

غرض انہوں نے اسے اتنا ڈانٹا کہ اسید کو خود انہیں ٹوکنا پڑا، کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا جب حبا اس کے سامنے آ گئی، اسید رک گیا۔

''تمہیں احساس ہو گیا ہوا کہ تم نے کتنا غلط کیا تھا؟'' اس نے جتانے والے انداز میں طنز کیا۔

''ہاں مجھے احساس ہو گیا ہے۔'' وہ بڑے عجیب سے لہجے میں بولی تھی۔

''ویری گڈ۔'' اس نے سراہا، انداز مضحکہ اڑانے والا تھا۔

''تم نے یہ سب کیوں کیا اسید؟'' اس کا لہجہ رونے والا تھا۔

''یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔'' وہ کاٹ دار انداز میں بولا تھا۔

''میں اپنی شناخت واپس چاہتی ہوں۔'' وہ پھٹ پڑی، اسید یک ٹک اسے دیکھتا رہا، بے حس و حرکت۔

''کون سی شناخت؟'' وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

''تمہارے اور میرے رشتے کی شناخت۔'' وہ آنسو پونچھ کر بولی تھی۔

''کون سا رشتہ؟'' اس کی بھنوؤں میں شکن آ گئی تھی۔

''کوئی رشتہ نہیں ہے ہمارے بیچ؟ رشتہ تم نے خود ختم کر دیا تھا حبا تیمور! مجھے یہ بتانے پہ مجبور نہ کرو کہ تم نے میری ساری خواہشات کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا اور میری سکھائی ہوئی ہر بات بھلا دی، تم نے مجھے چند سیکنڈوں میں عرش سے اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا، مجھے یہ سمجھایا کہ میں تمہارا ''بھائی'' نہیں ہوں، تم اتنا سب کچھ کرنے کے بعد اب کون سا رشتہ بچانا چاہتی ہو؟ کون سی شناخت چاہتی ہو واپس؟'' وہ تلخی سے بولتا گیا انداز میں کسی قسم کی رعایت نہ تھی، خاموشی سے اسے دیکھتی حبا اب زرد پڑ رہی تھی۔

''ایسا نہ کرو اسید! میرے ساتھ ایسا نہ کرو۔'' اس کا لہجہ نیم جاں تھا۔

''ہاں اور تم سب کچھ کر سکتی ہو کیوں؟''

''مجھ سے غلطی ہو گئی تھی، میں پاپا کی باتوں میں آ گئی تھی۔'' وہ اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، اسید پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

''تمہاری اس غلطی کے لئے تو مجھے تمہیں تھینکس کہنا چاہیے، تمہاری اسی غلطی نے مجھے تمہارے اور میرے رشتے کی اصلیت بتا دی، مجھے میری حد اور حیثیت بتا دی، تھینکس تو یو حبا

تیمور۔" اس کے انداز میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔
حبا دھواں دھواں چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی یوں جیسے کوئی ساحل پہ کھڑا اپنی سب سے قیمتی متاع کو ڈوبتے دیکھتا ہے۔
"میں تمہیں بتاؤں گی اسید! کہ ہمارے درمیان کیا رشتہ ہونا چاہیے۔" وہ ہونا پہ زور دیتے ہوئے عجیب سے انداز میں مسکرائی تھی۔
"اوہ، اعلان جنگ۔" وہ متاثر ہونے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔
"جو تم سمجھو۔" وہ پلٹ گئی۔
اسید مصطفیٰ وہیں کھڑا تھا بے حس و حرکت، وہ صرف یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ آخر حبا اب اس سے کیا چاہتی تھی؟ ایسا نہیں تھا کہ وہ اپنے بارے میں اس کی جذباتیت سے بے خبر تھا مگر کم از کم اب وہ اس کے ہاتھوں مزید خوار ہونے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔
اعلان جنگ کہہ دینے والا یہ نہیں جانتا تھا کہ جب خواہشات، وجود کو کسی آکاس بیل کی طرح چمٹ جائیں تو انسان کے پاس کچھ نہیں بچتا، خواہشات کی یہ کائی آپ کا سب کچھ نگل جاتی ہے اور پھر انسان ان کے حصول کے لئے کچھ بھی کر گزرتا ہے، حلال و حرام کا فرق تو بہت پیچھے رہ جاتا ہے، اسید مصطفیٰ بھی حبا تیمور کی ایک ایسی ہی خواہش بن چکا تھا۔

☆☆☆

گرمی کی شدید لہر کے بعد ہلکی سی خوشگوار ہوا نے ماحول کو بڑا بھلا اور خوبصورت کر دیا تھا، آج کافی دنوں بعد مغل ہاؤس کی اداسی میں کمی آئی تھی، حسب معمول شام کی چائے بڑے اہتمام سے بنائی گئی، سب بڑے لان میں چیئرز پہ براجمان تھے لڑکے گھاس پہ اوندھے ہوئے تھے، دونوں گروپ ہی بری طرح گفتگو میں مگن تھے، وقار بھی آج ان میں بیٹھنے کی جائے بڑوں کے ساتھ سنبھالے بیٹھے تھے۔
"ہم سے بچوں کی تربیت میں یقیناً کوتاہیاں ہوئی ہیں احمر! جبھی ہمارے بچے ہم سے دور ہیں۔" احمد مغل کی آواز میں گہرا تاسف تھا، وقار نے بے چینی سے پہلو بدل کر احمر چچا کے چہرے پہ پھیلتی تاریکی دیکھی۔
"بابا جان! پلیز......" اس نے لجاجت سے کہتے ہوئے والد کو احساس دلانا چاہا کہ احمر مغل ابھی کوئی اتنے تندرست بھی نہیں تھے اس لئے وہ ایسی باتوں سے گریز کریں، احمد مغل نے وقار کی نظروں کے جواب میں ایک ہنکارا بھرا اور خاموش ہو گئے۔
"غلطیاں تو ہم سے ہوئی ہیں بھائی جان! پہلے نواز اور اب ایاز، جو کل تک جگر کے ٹکڑے لگتے تھے آج یوں لگتا ہے کوئی ناسور تھا جو الگ کر کے، کاٹ کے پھینک دیا مگر اذیت ہے کہ پھر بھی کم نہیں ہوتی، اولاد کبھی نہیں جان سکتی کہ وہ والدین کے لئے کتنی اہمیت رکھتی ہے۔" طارق چچا کے لہجے میں زمانوں کی تھکن بول رہی تھی۔
"طارق! ان دونوں کا نام مت لینا میرے سامنے، وہ اس گھر کے لئے شجر ممنوعہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔" احمر مغل پہلی بار بولے تھے مگر ان کی آواز میں جو اٹل پن اور سختی تھی وہ بتاتی تھی کہ یہ فیصلہ ان کے ان فیصلوں میں سے ایک تھا جو کبھی نہیں بدلتے۔
"وہ ہمارا خون ہیں۔" نبیلہ چچی نم آنکھوں سے بولی تھیں۔
"نبیلہ بیگم! آپ سبین کو کیوں بھول رہی ہیں؟ جو کچھ ایاز نے اس معصوم اور بے گناہ بچی کے ساتھ کیا اس کے باوجود اگر آپ کے دل میں اس کے لئے کوئی گنجائش بچتی ہے تو مت بھولیں کہ ہماری بھی بیٹیاں ہیں، ایسا نہ ہو اس کی زخمی روح کی کوئی آہ ہماری بیٹیوں کے نصیب کو لگ جائے۔" احمر مغل پر تپش نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولے تھے۔
"ریلیکس چاچو! ڈونٹ وری، ایوری تھنگ از اوور۔" وقار نے ان کے شانے سہلاتے ہوئے لاپرواہ انداز میں کہتے ہوئے ان کی پریشانی کو کم کرنا چاہا۔
"کتنا سمجھایا تھا میں نے اسے کہ جب ایاز راضی نہیں تو زبردستی نہ کرے آخر عباس بھی تو تھا، دیکھو آج وہ اسٹیبلش ہے ہم عباس کے لئے سبین کو مانگ لیتے، صرف تھوڑا انتظار ہی تو کرنا پڑتا، مگر اس خبطی عورت کی ضد کی وجہ سے ایک معصوم لڑکی کی زندگی برباد ہو گئی، مجھے جواب دو نبیلہ بیگم! اب اس عفت مآب بچی کو کون اپنائے گا؟ آج کل تو ویسے لڑکیوں کے رشتے ملنا مشکل ہیں کہاں وہ یتیم و یسپر طلاق یافتہ، کیا تمہیں احساس ہے کہ تمہاری جلد بازی نے اسے کس اندھی کھائی میں پھینک دیا ہے بولو؟ جانتی ہو تم؟" احمر مغل تو جیسے پھٹ پڑے تھے، نبیلہ بری طرح رو رہی تھیں۔
"بس کرو احمر! غصہ تھوک دو، نبیلہ کا قصور اتنا بھی نہیں ہے وہ تو صرف اپنی یتیم بھانجی کو لا کر بہن کا بوجھ قدرے کم کرنا چاہتی تھی۔" زیتون تائی نے نبیلہ کی فیور کی تھی۔
"تو ہو گیا بوجھ کم؟" وہ طنزیہ بڑبڑائے۔
"میرا خدا گواہ ہے احمر! میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔" نبیلہ روہانسے لہجے میں گویا ہوئیں تھیں۔
"میں کب تمہیں مورد الزام ٹھہرا رہا ہوں، کتنا سمجھانے کی کوشش کرتا تھا میں تمہیں کہ ایاز ذرا مختلف طبیعت کا مالک ہے بلکہ مادیت پرست ہے ذرا ٹھہر جاؤ، وہ کون سا بوڑھی ہو رہی ہے، عباس بھی تو ہے مگر......" وہ پھر سے بولنے لگے مگر وقار نے ان کی بات قطع کر دی۔
"عباس تو اب بھی ہے چاچو۔" وقار نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا، سب نے چونک کر اسے دیکھا۔
"کیا کہنا چاہتے ہو وقار؟" تایا جان نے سرسراتے ہوئی آواز میں کہا۔
"سبین بہت پیاری اور معصوم ہے بابا جان! چاچو ٹھیک کہہ رہے ہیں اسے کون اپنائے گا کیونکہ دنیا کی نظر میں وہ مطلقہ ہے مگر ہم سب تو اصلیت جانتے ہیں نا، اتنی خالص اور پاکیزہ بچی کی قسمت میں پھر سے سیاہی بھرنے سے بہتر ہے کہ ہم اسے عباس کے لئے مانگ لیں آخر ان کا بگڑا ہی کیا ہے۔" وقار بہت متوازن اور ہموار طریقے سے بول رہے تھے، سب کو یوں لمحوں کے لئے سانپ سونگھ گیا۔
"مجھے نہیں لگتا اس میں کوئی قباحت ہے۔" سب سے پہلے احمر مغل بولے تھے، ان کی آواز میں زندگی دوڑ رہی تھی۔
نبیلہ چچی کے گالوں پہ جوش کی سرخی دوڑ گئی اگر ایسا ممکن ہو جاتا تو کتنا اچھا ہوتا شاید اس طریقے سے ہی ایاز کے کیے کا مداوا ہو پاتا۔
"تم حیران کن طریقے سے سوچتے ہو وقار! مجھے یہ ایک بہترین فیصلہ لگ رہا ہے عباس ایک مختلف طبیعت کا بڑا پریکٹیکل سا بندہ ہے اور وہ زندگی اور رشتوں کی قدر جانتا ہے، وہ سبین کے لئے ایک بہترین چوائس ہے۔" طارق چچا کے انداز میں ستائش تھی۔
سب اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے تھے، کسی کو یہ پریشانی تھی کہ "عدت" کے پورے ہونے کے بعد سبیلہ بیگم سے بات کس طریقے سے کی جائے، کہیں وہ اسے انا کا مسئلہ نہ بنا لیں، کسی کو یہ

اعتراض تھا کہ سبین کو کیسے منایا جائے کوئی یہ کہہ رہا تھا کہ یہ ”کفارہ“ بہترین ہے، اگر بات نہیں کی جا رہی تھی تو وہ تھی عباس کی ذات کے متعلق، جو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا تھا، یا شاید اسے اس قابل ہی نہیں سمجھا گیا تھا کہ کوئی اس کی مرضی کے بارے میں بات کرتا۔

”اور عباس......! کیا وہ مان جائے گا؟“ ہجوم میں سے پہلی بار نیلم چچی نے لب کشائی کی، سب نے چونک کر انہیں دیکھا، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ پھر سے باتیں کرنے لگے مگر اب آوازیں دھیمی ہو گئیں تھیں سرگوشیوں سے مشابہ اور چہروں کے رنگ بتدریج بدلتے جاتے تھے۔

شام کا پھیلتا جھٹ پٹا مغل ہاؤس کے لئے جلو میں ایک نیا ایک انہونا اور شاید پر مسرت دن لانا چاہ رہا تھا۔

دوسری طرف قدرے دور بیٹھے ینگسٹرز بھی دو ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے، آمنہ، رمشہ اور کومل تینوں بیٹھی نہ نجانے کون سی باتوں میں مگن تھیں جبکہ شاہ بخت اور عباس چائے پیتے ہوئے آفس ڈسکس کر رہے تھے، عباس اس سے نیویارک ٹور کی تفصیل جاننا چاہ رہا تھا مگر نجانے کیوں بخت کترا رہا تھا بلکہ ہر بار بڑی خوبصورتی سے طرح، دے جاتا تھا، وہ ہر بار اتنی مہارت سے عباس کو باتوں میں الجھاتا کہ اسے احساس بھی نہ ہوتا۔

اور ہمیشہ کی طرح ان سب سے الگ، کافی فاصلے پر لان میں لگے جھولے پہ بیٹھی علینہ آہستہ آہستہ جھولا جھول رہی تھی، اس کی نظریں بالکل ساکت تھیں، رکی ہوئی، ٹھہری اور جامد نگاہیں بخت پہ گڑی تھیں۔

جو زین کو پیار کر رہا تھا جبکہ زین مچل مچل کر اس کی گرفت سے نکلتا اور اس کے کندھوں پہ سوار ہونے کی کوشش کرتا، شاہ بخت اس کی کوشش کو ناکام بنا کر اسے پھر سے گود میں لے چکا تھا اور اب وہ ہنستے ہوئے زین کو گدگدا رہا تھا۔

علینہ کو پتا تھا یہ اس کی من پسند ایکٹویٹی تھی، بخت کو بچے بے حد پسند تھے اور زین میں تو اس کی جان تھی، یکدم بخت نے زین کو چھوڑ دیا اور خود سر موڑ کر دیکھا بالکل اسی طرف جہاں علینہ بیٹھی تھی، ڈھلتی شام کے ملگجے اجالے میں علینہ نے ان شہد رنگ جھیلوں کی چمک فزوں تر ہوتے دیکھی، چند لمحے وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر علینہ نے نظر ہٹالی اور اٹھ کھڑی ہوئی، بخت نے دیکھا وہ اندر کی طرف جا رہی تھی، کچھ دیر بعد وہ اسے نظر آنا بند ہو گئی، مگر اس کی نظر اب بھی خالی جھولے پر ٹکی تھی جو ابھی تک ہلکے ہلکے جھول رہا تھا، اس کی محویت میں وقار کی آواز نے فرق ڈالا جو اسے بلا رہے تھے، اس نے گردن موڑ کر دیکھا، وقار اسے آواز دیتے ہوئے ہاتھ سے اپنی طرف آنے کا کہہ رہے تھے۔

”بخت! ادھر آؤ بھئی۔“ وہ عباس کے نزدیک سے اٹھ کر ان کی طرف چل دیا۔

”جی بھائی!“ اس نے کہتے ہوئے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی پھر کوئی نشست خالی نہ پا کر وقار کی چیئر کے ہینڈل پہ اٹک گیا۔

”ہاں بھئی جوان! بولو کیا ارادہ ہے آگے؟“ تایا جان نے کہا۔

”تھینکس تایا ابو! آپ نے میری جوانی کو تسلیم تو کیا ورنہ بھائی تو مجھے ابھی بھی ایسے ٹریٹ کرتے ہیں جیسے میں کوئی بچہ ہوں۔“ وہ بیٹھی شرارت سے وقار کی طرف دیکھتا مسکرایا تھا۔

”ارے یار! تو ٹھیک ہے آج سے میں تمہیں بھائی بلایا کروں گا اور تم مجھے وقار کہہ لینا، خوش؟ اسی طرح انجوائے کر سکتے ہو تم بڑے

ہونے کے احساس کو۔“ وقار نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا، بخت نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بازو ان کے گرد پھیلا دیا۔

”وقار! کیوں ستاتے ہو یار اتنا؟ چلو اب سنجیدگی سے بتاؤ مجھے آفس کب سے جوائن کر رہے ہو؟“ وہ مکمل بھائی بننے کے موڈ میں دکھائی دیتا تھا۔

”بس بھائی کل سے۔“ وقار نے بھی تابعداری کا مظاہرہ کیا، بخت کو کرنٹ لگا اس نے فوراً اپنا بازو اٹھالیا۔

”جی نہیں، میں ابھی بالکل آفس نہیں آ رہا۔“ اس نے منہ پھلایا، اب کی بار قہقہہ لگانے کی باری وقار کی تھی۔

”بخت یار! میں سنجیدہ ہوں بابا جان کا خیال ہے کہ اب تمہیں سنجیدہ ہو جانا چاہیے۔“ انہوں نے کہا۔

”بھائی پلیز! آنیسٹلی میرا ابھی کوئی موڈ نہیں ہے۔“ وہ اکتایا ہوا سا بولا تھا۔

”تو پھر کیا کرنا چاہتے ہو تم؟“ طارق مغل نے سنجیدگی سے کہا۔

بخت بے اختیار پچھتایا اس نے غلط وقت پر بات کر دی تھی اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ یا تو اسے اپنی بات منوانے کے لئے ٹھوس دلائل دینے ہوں گے یا پھر ان کی ماننی پڑے گی۔

”کچھ نہیں بابا جان! بس ایسے ہی۔“ وہ گڑبڑا گیا۔

”بخت! تمہارا یہ غیر ذمہ دارانہ رویہ مجھے قطعاً پسند نہیں آیا، تم جانتے بھی ہو کہ سارا بر ڈن وقار اور عباس پہ ہے، ٹھیک ہے ہم موجود ہیں وہاں، لیکن اس کے باوجود بھی تمہاری ضرورت ہے، کراچی والی فرم کے معاملات بھی اچھے خاصے بگڑے ہوئے ہیں، وقار اکیلا کدھر کدھر بھاگتا پھرے، نہ وہ یہاں چیچ کر پا رہا ہے اور نہ وہاں کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔“ طارق مغل نے اس کی کلاس لگا ڈالی، وقار کو بے حد افسوس ہوا، شاید اس نے غلط موقع پر بات چھیڑ دی، نیلم چچی بھی ناراضی سے طارق کو دیکھ رہی تھیں۔

”چھوڑیں چاچو! رہنے دیں نا، ابھی اس کا موڈ نہیں ہے۔“ وقار نے ہمیشہ کی طرح اس کی حمایت کی۔

”نہیں وقار! اس کو موڈ بنانے دو۔“ ان کا لہجہ دوٹوک تھا۔

شاہ بخت بری طرح ہونٹ چبا رہا تھا، احمر مغل نے ستائش سے اسے دیکھا یہ ان کا سب سے اسٹائلش اور ہینڈسم بھتیجا تھا، مگر وہ بھی باقی سب کی رائے سے متفق تھے۔

”جانے بھی دو طارق! بچہ ہے عیش کرنے دو پھر تو ساری زندگی ان ذمہ داریوں کا بوجھ ڈھونا ہے۔“ احمر مغل نے کہا۔

”نہیں تایا ابو! بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں، مجھے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے میں کل سے آفس جوائن کر رہا ہوں۔“ وہ اکھڑے ہوئے انداز میں کہتا اٹھا اور چل دیا، وقار نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

”آپ نے اسے ناراض کر دیا چاچو۔“

”وقار! تم اس کی بے جا فیور کر کر کے اس کا دماغ خراب کر دو گے۔“ طارق جھلا سے گئے تھے۔

”بس بھئی ختم کرو اس موضوع کو، جب بخت نے کہہ دیا کہ وہ آفس جوائن کر رہا ہے تو باقی بحث لاحاصل ہے۔“ تایا جان نے بات سمیٹ دی۔

(باقی آئندہ)

نئے آخری جزیرہ ہو

◇◇◇ اُم مریم ◇◇◇

پندرھویں قسط کا خلاصہ

پرنیاں، زینب کی شادی کے سلسلے میں شاہ ہاؤس میں ہے، معاذ کی دلچسپی اس کی ذات میں بڑھتی ہے، جو پرنیاں کو بجائے مطمئن یا آسودہ کرنے کے مضطرب اور بے چین کرنے کا باعث بنتا ہے، وہ معاذ کی جانب سے غلط فہمی اور بدگمانی کا شکار ہونے لگی ہے، جبکہ شاہ ہاؤس کے مکین معاذ کی بے خبری سے لطف اٹھا رہی ہے۔

زینب کی مہندی کی تقریب میں زینب کی ذات کا اک اور رنگ جہان اور نوریہ پہ ظاہر ہوتا ہے، جو دونوں کو ششدر کر دیتا ہے۔

معاذ مما کے کہنے پہ پرنیاں کو شاپنگ کے لئے لے کر جاتا ہے مگر وہاں دونوں کی تلخ کلامی ہوتی ہے، پرنیاں کی بے زاری اور کتاہٹ کو محسوس کرتا معاذ قدم قدم پہ ہرٹ ہو رہا ہے، مگر اس کی ذات کا مہذبانہ پن بھی محسوس کرنے والا ہے، جس پہ پرنیاں کی بہرحال توجہ نہیں ہے۔

سولہویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے
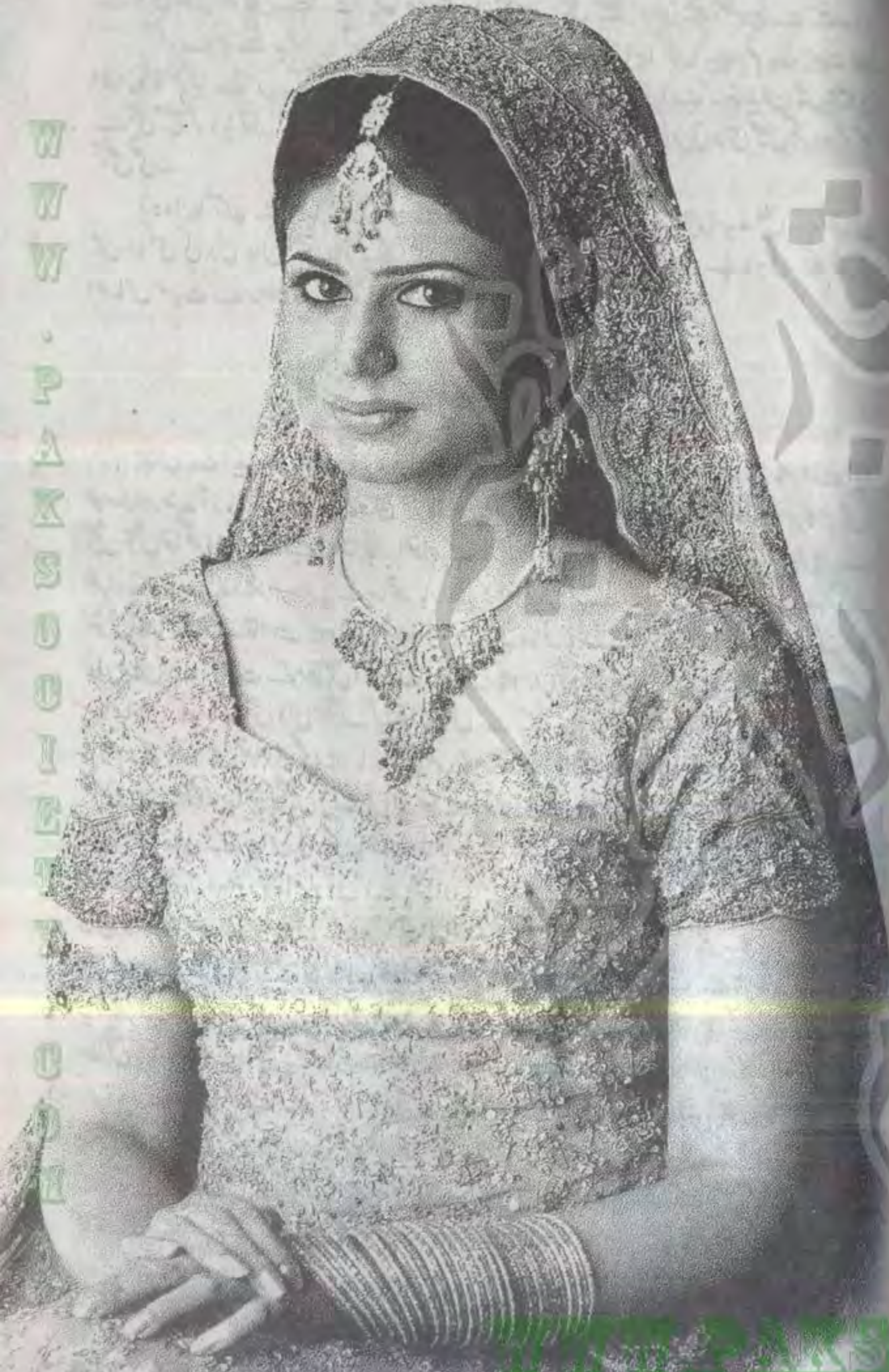
بھابھی جو واپسی کو دروازے تک جا چکی تھیں اس سوال پہ چونک کر حیرانی سے پلٹیں اور تحیر سے بھری ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا، جس کی نگاہوں میں سلگتے سوال تھے، سنگریزے تھے۔

''ارے تم نے یہ سوال کیوں کیا پری؟ سویٹ ہارٹ معاذ ایسا نہیں ہے، تم نے بہت غلط اندازہ قائم کیا ہے اس کے متعلق، مذاق کی عادت ہے اس کی، وہ تو ایسا ہے کہ خاندان میں شادی سے بھی منع کر دیا تھا۔'' بھابھی اس کے علاوہ بھی جانے کیا کیا وضاحتیں دیتی رہی تھیں مگر وہ گم صم بیٹھی تھی۔

(وہ ایسا نہیں ہے، کیسا؟ مذاق کی عادت ہے، جو وہ مجھ سے کر رہے ہیں یہ مذاق ہے، مذاق میں وہ کسی کی دل جان ہستی داؤ پہ لگا دیں، یہ مذاق ہے، خدایا خدایا)۔ وہ بے مائیگی کے شدید احساس سمیت بے ساختہ و بے اختیار روتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

اس موڑ پہ شروع کریں آ پھر سے زندگی
ہر شے جہاں حسین تھی اور ہم تھے اجنبی

جہان نے ایک بار پھر خود کو زندگی کے کٹھن مرحلے سے دوچار پایا تھا، ایک بار پھر اسے اپنا حوصلہ اور ضبط آزمانا تھا، ہوٹل کے وسیع سبزہ زار پہ تقریب کا اعلیٰ پیمانے پہ اہتمام تھا، وہ ہر کام میں پیش پیش تھا مگر اندر سے جیسے ڈھتا جا رہا تھا، پہلے بارات آنے کا شور اٹھا تھا وہ معاذ پپا اور زیاد کے ہمراہ خاندان کے دیگر مردوں کے ساتھ بارات کا استقبال کرنے لگا سرخ و سفید رنگت اور تیکھے نقوش کا مالک دراز قامت تیمور خان شیروانی اور سر پہ صافہ باندھے واقعی شاندار اور وجیہہ لگ رہا تھا، جہان نے روایت کے مطابق اس کے گلے میں پھولوں کی مالا پہنائی تھی، تیمور خان نے اس کی پہنائی مالا کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا تھا جو اس سے پہلے پہنائی گئی، دیگر کا اسی پل اتار کر اپنے ملازم کے ہاتھ میں تھما دی تھی جو سائے کی طرح ساتھ لگا ہوا تھا اور ہر پل یقیناً اس کی خدمت پہ معمور رہتا ہوگا، جہان کو محض ایک پل لگا تھا تیمور خان کی فطرت کے تکبر اور غرور و نخوت کو پانے میں، تیمور خان سے یہ اس کی پہلی باضابطہ ملاقات تھی، اس کے چہرے کے متکبرانہ تاثرات صاف جتلاتے تھے کہ وہ خود کو تمام لوگوں سے بلند اور اہم سمجھتا ہے، جہان نے ساکن نظروں سے تیمور خان کو اپنے سسرالی عزیزوں سے سرسری انداز میں گلے ملتے دیکھا تھا، نہ چہرے پہ بزرگوں کا احترام نہ نگاہ میں کسی رشتے کا لحاظ یہ تھا زینب شاہ کا انتخاب...... اسے عجیب سے تاسف نے آن لیا، پھر جیسے جیسے وہ تیمور خان سے واقف ہوتا گیا یہ تاسف یہ ملال یہ رنج بڑھتا چلا گیا تھا، رسم کے مطابق ماما جان اسے اسٹیج پہ بیش قیمت طلائی زنجیر تحفے میں دینے آئی تو زنجیر اس کے گلے میں پہنا کر وہ اسے لاک کرنے سے قاصر رہی تھیں، کچھ صحت کی ناتوانی کے باعث ہاتھوں کا رعشہ کچھ بینائی کی کمزوری کی بدولت وہ بہرحال خود سر نخریلے داماد کے سامنے ویسے ہی کچھ نروس تھیں، مگر تیمور خان کو ان کی مشکل آسان کرنے کا خیال نہیں آیا، چین اس کے گلے سے پھسل کر کاندھے پہ کاندھے سے صوفے سے نیچے ریڈ کارپٹ پہ جا گری، جسے مما جان خود جھک کر اٹھا رہی تھیں تب حسان آگے بڑھا تھا اور زنجیر کیس میں رکھ کر دیگر تحفوں کے ساتھ سامنے ٹیبل پہ رکھ دیا، نکاح کے

بعد زینب کو لا کر تیمور خان کے ساتھ بٹھایا گیا تب وہ اپنی فیملی کے علاوہ اگر کسی سے بات کر رہا تھا تو وہ زینب تھی، زینب کی شرمیلی مسکان تیمور خان کے بلند قہقہے بہت ساری نظروں نے ناگواریت سے دیکھے تھے، یہ اس گھرانے کی روایت نہیں تھی مگر بہت ساری روایتیں ٹوٹ گئی تھیں پھر ایک یہ بھی سہی، اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ تیمور خان سجی سنوری زینب کو ہمراہ رخصت کرا کے لے گیا، مگر جہان کی جلتی آنکھوں کا کرب کئی گنا بڑھ گیا تھا۔

اکیلے پن سے ڈرتا تھا جدا ہونے سے ڈرتا تھا
میری آنکھیں بتاتی ہیں کہ میں سونے سے ڈرتا تھا
میر انگلی پکڑ لینا مجھے تنہا نہیں کرنا
یہ دنیا ایک میلہ تھا تمہیں کھونے سے ڈرتا تھا
میں ہنستا ہوں تو آنکھوں کے یہ گوشے بھیگ جاتے ہیں
تمہیں معلوم ہے میں اس طرح رونے سے ڈرتا تھا
جب سے یہ خواب دیکھا تھا مجھے تم چھوڑ جاؤ گے
میں ڈرتا تھا خوابوں سے میں پھر سونے سے ڈرتا تھا

☆☆☆

میرا سوچنا تیری ذات تک
میری گفتگو تیری بات تک
نہ تم ملو جو کبھی مجھے
میرا ڈھونڈنا تجھے پار تک
میں نے اپنا سب کچھ گنوا دیا
تیری زلفوں سے پیار تک
کبھی فرصتیں جو ملیں تو آ
میری زندگی کے حصار تک
میں نے جانا کہ میں کچھ نہیں
تیرے پہلے سے تیرے بعد تک

معاذ ایزی چیئر پہ نیم دراز تھا، سامنے کھڑکی کھلی تھی، سیاہ آسمان میں بے شمار چمکتے ستاروں کے جھرمٹ میں پوری تاریخوں کا چاند نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا، کھڑکی سے آگے ٹیرس پر رکھے ہوئے پودوں کی مہک اس کے اندر سرشاری بھر رہی تھی، اس نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں چھوڑا اور چاند کو بغور دیکھا تھا تو دھیرے دھیرے پرنیاں کا عکس چاند میں ابھرنے لگا، آج اس نے آتشی گلابی رنگ کا ہاف آستین کا لباس پہن رکھا تھا جو اس کے پیروں تک جاتا تھا، اس کے گلے اور آستینوں پہ کوئی جھلملاتا ہوا کام بنا ہوا تھا، وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ معاذ کو اس پر سے نگاہیں ہٹانا مشکل لگنے لگا تھا، کیا تھی وہ...... واقعی کیا ساحرہ جس نے منتر پڑھ کر پھونکا اور اس کا تن من دھن سب جلا کر خاکستر کر دیا، اسے پرنیاں کے سوا سب بھول گیا تھا، پہلی بار اس نے نیم

غنودگی کی کیفیت میں اسے ہاسپٹل میں دیکھا تھا، وہ خواب تھا یا خیال یا پھر حقیقت...... وہ آج تک اس سوچ میں الجھتا رہتا تھا، جس انداز میں وہ وہاں اس کے قریب آ گئی تھی حقیقت میں وہ اس سے یکسر مختلف تھی، ہاں وہ اس کا خیال تھا، پھر جب وہ ہاسپٹل میں حقیقت میں اسے نظر آئی معاذ کو لگا تھا کسی ساحر نے اس منظر پر منتر پڑھ کر پھونکا ہو اور ہر شے ساکت ہو گئی ہو، وہ اس طلسمی منظر سے کئی لمحے آزاد نہ ہو پایا تھا، شاید کبھی ہو بھی نہیں سکتا تھا، مگر وہ اس سے بدگمان تھی، پتہ نہیں اس کے نکاح کی وجہ سے...... ہوتی ہیں کچھ لڑکیاں جو اپنے شریک حیات کے لئے بہت پوزیسو ہوتی ہیں، وہ ہرگز نہیں چاہتیں جو ان کا ہو وہ کسی اور کے نام سے نام بھی جوڑے، اس نے سوچا اور مسکرا دیا، آج جب وہ ہوٹل میں اس کے ہمراہ پہنچا تھا تو پورا میرج ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا، آج پھر وہ دھوکے سے ہی مگر اسے اپنی ہمراہی میں ہوٹل لایا تھا، وہ اس کی قربت حاصل کرنے کو باقاعدہ ایک ایک لمحے کے لئے جتن کیا کرتا تھا، کتنی عجیب بات تھی، کیسی شدید محبت میں مبتلا کر دیا گیا تھا وہ، اسے ہنسی بھی آئی اور دکھ بھی محسوس ہوا۔

میرج ہال میں ان کے اندر داخل ہوتے ہی وہاں موجود لوگوں کی ستائشی نگاہیں ایک ساتھ ان پہ آن ٹھہری تھیں، وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے یقیناً بہت پرفیکٹ لگتے تھے، تب معاذ کے دل نے عمر بھر کے لئے اس کی سنگت اور ہمراہی کی چاہ کتنی شدت سے کی تھی، مگر وہ دوران تقریب اس سے بدکتی کتراتی رہی تھی، اس کی نگاہوں کے والہانہ پن پہ وہ کتنا جھنجھلا رہی تھی، معاذ کے ذہن میں اس کا ہر روپ ہر ادا پوری جزئیات کے ساتھ محفوظ تھی۔

"ہاہ کتنا تنگ کرتی ہو تم، ہر وقت غصہ خفگی۔" معاذ کے ذہن کے پردے پر اس کا نوخیز چہرا لہرانے لگا۔

"دیکھنا میری قربت میں آ کر سب سے پہلے انہی کا خاتمہ ہوگا، محترمہ آپ کو ہمارے لئے با اخلاق اور خوش مزاج بننا ہے، معاذ حسن جس کو چاہے اسے بھی معاذ کو چاہنا ہے، یہ کنفرم ہے۔"

تجھ سے درکار محبت ہے محبت کے عوض
میں نہیں چاہتا تجھ پہ میرا احسان رہے

معاذ نے بے ساختہ لب دانتوں تلے داب کر اپنی سوچوں میں پھیلنے والی مسکراہٹ کو روکا، اس کا برہم بگڑا بگڑا چہرا تصور کے پردے پر لہرا رہا تھا اور جب اس نے تقریب کے اختتام پہ کسی قدر شرارت سے اس کی جانب جھک کر چھیڑنے کی غرض سے کہا تھا۔

بتاؤ اب کہاں ملو گے تم
تمہیں اک پھول دینا ہے
تم سے اک عہد لینا ہے
تمہیں اب چاند کہنا ہے
تمہیں دل دھڑکن اور جان کہنا ہے
جو ہمیں جدا کرنے کی ہیں سازشیں
انہیں بے جان کرنا ہے

اور جواب میں وہ اسے تند نظروں سے گھورتی اسما بھابھی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی تھی، معاذ نے بجھتے سگریٹ سے نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے بھینچا ہوا سانس کھینچا اور سگریٹ کا ٹوٹا ایش ٹرے میں مسلا، تب ہی دروازے پہ دستک ہوئی تھی، معاذ نے چونک کر دیکھا، وہاں ماریہ کھڑی تھی۔

"آؤ گڑیا!"

"لالے وہ آپ ذرا آ کے پرنیاں جی کا پاؤں دیکھ لیتے۔"

"کیا مطلب خیریت ہے؟" وہ چونک اٹھا تھا۔

"وہ سیڑھیوں سے پھسل گئی ہیں، بہت پین ہے انہیں۔"

"اوہ! آپ چلو میں آ رہا ہوں۔" معاذ نے پہلے سگریٹ بجھایا تھا پھر سلیپنگ سوٹ پہ گاؤن پہن کر زینب کے کمرے کی جانب چلا آیا تھا، رات کے بارہ بج رہے تھے اس وقت دن بھر کی تقریب سے تھکے تقریباً سبھی مکین نیند کی آغوش میں تھے، پرنیاں کب گری تھی اور کتنی چوٹ اسے آئی وہ اس قسم کی کسی بھی بات سے یکسر لاعلم تھا، اس نے اندر داخل ہونے سے قبل دستک دی تھی۔

"آ جائیں زیاد بھائی دروازہ کھلا ہوا ہے؟" اس نے پرنیاں کی مدھم مگر بوجھل آواز سنی تھی اور چند لمحوں کے توقف کے بعد دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا، پرنیاں سامنے ہی بستر پہ نڈھال سی بیٹھی تھی، اس کے سرخ چہرے پہ تکلیف کے آثار بے حد نمایاں تھے اسے روبرو پاتے ہی وہ بری طرح چونکی۔

"آ...... آپ!...... میں نے ماریہ سے زیاد بھائی......"

"میں جانتا ہوں میرے علاوہ کسی پہ بھی بھروسہ کر سکتی ہیں، مگر آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ماریہ نے یہ زحمت مجھے دی ہے۔" نرم گرم تمام جذبے اس کی مردانہ انا پر پڑنے والی چوٹ کے باعث لمحوں میں سرد مہری کی دبیز چادر تلے جا چھپے تھے، پرنیاں کا چہرا ایک لمحے کو پھیکا پڑ گیا، اس نے ہونٹ بھینچ کر سر جھکایا تھا۔

"کون سا پیر ہے؟ ادھر سامنے کریں، چوٹ کب لگی آپ کو؟" اس کی ناک اور آنکھوں کے پپوٹوں پر اترتی سرخی اور آنکھوں کے بھیگے گوشے معاذ کی نگاہ سے چھپے نہیں رہ سکے تھے، جبھی وہ لہجے کی تلخی اور کرختگی پہ قابو پا کر کس قدر نرمی سے بولا تھا۔

"تقریباً ایک گھنٹہ پہلے سیڑھیوں سے پھسلی ہیں، مما پاپا کو کسی کو بھی نہیں پتہ، مجھے بھی ابھی بتایا ہے جب درد بہت زیادہ بڑھا ہے، جس دوائی کا نام یہ لے رہی تھیں مجھے میڈیکل باکس سے نہیں ملی، جبھی آپ سے کہا جا کر۔" ماریہ جو گرم دودھ کا گلاس لے کر آئی تھی پرنیاں کے لئے، خود معاذ کی بات کا تفصیلاً جواب دیا، معاذ نے مختصر ہنکارا بھرا تھا اور پرنیاں کے پیر کا معائنہ کرنے لگا، اجلا گلابی مخمل جیسا شفاف پیر معاذ کے سامنے تھا جسے پرنیاں نے جھجکتے ہوئے ذرا سا آگے پھیلایا تھا، معاذ نے اس کا پیر متاثرہ جگہ سے دبایا تو پرنیاں کے حلق سے بے ساختہ کراہیں نکلتی چلی گئیں تھیں، معاذ نے نگاہ بھر کے اسے کسی قدر طنز سے دیکھا۔

"آپ بھی ڈاکٹر ہیں غالباً! اتنا نازک مزاج ہے آپ کا، معمولی تکلیف برداشت نہیں کر

سکتیں؟"

"میں......" پرنیاں نے کچھ کہنا چاہا مگر آنکھیں آنسوؤں سے جل تھل ہوگئیں۔

"ہڈی محفوظ ہے، گوشت اندر سے پھٹ گیا ہے، آپ کو ذرا احتیاط کرنا پڑے گی، ماریہ اس مرہم کا مساج کر دینا اور یہ پین کلر دے دینا، اگر درد زیادہ ہو تو ایک اور ٹیبلٹ لے لیجئے گا۔" وہ سنجیدگی اور متاسف سے گویا تھا، ساری توجہ میڈیکل باکس سے دوا نکالنے پہ مرکوز تھی، پرنیاں جو لاشعوری طور پہ اس سے مخصوص شوخی اور بے باکی کی توقع کرتے ہوئے اندر ہی اندر خائف تھی کچھ حیرانی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟ میرے کردار کے ساتھ قابلیت اور ڈگری پہ بھی ڈاؤٹ ہے آپ کو؟" اپنے کام سے فراغت کے بعد وہ سیدھا ہوا تو پرنیاں کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے سرد لہجے میں بولا تھا، پرنیاں نہ صرف بوکھلائی بلکہ بے تحاشا خفت کا بھی شکار ہوگئی، معاذ نے سر جھٹکا تھا اور کمرے سے نکل آیا، اپنے کمرے کی سمت بڑھتے اس کے قدم جہان کے کمرے کی لائٹ آن دیکھ کر تھم سے گئے۔

"کیا وہ اس وقت تک جاگ رہا تھا؟" وہ حیران ہوتا اس کے روم کی جانب چلا آیا، دروازہ یونہی آدھ کھلا تھا معاذ نے دھکیلا تو بے آواز کھلتا چلا گیا، وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا، بے شکن بستر اس کی شب بیداری کا گواہ تھا، معاذ کی متلاشی نگاہیں سکتے کے عالم میں رہ گئیں تھیں، جائے نماز پہ حالت سجدہ میں پڑے جہان کا پورا وجود ہچکیوں سسکیوں سے لرز رہا تھا، کیوں...... وہ وجہ جانتا تھا، اس کے واپسی کو لوٹتے قدم بے تحاشا تھکن افسردگی اور اضمحلال سے بوجھل تھے۔

☆☆☆

کجھ شوق سی یار فقیری دا
کجھ عشق نے در در مار دیتا
کجھ سجناں کسر نہ چھڈی سی
کجھ زہر رقیباں گھول دیتا
کجھ ہجر فراق دا رنگ چڑھیا
کجھ درد ماہی انمول دیتا
کجھ سڑ گئی قسمت میری
کجھ پیار وچ دھوکہ ڈھول دیتا
کجھ اونچ دی راہواں اوکھیاں سن
کجھ گل وچ غم دا طوق وی سی
کجھ شہر دے لوگ وی ظالم سن
کجھ سانوں مرن دا شوق وی سی

معاذ کی نگاہیں جہان کے زرد چہرے پہ جمی ہوئی تھیں، جو بخار میں بری طرح سے پھنک رہا تھا، رات جس کیفیت میں وہ اسے چھوڑ گیا تھا، پھر نیند اس کی آنکھوں سے بھی روٹھ گئی تھی، جس

اضطراب اور بیکلی میں وہ رہا تھا وہ بہر حال جہان کی بیکلی کے آگے کچھ بھی نہیں تھی، فجر کی اذان ہو رہی تھی جب اس کی آنکھ لگی تھی اور صورتحال سے بے خبر مما نے اسے معمول سے بھی کچھ جلدی جگا دیا تھا۔

"سوری بیٹے مجھے یاد نہیں رہا مگر یہ آپ کی ڈاک کل سے آئی پڑی تھی، دیکھ لینا۔" اس نے سرسری نگاہ سے دیکھنے کے بعد لفافہ دراز میں ڈال دیا، میڈیکل ڈگری کالج سے اسے لیکچر شپ کی آفر تھی خصوصی پیکج اور پرکشش سیلری کے ساتھ، وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا، بیرون ملک سے اسپیشلائز اسپیشلائزیشن ڈگری ہولڈر ایسی آفرز تو اب اسے مختلف جگہوں سے ملنے والی تھیں ہی، شاور لے کر وہ ڈائننگ ہال میں آیا تو مما سیل فون پہ زینب سے بات کرنے میں مصروف تھیں، تب اسے زیاد کی زبانی جہان کی طبیعت کی خرابی کا پتہ چلا تو اسی پل اٹھ کر وہاں آ گیا تھا، سب اس کے کمرے میں سب جمع تھے، بابا جان مما جان اور پاپا کے علاوہ پھپھو بھی۔

"لیجئے ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے۔" پھپھو اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

"کیا ہوا جے؟" وہ مضطرب سا اس کی جانب بڑھ آیا تھا۔

"معمولی ٹمپریچر ہے یار! آپ سب لوگ اتنے پریشان ہو رہے ہیں کہ مجھے تو شرمندگی ہونے لگی ہے۔" جہان کی تمام تر توانائیاں زائل ہوگئی تھیں وہ بے حد نحیف آواز میں بولا تھا۔

"ایک سو تین بخار ہے تم اسے کچھ گردان ہی نہیں رہے ہو؟" معاذ نے اسے خفگی سے دیکھا تھا، پھر نوریہ اور ماریہ کو بلا کر ان کو ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے کا کہا تھا۔

"حسان سے کہو یار! انہیں واپس بھیج دو۔" معاذ نے پپا وغیرہ کو اس کی جانب سے مطمئن کرنے کے بعد واپس بھیج دیا تھا، تب جہان نے کہا تھا۔

"مجھے پتہ ہے، بہن اور کزن سے یہ کام کراتے تمہاری غیرت پہ حرف آتا ہے، سر پہ ٹھنڈے پانی میں کپڑا بھگو کر ہی رکھنا ہے، خیر میں خود کر لیتا ہوں۔" معاذ خود آگے بڑھ کر باؤل میں برف کے کیوبز اور پانی ڈال کر کاٹن کا ٹکڑا کاٹ کر بھگونے کے بعد اس کی پیشانی پہ رکھنے لگا تو جہان نے جلتی ہوئی آنکھیں بند کر لیں تھیں۔

"تم بہت اچھے ہو معاذ! خدا تمہاری ہر جائز دلی خواہش کو پورا فرمائے آمین۔" خاص تاخیر کے بعد وہ بولا تو اس کی آواز پہ ہلکی سی نمی کا غلبہ تھا، معاذ نے ایکدم ہونٹ بھینچ لئے، وہ کچھ لمحوں کو کچھ بولنے کے قابل نہیں ہو سکا تھا۔

"لیکن تم بالکل اچھے نہیں ہو جے! تم نے اپنے ضبط اور حوصلے سے بڑھ کر خود کو آزمایا ہے، دس از ناٹ فیئر یار! دس از ٹو مچ۔" معاذ کا اپنا گلا بھرا گیا تھا، جہان نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے، دونوں ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے، دونوں ہی کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے۔

"نہیں معاذ! خدا کا وعدہ ہے خدا اپنے بندوں کو اس کے ضبط اور برداشت سے بڑھ کر دکھ نہیں دیتا۔"

"تو پھر تم سنبھل کیوں نہیں جاتے ہو؟" معاذ ضبط کھو کر چیخ پڑا تھا، جہان زخمی انداز میں مسکرایا۔

"سنبھل جاؤں گا، ڈونٹ وری۔"

"تم فوری شادی کر لو جے!" معاذ نے ایکدم اس کے ہاتھ تھام لئے، جہان نے چونک کر اسے دیکھا پھر کرب آمیز انداز میں مسکرایا۔

"تم سمجھتے ہو شادی ہر مسئلے کا حل ہے؟ ایسا نہیں ٹرسٹ می۔"

"کیا سمجھوں میں کہ تم اس اذیت سے باہر آنا نہیں چاہتے۔" معاذ کو سخت غصہ آنے لگا۔

"میں نے یہ کب کہا؟" جہان نے نظریں چرالیں۔

"جے ماضی کی سوگواری سے انسان کو اتنی گہری وابستگی نہیں ہونی چاہیے، انسان کو پیچھے نہیں ہمیشہ آگے دیکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے، ایک دیا بجھ گیا تو اسے مقدر کیوں سمجھا جائے، آگے ہر قدم پہ دیا جلایا جا سکتا ہے، جب منزل ڈھونڈنے کے اتنے مواقع موجود ہوں تو کوئی اتنا احمق کیوں بنے کہ کولہو کے بیل کی طرح ساری زندگی بجھے ہوئے دیئے کا طواف کرتا رہے، تم سمجھ رہے ہو میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔" جہان نے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے، اپنا ہاتھ تسلی آمیز انداز میں اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا۔

(میں اب سنبھل جاؤں گا معاذ! آج کی رات سب سے کٹھن تھی، مجھے لگتا تھا نارسائی کے ساتھ وحشت کا احساس مجھے دیوانگی میں مبتلا کر دے گا، میں نے اللہ کے دربار میں خود کو پیش نہ کیا ہوتا تو تمہارے سامنے اس پل حواسوں میں نہ ہوتا۔)

"گڈ میں خود کوئی بہت اچھی لڑکی ڈھونڈوں گا تمہارے لئے، جو تم سے بہت محبت کرے، بہت قدر کرے تمہاری، وہ تمہارے قابل نہیں تھی جے؟" معاذ نے اس کے گلے لگتے ہوئے کہا تو جہان نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"آئندہ ایسا مت کہنا معاذ پلیز۔" وہ کس درجہ ملتجی ہو کر بولا تھا اور معاذ کرب آمیز ہنسی ہنس دیا تھا، دروازے پہ ہونے والی دستک کی آواز پہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور غیر محسوس انداز میں اپنی اپنی آنکھیں پونچھیں۔

"مجھے زیاد بھائی سے پتہ چلا تھا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں، خیریت ہے نا؟" جہان کے اجازت دینے پہ پرنیاں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی، اس کی چال میں کس قدر لنگراہٹ تھی، جہان نے محسوس کرتے ہی اپنی پریشانی ظاہر کی تھی۔

"مجھے تو آپ خود بھی ٹھیک نہیں لگتیں، ٹانگ کو کیا ہوا؟" پرنیاں جو معاذ کو وہاں موجود پا کر ٹھٹکی تھی ایکدم کچھ کنفیوژڈ نظر آنے لگی۔

"پاؤں میں چوٹ آ گئی تھی، اب بہتر ہوں۔" آہستگی سے جواب دیتی وہ بیڈ سے کچھ فاصلے پہ پڑی معاذ کی خالی کی کرسی پہ بیٹھ گئی، معاذ خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا تھا، پرنیاں کے لئے اس کا یہ رویہ یہ خاموشی اچنبھے کا باعث تھی، اس کی ساکن پلکیں کئی ثانیوں تک ہلتے پردے کو دیکھتی چلی گئی تھیں۔

"گھر میں دو دو ڈاکٹر ہیں، آپ نے انہیں زحمت کیوں نہیں دی۔" جہان کی بات سن کر پرنیاں خفیف سے انداز میں چونکی پھر آہستگی سے مسکرا دی۔

"رات بہت زیادہ پین تھی، ماریہ زبردستی زحمت دے چکی تھی۔"

"زیاد کو؟" جہان نے بغور اسے دیکھا، پرنیاں کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزرا۔

"نہیں انہیں۔" جہان کچھ کہے بغیر آہستگی سے نگاہ کا زاویہ بدل گیا تھا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں پرنیاں آپ معاذ کے متعلق غلط فہمیوں کا شکار ہیں، وہ بے حد کیئرنگ اور پیارے دل کا مالک ہے، آپ یقین کریں وہ ہرگز بھی ویسا نہیں ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے نا کہ کسی بہت اچھے انسان کا امیج اسی قدر غلط انداز میں پڑ جاتا ہے، ضروری نہیں فرسٹ امپریشن از دی لاسٹ امپریشن کے مقولے کو مدنظر رکھ لیا جائے۔" پشت پہ تکیہ رکھ کر ذرا سا ریلیکس انداز میں بیٹھتے ہوئے جہان نے اپنے اوپر پھیلی چادر کو از سر نو درست کیا تھا، پرنیاں کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا، کچھ لمحوں کو وہ سر جھکائے ہاتھ مسلتی رہی تھی پھر جب بولی تھی تو کچھ اور "آپ کل تک تو اچھے بھلے تھے بھائی! ایکدم کیسے طبیعت خراب ہو گئی؟"

(کل کی رات پل صراط پہ سفر کی رات تھی، اس میں سفر جاری نہیں رکھ سکتا تھا، بار بار کٹ کٹ کر جہنم میں گرنے جلنے اور سلگنے کا عمل نا قابل برداشت ہوتا ہے، وہ رب ہی ہے جس نے مجھے سنبھالا دیا اور تھام لیا، بلاشبہ خدا کی یاد میں ہر دلوں کا سکون پوشیدہ ہے۔)

"آپ نے شاید میری بات کو مائنڈ کیا، سوری ٹو سے۔" وہ دونوں ہی اپنے اپنے اذیت انگیز موضوعات سے کترا رہے تھے، جبھی اصل بات کا جواب گول ہو جاتا تھا، پرنیاں خفیف سا مسکرائی۔

"نہیں بھائی! میں آپ کی کسی بات کا برا نہیں مان سکتی، یہاں جو رشتے مجھے ملے ہیں ان میں سے جن کے اخلاص اور محبت پہ مجھے شبہ کا گمان تک بھی نہیں ہوتا ان میں آپ کا نام بھی شامل ہے؟" اس کے لہجے کی عقیدت سچائی اور محبت بے حد خاص تھی، جہان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا اور اس درجہ خلوص نے اس کے دل کو بے ساختہ گداز کر دیا تھا۔

"ان پرخلوص محبتوں والی لسٹ میں معاذ کا نام شامل ہے یا نہیں؟" جہان نے دانستہ شرارت کی تھی، پرنیاں بے تحاشا سرخ پڑ گئی۔

"اب آپ بھی مجھے زچ کریں گے؟ واضح رہے آپ ان کے فرینڈ جبکہ میرے بھائی ہیں۔" جہان بے ساختہ ہنستا چلا گیا، اس نازک پیاری سی لڑکی کے مان بھرے انداز نے اس کی تکلیف سے تپش دیتے وجود پہ اپنی بے ریا محبت کے پھاہے رکھ کر کیسے شانت کر ڈالا تھا، بلاشبہ یہ رشتے ناطے اور ان کی خوبصورتی اس خدا نے انسان کی ڈھارس حوصلہ اور جینے کا آسرا ہی تو بنائے ہیں، جہان کو یوں ہنستے دیکھ کر اپنے دھیان میں اندر آتا معاذ بے ساختہ ٹھٹکا تھا، اس نے جہان کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر پرنیاں کو دیکھا جس کے چہرے کی مسکان اسے روبرو پاتے ہی سکڑتے سکڑتے بالآخر غائب ہو گئی۔

"خیریت کون سا جوک سن لیا کہ دانت نکل رہے ہیں، میرے سامنے تو مستقل سڑی بسی شکل بنا کر بیٹھے رہے تھے۔" وہ جتنا کلسا تھا اس سے بڑھ کر تپش تھی اس کے لہجے میں، جو پرنیاں کو کڑی اور خفگی بھری نگاہوں سے دیکھا وہ الگ، جہان پہ کیا اثر ہونا تھا وہ اس کی جلن محسوس کر کے اور بھی زیادہ ہنسنے لگا۔

"بس جل گئے، یار ایک تو تم میں جیلسی بہت زیادہ ہے۔"

"مم...... میں چلتی ہوں۔" پرنیاں معاذ کے تیور دیکھ کر سہم گئی تھی، کرسی دھکیل کر اٹھی اور شپٹائی ہوئی سی سرعت سے باہر نکل گئی، جہان نے متاسفانہ نظروں کو معاذ کے چہرے پہ جمایا۔

"پڑ گئی تمہیں ٹھنڈ، ڈرا کے رکھ دیا بیچاری کو۔"

"ہاں، ڈریکولا سے ملتی ہے نا میری شکل جو محترمہ ڈر گئیں اور تم جتنے پرنس ہو نا یہ بھی جانتا ہوں میں۔" وہ اتنا جھلایا ہوا تھا کہ باقاعدہ لڑنے کھڑا ہو گیا تھا۔

"تمہیں اتنا غصہ کس بات پہ آ رہا ہے آخر؟" جہان نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"ساری دنیا یہ بات کہتی تھی کہ تم مجھ سے تھوڑا سا زیادہ ہینڈسم ہو مگر میں کبھی مان کر نہ دیا مگر آج مجھے بھی یقین آ گیا، یار یہ لڑکی بھی......"

"خبردار، خبردار معاذ جو کچھ غلط سوچا، پرنیاں بہن ہے میری۔" جہان نے بے اختیار اسے ڈانٹ کے رکھتے ہوئے آنکھیں نکالیں تو معاذ نے ٹھٹھک کر اسے غیر یقینی اور ناراض سے دیکھا تھا، پھر بے اختیار گہرا پرسکون سانس بھرا اور سر جھٹکا۔

"پہلے نہیں بک سکتے تھے، چلو شکر ہے تمہیں بھی کسی نے اس نظر سے دیکھا۔" وہ ہنسنے لگا۔

"مجھے ہرگز نہیں پتہ تھا تم اتنا فضول سوچو گے، اطلاعاً عرض ہے کہ ہر لڑکی فضول نہیں ہوتی۔" جہان نے لتاڑا تو جواباً وہ دانت نکالنے لگا تھا۔

"ہاں محترمہ کے اصول وضوابط کتنے کڑے ہیں جانتا ہوں، مجھ سے کیا دشمنی ہے تمہاری ڈیئر سسٹر کی ذرا پتہ کر کے تو بتاؤ۔" وہ سر کھجا کر کہتا اسے ترچھی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"غیرت مند بھائی اپنی بہنوں سے اس قسم کی باتیں نہیں کیا کرتے احمق لڑکے۔" جہان نے ہری جھنڈی دکھائی تو معاذ نے بے دریغ اسے گھورا تھا۔

"یعنی حد ہے بے وفائی کی ظالم! ٹھیک ہے میں جب اسے پٹا لوں گا نا تب وہ تمہیں پہچانے گی بھی نہیں۔" معاذ نے منہ پہ ہاتھ پھیر کر جس طرح کہا جہان پھر سے ہنسنے لگا تھا، معاذ سب کچھ بھول کر بس اسے ہنستے ہوئے دیکھے گیا تو جہان نے ایکدم ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ ایسے ہی ہنستے رہو جے۔" جہان نے بے ساختہ نظریں چرا لیں۔

(تم اگر جان لو معاذ یہ دعا نہیں بد دعا ہے تو تم لرز اٹھو، یہ ہنسی دل کی خوشی کا نام نہیں ہے بھرم اور ڈھکوسلہ ہے، جب بھی دعا مانگو ہمیشہ کامل دعا مانگو۔)

"خاموش کیوں ہو گئے؟ کیا سوچ رہے ہو۔" معاذ نے اس کا دھیان بٹایا تھا، جہان مجروح سے انداز میں مسکرایا۔

"کل صبح ٹائم ہمیں جانا ہو گا نا، میرے پاس ولیمہ کے لئے کوئی ڈھنگ کا سوٹ نہیں، سوچ رہا ہوں آج مارکیٹ کا چکر لگا آؤں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی، نہ مارکیٹ نہ ولیمہ پہ۔" اس کی قطعیت بھرے انداز پہ جہان نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو معاذ؟" جہان کی ساحرانہ نگاہوں میں الجھن اور اضطراب کا رنگ گہرا ہو گیا تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے جے! پھر میں نہیں چاہتا تم وہاں جا کر مزید ٹینس ہو۔" معاذ کی بات سن کر جہان کے چہرے پہ مجروح سی مسکان نے لمحہ بھر کو قیام کیا تھا۔

"پاگل ہو تم معاذ! میں اتنا نازک نہیں ہوں کہ......"

"یہ تمہاری بہادری اور مضبوطی ہے کہ اب بستر سنبھالے پڑتے ہو، کوئی ضرورت نہیں ہے خود کو کسی ٹریجک مووی کا ہیرو ثابت کرنے کی او کے؟" حسب عادت وہ جلدی غصے میں آ کر بھڑک اٹھا تھا۔

"یہ تم مجھے آرڈر کر رہے ہو کہ میں وہاں نہیں جا سکتا؟" جہان کا لہجہ جتنا عجیب تھا معاذ کو اسی حد تک تکلیف دہ محسوس ہوا، اس نے جہان کا چہرا اپنے ہاتھوں میں لے کر بے قراری سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ کیسی باتیں کرنے لگے ہو تم جے۔" اس کے لہجے میں انداز میں کچھ ایسی وحشت اور کرب تھا جہان خود ہی شرمندگی محسوس کرنے لگا۔

"وہ تمہارے جذبات اور تمہاری محبت سمجھ سکتا ہوں معاذ! مگر یہ بھی تو دیکھو نا کہ اس طرح کتنے لوگ اس فیصلے کی زد میں آئیں گے، چاچو، چچی جان، پاپا جان، مما جان تم کیا سمجھتے ہو کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے، ایسا نہیں ہے معاذ میری اتنی احتیاط کے باوجود جانے کیسے سب ہی باخبر ہو گئے اور......"

"اٹس او کے، اب جانے دو یار۔" معاذ نے اس کے ہاتھ کو تھپکا۔

"اگر میں نہ گیا تو......"

"چلے جانا جے، چلے جانا، مجھے تم سے اگر کوئی گلہ ہے تو یہی کہ کبھی تو اپنے متعلق بھی سوچ لیا کرو، ہمیشہ دوسروں کو نوازنا دوسروں کا بھلا چاہنا تو خدائی صفت ہے۔" وہ عاجز ہوا تھا جہان بردباری سے مسکرا دیا۔

"خدا اپنی صفات اپنے بندوں میں دیکھنا پسند فرماتا ہے معاذ! لیکن یہ تم سے کس نے کہا کہ میں ایسا ہوں، میں تو اک بے حد عام انسان ہوں یار!" اس کی عاجزی اس کی انکساری کا وہی عالم تھا، معاذ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

ہمارے لہجے میں یہ توازن
بڑی ہی محنت کے بعد آیا
کئی مزاجوں کی دشت دیکھے
کئی رویوں کی خاک چھانی

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اسٹول پر بیٹھی وہ اپنے لمبے بے حد گھنیرے بال سلجھانے میں مصروف تھی جب دروازے پہ دستک ہوئی تھی، اس نے جلدی سے دوپٹہ سر پہ اوڑھا تھا اسی دوران

دروازہ کھول کر مما اندر چلی آئیں، پرنیاں گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔

''مما آپ! مجھے بلا لیا ہوتا۔'' کھڑے ہونے سے اس کے سر سے ریشمی آنچل ڈھلک گیا اور سینے پہ کسی آبشار کی طرح گرتے مخملیں بال لہرانے لگے، مما نے مسکرا کر اپنی بے حد حسین شہزادی جیسی آن بان والی بہو کو دیکھا تھا اور آگے بڑھ کر اسے گلے لگا کر پیار سے پیشانی چومی۔

''میرا دل کر رہا تھا اپنی بیٹی کو دیکھنے کو باتیں کرنے کو تو چلی آئی، یہ بتاؤ آپ کو یہاں کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟'' ان کے لہجے میں انداز میں اپنائیت محبت اور بے حد خاصیت کا احساس تھا، پرنیاں نے اپنی ماں کا لمس ان کا پیار نہیں دیکھا تھا، مگر جب سے وہ مما سے ملی تھی اس نے جانا تھا ایک ماں کا یہی روپ یہی محبت ہو سکتی ہے، وہ گھنیری چھایا تھیں، ٹھنڈا جھرنا تھیں اور ایک پرسکون احساس تھیں۔

''نہیں مما جانی! آپ کے پاس آ کر میں ہمیشہ خود کو پرسکون اور مکمل محسوس کرتی ہوں۔'' پرنیاں نے پہلی مرتبہ پوری سچائی اور خلوص کے ساتھ ان پہ اپنے جذبوں کو آشکار کیا تھا، مما کے چہرے پہ روشنیاں سی چھا گئیں۔

''بیٹے عورت مکمل اپنے مرد سے ہوتی ہے، پھر اس کے بچے سے، خدا تمہاری یہ تکمیل مکمل اور بھرپور کرے، میں تو جب معاذ کی تمہارے لئے بے تابی دیکھتی ہوں تو تشکر کے احساس سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، سر سجدے سے اٹھانے کو جی نہیں کرتا، ورنہ ہر لمحہ ان دو سالوں میں میرا خون خشک ہوا ہے۔'' مما بھیگی آنکھوں کو صاف کر رہی تھیں اپنی دھن میں تھیں جبھی پرنیاں کے چہرے پہ لرزاں تاریک سائے نہ دیکھ سکی تھیں، معاً انہیں اس کی جامد خاموشی کا احساس ہوا تو چونک کر دیکھا تھا پھر ایکدم کچھ خفت زدہ ہو گئیں۔

''سوری بیٹے شاید آپ کو میری آخری بات کچھ اچھی نہیں لگی۔'' پرنیاں نے مجروح نظروں سے انہیں دیکھا اور پھر آہستگی سے بولی تھی۔

''حقیقت سے فرار چاہیں بھی تو ممکن نہیں ہوتا مما!''

''بیٹے عقلمند وہی ہوتا ہے جو ماضی کے کربناک حالات سے دامن چھڑا کر آگے دیکھے، یہ مت سمجھنا کہ میں معاذ کی ماں ہوں اس لئے آپ کو یہ کہہ رہی ہوں، بیٹے آپ مجھے معاذ سے بھی زیادہ عزیز اور پیاری ہو، بیٹیاں حساس اور نازک ہوتی ہیں، میں تمہاری ماں ہونے کے ناطے تمہیں شوہر کی اس ستم ظریفی کو بھلانے کا مشورہ دے رہی ہوں، وہ اس وقت سراپا محبت ہے، اس کے لئے محبت بن جاؤ، آپ بیوی ہو اس کی، وہ شدت پسند اور جذباتی ہے برا انسان نہیں ہے، مجھے بتاؤ آپ کو معاذ سے کوئی شکایت ہے اب بھی؟''

''مما انہیں اپنی منکوحہ کے جذبات و احساسات کی پرواہ تک نہیں ہے، انہیں اس کا نام تک یاد نہیں، وہ اسے بسانے کا اب بھی نہیں سوچتے۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھی، مما اس کی بچکانہ سوچ پہ مسکرا دی تھیں۔

''تمہارے لئے تو یہ سب سوچتا ہے نا؟ پھر تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔'' ان کی بات پر پرنیاں نے مضطرب ہو کر انہیں دیکھا تھا۔

''لیکن اگر وہ میرے علاوہ کسی اور لڑکی کے لئے یہ سوچتے تو پھر......؟'' اس کا لہجہ سخت احتجاجی قسم کا تھا مما کو بے ساختہ اس پر پیار آیا تھا اور معاذ کی قسمت پہ رشک اس جیسے موڈی بے پرواہ اور ضدی انسان کو خدا نے کیسے خالص کھرے اور سچے جذبات کی حامل لڑکی سے نوازا تھا۔

''سوچا تو نہیں نا، ہوا تو نہیں نا، اور یہ مقام شکر ہے بیٹے! دیکھو مرد کے عورت سے چار سب سے اہم رشتے استوار ہوتے ہیں، پہلے ماں کا پھر بہن کا اس کے بعد بیوی کا اور بیٹی کا، مرد ان سب پہ اپنی اجارہ داری قائم کرتا ہے مگر جو شدت اس کے رویئے میں ماں اور بیوی کے لئے ہوتی ہے، وہ بہن اور بیٹی کے لئے نہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان دونوں رشتوں کو اسے بالآخر غیر ہاتھوں کو سونپنا ہوتا ہے، مگر وہ ماں سے اور بیوی سے اپنی ہر بات ہر ضد اور خواہش پوری کرانا اپنا حق سمجھتا ہے، بیٹے میں معاذ کے مزاج عادات سے بہت اچھی طرح آگاہ ہوں، وہ ضدی بھی ہے اور جذباتی بھی، ضد اور جذبات میں وہ اکثر اپنا سب سے زیادہ نقصان کرتا رہا ہے، میں نے ساری زندگی اس کی پل پل حفاظت کی ہے، آپ یقین کرو میں معاذ کے مقابلے میں تمہارے پپا کو بھی اگنور کرتی رہی ہوں، میں اس کی فطرت سے آگاہ تھی اور ہرگز نہیں چاہتی تھی اس کی شخصیت میں میری توجہ کی کمی کوئی بگاڑ یا کمی چھوڑ جائے، اب اس کی زندگی میں آپ آ گئی ہو، اس کی توجہ کا مرکز مجھ سے ہٹ کر آپ پہ مرکوز ہو گیا ہے، اب وہ ہر توقع آپ سے پوری کرنا چاہے گا بیٹے مجھے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ میری بیٹی میں یہ اہلیت ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر نرمی سے کہتے اسے گلے لگا لیا تو پرنیاں کے اندر یکلخت سناٹے اتر آئے تھے، وہ ان سے کیا کیا امیدیں جوڑ بیٹھی تھیں۔

''ان کے رویے میں بہت شدت پسندی ہے مما! ایسے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں، بلیو می مجھے ان سے ڈر لگتا ہے وہ اگر اچھے موڈ میں ہیں تب بھی اس کی شدت مجھے ہولاتی ہے اگر ان کا موڈ بگڑے تو پھر تو سمجھیں میری جان نکلنے لگتی ہے، رات بغیر کسی وجہ کے اتنے خفا تھے مجھ سے پھر اب بھی۔'' وہ ان کے ساتھ لگی لگی ہی بولنے لگی، لہجے میں گھبراہٹ کے ساتھ جو خفیف سا حیا کا رنگ تھا مما کو وہی بہت پیارا لگا تھا جبھی مسکرا دیں۔

''اچھا مجھے آپ یہ بتاؤ آپ کیوں یہ چاہتی ہو کہ معاذ کو پتہ نہ چلے جس لڑکی پہ وہ بری طرح سے فدا ہو گیا ہے وہ اس کی منکوحہ ہی ہے۔'' مما کے سوال پہ پرنیاں کا چہرا پہلے حیا آمیز سرخی سے دہکا تھا پھر سپاٹ ہو گیا۔

''میں چاہتی ہوں وہ اس لڑکی کو اس عزت و احترام سے قبول کریں جسے انہوں نے کبھی بہت زعم اور بے اعتنائی سے رد کیا تھا، میری انا اور وقار مجروح ہوئے ہیں مما!'' وہ پھر سے روہانسی ہو گئی تھی، مما نے اسے گلے لگا کر محبت اور نرمی سے تھپکا۔

''ڈونٹ وری بیٹے! خدا نے چاہا تو ایسا بھی ضرور ہوگا، اللہ آپ کی تمام جائز دلی خواہشات کو پورا فرمائیے۔'' پھر جیسے کچھ یاد آنے پہ ایکدم گھبرا کر اٹھ گئیں۔

''مجھے دیکھو ذرا، جہان سے کچھ کھانے کا پوچھنے آئی تھی، میں دیکھوں اس نے دوا بھی لی کہ نہیں۔''

"کچن میں کچھ کام ہے تو مجھے بتا دیں میں کرلوں گی۔" پرنیاں نے ان کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا، پچھلے کئی دنوں سے ان پہ کاموں کا لوڈ بہت بڑھا ہوا تھا۔

"ارے نہیں بیٹے! سب ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائی تھیں اور دروازے کی سمت بڑھیں کہ اسی پل دستک ہونے لگی تھی، مما نے دروازہ کھولا تو نک سک سے تیار معاذ کی صورت نظر آئی تھی۔

"آپ یہاں کیسے؟ بجو آپ کی بہن کی کل شادی ہو گئی ہے غالباً۔" مما نے اسے ایکدم چھیڑا تھا اور جس وجہ سے وہ سمجھ سکتا تھا جبھی بری طرح جھینپا۔

"مگر ان کی فرینڈ تو یہیں ہیں نا۔"

"تو آپ کا اس سے کیا کام؟" مما ترکی بہ ترکی بولیں تھیں معاذ گڑبڑا سا گیا۔

"وہ ایکچوئلی ہم مارکیٹ جا رہے تھے، سوچا ان سے پوچھ لوں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔" مما نے مسکراہٹ ضبط کی پھر پرنیاں کی جانب رخ پھیرا تھا۔

"کیوں پرنیاں بیٹے کچھ چاہیے آپ کو تو بتا دیں، میرے بیٹے کو آج کل خدمت خلق کا شوق ہو رہا ہے۔" پرنیاں نے مما کے چہرے پہ کھیلتی مسکان کو دیکھا اور بامشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی تھی۔

"نہیں شکریہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" اس نے دانستہ نخوت سے جواب دیا تھا، معاذ کے چہرے پہ مایوسی چھا گئی۔

"اوہ اچھا! ویسے آپ کا پیر کیسا ہے اب؟ لگتا ہے آپ نے ریسٹ نہیں کی۔" پرنیاں نے چونک کر اسے دیکھا، وہ اس کے بجائے بلیک چوڑے اسٹیپ والے ہینڈل میں مقید اس کے گلابی پیر کو دیکھ رہا تھا۔

"مچ بیٹر! تھینکس۔" پرنیاں کے الفاظ کی نسبت اس کا لہجہ روکھا تھا، معاذ نے ایک نظر اس کی سمت دیکھا، خوبصورت چہرے پر دلکشی ملاحت کے ساتھ بے رخی اور بے اعتنائی بھی تھی۔

"پین کلرز لیتی رہیے گا اور مرہم کا مساج بھی شام تک دو تین مرتبہ ضرور کر لیجیے۔" وہ اس کی بے رخی کے باوجود اسی خاص انداز میں نصیحت کر رہا تھا، مما مسکراہٹ دباتے باہر نکلی تھیں جو اس کی نظروں میں آ گئی، جبھی وہ ان کے سر ہوا تھا اور ان کے پیچھے بھاگا آیا۔

"کیوں ہنسی ہیں آپ؟"

"مجھے اپنے ڈاکٹر بیٹے کا پیشنٹ سے خاص رویہ خوشی دے رہا تھا۔" انہوں نے بات بنائی مگر وہ مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔

"ہرگز یقین نہیں کر سکتا، آپ کی مسکراہٹ مشکوک تھی۔" وہ نروٹھے پن سے بولا تو مما کی ہنسی نکل گئی۔

"میں اپنے بیٹے کو بدلا ہوا پا رہی ہوں، بس اس لئے۔" معاذ نے گہرا سانس کھینچا پھر گہری نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"آپ کو اچھا لگ رہا تھا؟" اب کے وہ خود مشکوک ہوا۔

"کیوں نہیں بیٹے! لڑکی اتنی پیاری ہے۔"

"اس کے باوجود کہ میں آپ کی لاڈلی بہو کو چھوڑ کر کسی اور کے پیچھے خوار ہو رہا ہوں۔" اپنی بات کہہ کر اس نے بغور ان کے تاثرات جانچے۔

"مجھے اپنے بیٹے کی خوشی عزیز ہے۔" مما نے نرمی سے دوٹوک انداز میں جواب دیا تو معاذ نہایت جوش سے ان کے گلے لگ گیا تھا۔

"تھینکس مام! اب اپنے ہزبینڈ کو بھی یہی بات سمجھائیے گا پلیز۔" مما نے اسے خفیف سا گھورا تھا۔

"شرم تو نہیں آتی آپ کو معاذ! میرے شوہر آپ کے بھی کچھ ہوتے ہیں۔"

"جی جی میرے تو ہوتے ہی ہیں مادام میں چاہتا ہوں آپ انہیں مس پرنیاں کے سسر صاحب بنا دیں۔" وہ دانت نکال کر بولا تو مما نے اس کے سر پہ چپت لگائی تھی، پھر اسی سمت آتے جہان کو دیکھ کر فکرمند ہوتے ہوئے بولی تھیں۔

"بیٹے آپ کیوں اٹھ گئے ہو؟ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو؟"

"کم آن چچی جان! الحمدللہ میں ٹھیک ہوں، آپ سب کی دعائیں اور یہ دو ڈاکٹرز ہیں نا مجھے دواؤں کی ترسیل کرنے کو۔" وہ ہنس رہا تھا، مگر آنکھوں میں ایک مستقل سکوت ٹھہر گیا تھا جس میں درد گھات لگائے بیٹھا تھا، مما کے اندر اضطراب سا سمٹنے لگا، ان کا بس نہ چلا اسے ننھے بچے کی طرح سے باہوں میں سمیٹ کر گلے سے لگا لیں، ہر دکھ ہر تکلیف اپنی پوروں سے چن لیں، مگر وہ کتنی بے بس تھیں، ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"بیٹے آرام ضروری ہے، تھکان سے پھر طبیعت بگڑ سکتی ہے خدانخواستہ۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا رخسار تھپتھپایا تھا، جہان ان کی تشویش محسوس کر کے نرمی سے مسکرایا۔

"آپ فکر نہ کریں چچی جان میں ٹھیک ہوں، مارکیٹ تک جا رہا ہوں، آپ کو کچھ منگوانا ہے؟"

"ہو گئے لاڈ شروع دونوں کے جے کے سامنے آپ کو سب بھول کیوں جاتا ہے مام!" معاذ کے لہجے میں مصنوعی خفگی تھی، دونوں ہی مسکرا دیئے، معاذ نے منہ بسور لیا تھا، معاذ جانتا تھا اس کی باتیں اس کی ہنسی مل کر بھی جہان کو اس کیفیت سے نہیں نکال رہی وہ اسی خیال سے مضطرب ہو رہا تھا، مارکیٹ میں بھی وہ جہان کے ساتھ بے خیال سا پھرتا رہا تھا۔

یوسف مصر تمنا تیرے جلووں پہ نثار
میری بے تابی کو خواب زلیخا نہ بنا

جہان سوٹ کے ساتھ کی میچنگ ٹائی ڈھونڈ رہا تھا جب کوئی اچانک اس کے پاس آ کر چہکنے کے انداز میں بولا، جہان کچھ اس طرح بے خبر تھا کہ ایکدم اپنی جگہ پہ اچھل کر رہ گیا، اس کے ساتھ ساتھ معاذ بھی چونکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا تھا، بلو بے حد خوبصورت کڑھائی کا گہرے گلے کا سلیولیس ٹاپ اور کاٹن کے ییلو پھولوں والا سفید سکرٹ پہنے نیلما اپنی تمام تر حشر سامانیوں اور بے باکی کے ساتھ اس کے روبرو جذبے لٹاتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، جہان کا چہرہ ایکلخت یوں بگڑ گیا جیسے منہ میں کونین گھل گئی ہو۔

"کیسے ہیں جناب! بہت سنگدل ہیں آپ؟ کبھی خدمت کا موقع ہی نہیں دیتے۔" وہ پیاسی نظروں سے جہان کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"چلو معاذ!" جہان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھینچا تو نیلما سرعت سے لپک کر راستہ روک کر کھڑی ہوگئی۔

"ارے ارے اتنی خفگی اور یہ کون ہیں، ماشاءاللہ خدا نے انہیں بھی کیا خوب بنایا ہے۔" اب اس کی نظروں کا فوکس معاذ پہ تھا، انداز کی بے باکی کا وہی عالم تھا، نظروں میں ستائش اور ہونٹ توصیفی انداز میں سکڑے ہوئے۔

"کون ہے یہ؟" معاذ نے جہان کے ساتھ باہر آتے ہوئے پلٹ کر ایک نظر نیلما کو دیکھا جو تیزی سے ان کے پیچھے ہی لپکی آرہی تھی۔

"ایسے لوگوں کا تعارف بھی حاصل نہیں کرنا چاہتے، لعنت بھیجو اس پہ۔" جہان کے لہجے و انداز میں اس درجہ حقارت تھی کہ معاذ ٹھٹک گیا تھا، اس نے آج تک جہان کو کبھی کسی کے لئے اس انداز میں بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

"پھر بھی یار کچھ پتہ تو چلے، مجھے لگ رہا ہے جیسے کہیں دیکھا ہے محترمہ کو اور تم اتنا ڈر کیوں رہے ہو، کھانے سے تو رہی۔" معاذ کو واقعی اچنبھا ہوا تھا، جہان کے اس درجہ گریز پہ۔

"یہ کی نا آپ نے خالص مردوں والی بات، کھانے سے تو رہی، ویسے آپ صرف خوبصورت نہیں ہیں، باتیں بھی مزے کی کرتے ہیں۔" اس اثنا میں نیلما ایک بار پھر دونوں کے برابر آ پہنچی تھی اور نثار ہونے والے انداز میں معاذ کو دیکھنے لگی، اس نے معاذ کا آخری فقرہ ہی سنا تھا، معاذ نے گردن موڑ کر تیکھے چتونوں سے اسے دیکھا۔

"آپ کی تعریف؟"

"تعریف تو مجھے اس خدا کی کرنی چاہیے جس نے آپ کو بنایا، ہم تو جہان صاحب کو ہی دیکھ کر دل تھامے بیٹھے تھے، آپ کو دیکھ کر خدا کی صناعی پہ رشک کر رہے ہیں۔" معاذ کا منہ کھل گیا تھا، اس نے ایسی بے باکی کے مظاہرے انگلینڈ میں تو دیکھے تھے، پاکستان میں پہلی بار ایسا ہوا تھا۔

"ہوگئی تسلی؟ اب چلو ورنہ اگر ان سے تمہارے بات کرنے کی بھنک بھی پرنیاں کو ہوگئی نا تو ساری عمر بھی وضاحتیں دیتے رہے تو وہ مشکوک ہی رہے گی۔" جہان نے دانت کچکچا کر اس کے تقریباً کان میں گھس کر کہا تھا مگر نیلما کی سماعت قابل رشک تھی اس نے چونکتے ہوئے دونوں کو دیکھا۔

"پرنیاں؟ بیوی ہے ان کی؟" اس کا لہجہ بے حد عجیب تھا، جہان نے اس کے سوال کا جواب دینا گوارا نہیں کیا تو نیلما نے سرد آہ بھری۔

قربان ہو جاؤں اس شخص کے ہاتھوں کی لکیروں پر
جس نے تجھے مانگا بھی نہیں اور اپنا بنا لیا

وہ متاسفانہ انداز میں ٹھنڈی آہیں بھر رہی تھی، جہان قہر بھری نگاہ اس پہ ڈالتا گاڑی میں بیٹھا اور اگلے ہی ایک جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی، معاذ کو نہایت عجلت میں اندر بیٹھ کر دروازہ بند کرنا

پڑا، جہان کا سرخ چہرا دیکھ کر وہ بے اختیار ہنستا چلا گیا۔

"اف ہے! اتنا غصہ۔"

"حرکتیں دیکھی ہیں محترمہ کی؟" جہان ہنوز کلس رہا تھا۔

"یار اچھی خاصی حسین وجمیل لگیں مجھے تو۔" معاذ کے انداز میں شرارت تھی۔

"میں پرنیاں کو بتاؤں گا۔" جہان نے جس طرح دھمکی دی تھی معاذ نے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ ہلا دیا۔

"بتا دینا میری بلا سے، اسے بڑا کوئی فرق پڑتا ہے، بلکہ بتا ہی دینا شاید فرق پڑ جائے۔"

جہان کے گھورنے پہ وہ ہنستا رہا تھا۔

☆☆☆

تجھے کیا خبر میرے حال کی
میرے درد میرے ملال کی
یہ میرے خیال کا سلسلہ
کس یاد سے ہے ملا ہوا
اسے دیکھنا اسے سوچنا
میری زندگی کا ہے فیصلہ
یہ اسی کی پلکوں کے سائے ہیں
میری روح میں جو اتر گئے
یہ جنون منزل عشق ہے
جو چلے تو جاں سے گزر گئے
مجھے اس مقام پہ چھوڑنا
ہے یہ بے وفائی انتہا
یہ قفس ہو جیسے کھلی فضا
یہی سکھ کا سانس میں لوں سدا
جنہیں تیری دید کی پیاس تھی
وہ کٹورے نینوں سے بھر گئے
یہ جنون منزل عشق ہے
جو چلے تو جاں سے گزر گئے

لکڑی کی ریلنگ سے کاندھا ٹکائے وہ آنسو بھری آنکھوں سے شاہ ہاؤس کے سرسبز لان کی طرف دیکھتی رہی وہ اسے کہیں نظر نہیں آرہا تھا اور جب نظر آتا تو ساری توجہ سارا دھیان پرنیاں کی سمت ہوتا، کیسا اذیت انگیز تھا یہ سب، دل یہ برداشت نہیں کر پاتا تھا اور نگاہوں کا تقاضا دیدار یار تھا، وہ نا چاہتے ہوئے بھی کن راستوں کی مسافر بن گئی تھی، اس کا دل رو اٹھا، شاہ ہاؤس کے لان میں سناٹا تھا، ہوا خشک پتے اڑا رہی تھی، جبکہ آسمان پر سرمئی کالے اور سفید بادل آنکھ مچولی کھیلنے میں

مصروف تھے، اس نے سرد آہ بھری اور جلے پیر کی بلی کی مانند پورے گھر میں بھٹکتے پھری، کبھی اس کمرے میں کبھی اس کمرے میں پھر تھک کر برآمدے کی سیڑھیوں تک آ گئی اور ستون سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں، بند آنکھوں کے پیچھے وہی تھا، جو دل کے اضطراب کا باعث تھا، وہ بے اختیار کلائی مسلتی سیدھی ہو بیٹھی، پانچ مضبوط بھاری انگلیوں کے نشان ابھی بھی ثبت تھے، دکھائی نہ دیتے تھے محسوس ہوتے تھے، وہ ان پر ہاتھ پھیرتی لمس کو محسوس کرتی تھی، ان پوروں کی حرارت ابھی تک اس کی نبضوں میں اترتی اور اس کے پورے وجود کو دل بنا کر دھڑکاتی تھی اور یہی وہ نہیں چاہتی تھی کہ قصد اور عہد کچھ اور تھا، دل جن راہوں کا مسافر تھا وہ اس رستے پہ چلنا نہیں چاہتی تھی، معاذ نے کبھی اسے خاص نگاہ سے نہیں دیکھا تھا، اس کا چھونا عام سا انداز تھا، وہ اگر اس کے سامنے سیڑھیوں سے سلیپ نہ ہوتی تو یقیناً وہ یہ بے اختیاری سہارا بھی نہ دیتا، مگر وہ پاگل تھی اسی ایک لمحے میں جی رہی تھی، آنسو اس کی نگاہوں کو دھندلانے لگے۔

''یہاں کیوں بیٹھی ہو اتنی گرمی میں؟'' بیرونی گیٹ کھول کر زیاد اندر آیا تھا، سیڑھیاں چڑھ کر اندرونی حصے کی جانب جاتے جاتے اسے ٹوکا اور آگے بڑھ گیا، وہ ان سنی کیے بیٹھی رہی پھر جانے دل میں کیا سمائی کہ پائپ لگا کر پودوں کو پانی دینے لگی، زیاد کچھ دیر بعد واپس آیا تو چیخ پڑا تھا۔

''پاگل ہوئی ہو نوری! اتنی دھوپ میں پانی دے رہی ہو، ناس ہو جائے گا سب کا۔'' اس نے جلدی سے بڑھ کر پہلے نل بند کیا تھا پھر پائپ اس کے ہاتھ سے لے کر دور اچھالا، نوریہ نے گھاس کے قطعے پہ دیوار کے نزدیک لگے نل پہ ہاتھ دھوئے کپڑوں سے گھاس اور مٹی جھاڑی اور اسی خاموشی سے اندر جانے کو قدم بڑھائے تھے کہ زیاد جو تب سے اس کی کاروائی دیکھ رہا تھا بے اختیار پکار لیا۔

''کہاں جا رہی ہو؟ بیٹھو نا کچھ دیر میرے ساتھ یہاں۔''

''مجھے گرمی لگ رہی ہے، نہاؤں گی۔'' انداز صاف کترایا ہوا تھا، وہ اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی، زیاد نے ہونٹ بھینچ لئے۔

''چلو فریش ہونے کے بعد ادھر آ جانا، تمہاری تیاری تو مکمل ہے نا؟''

''میں ولیمہ پہ نہیں جا رہی ہوں۔'' اس کا لہجہ و انداز قطعی اور دوٹوک تھا، زیاد کو جھٹکا لگا۔

''کیوں؟'' وہ سخت احتجاجی انداز میں بولا تھا، نوریہ کے چہرے پہ موجود سرد مہری میں اضافہ ہو گیا۔

''میری مرضی ہے نا جو چاہوں کروں۔'' زیاد نے یکلخت جل اٹھنے والی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''تم کچھ زیادہ ہی مرضی کے تابع نہیں ہوتی جا رہیں۔''

''یاد ہے کچھ پوچھا تھا تم سے؟''

''فضول کا انتظار ہے، میں کسی کو پابند نہیں کرنا چاہتی۔''

''نوریہ ذرا سی بھی گنجائش نہیں نکال سکتیں تم میرے لئے؟'' وہ ایکدم مضطرب ہو کر رہ گیا تھا۔

''نہیں، کہا نا۔'' نوریہ نے نخوت و درشتگی سے کہا تھا اور بے اعتنائی سے آگے بڑھ گئی، زیاد

چند لمحوں کو ٹھہرا سا گیا تھا، وہاں سے لوٹا تو اس کا چہرا اندرونی خلفشار سے تمتمایا ہوا تھا، معاذ نے دھیان سے اسے دیکھا تھا۔

''خیریت؟ لالے نوریہ ولیمہ پہ نہیں جا رہی۔'' اس نے بوجھل آواز میں اہم اطلاع دی۔

''کیوں؟ طبیعت ٹھیک ہے اس کی؟'' معاذ کو فطری سی تشویش ہوئی تھی۔

''جی فزیکلی تو ہے مینٹلی نہیں۔'' زیاد نے اب کے قدرے غصے سے جواب دیا تھا، معاذ کی نگاہوں کا سوالیہ رخ پا کر گہرا سانس بھرا۔

''وہ مجھ سے خفا ہے لالے! میرا پرپوزل بھی قبول نہیں کر رہی۔''

''واٹ؟ تم نے کوئی حماقت تو نہیں کی؟'' معاذ نے جتنا حیران ہوا تھا اسی لحاظ سے مشکوک تھی، زیاد کے نظریں چرانے پہ معاذ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا، زیاد کے مختصر تفصیل پہ معاذ نے اسے بے دریغ گھورا تھا۔

''یار کیا ضرورت تھی ہیرو بننے کی؟''

''ہیرو تھوڑی ہی بنا تھا، بس مجھے تب غصہ تھا، ذرا سا ڈانٹ دیا مگر وہ مائنڈ زیادہ کر گئی، آپ بتائیں کچھ کر سکتے ہیں؟''

''کس قسم کا تعاون چاہتے ہو؟'' معاذ نے بھنوؤں کو اچکا کر سوال کیا تو زیاد کی باچھیں چر گئی تھیں۔

''ہر قسم کا، ولیمہ پہ جانے سے لے کر میری اس سے شادی ہونے تک۔''

''بہت فاسٹ ہے تو کاکے! خیر آج لینے کا دینا ہے، ذرا اپنی ہونے والی بھابھی سے میرا معاملہ ابھی تو سیٹ کرا نا میں بھی کچھ کرتا ہوں۔''

''پرنیاں کی بات کر رہے ہیں؟ آپ کا کام تو اللہ نے خود کر دیا ہے جی۔'' جواباً وہ ہنسنے لگا تو معاذ فوری مشکوک ہو گیا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا وضاحت کرو۔''

''مطلب آپ اتنے ہینڈسم ہو اتنے پڑھے لکھے ہو لالے کوئی لڑکی احمق ہی ہو گی جو اگر آپ کو رد کرے۔'' وہ فی الفور سنبھلا اور گڑبڑا کر وضاحت دی، معاذ نے سرد آہ بھر لی۔

''تو وہ پوری نہیں تو کس حد تک احمق ضرور ہے، الٹی کھوپڑی کی، اسے نہ میری شکل صورت نظر آ رہی ہے نہ اعلیٰ ڈگریاں......''

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

زیاد گنگنایا تھا، معاذ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

☆☆☆

کب تک رہو گے آخر یوں دور دور ہم سے
ملنا پڑے گا آخر اک دن حضور ہم سے

اس وقت ذرا فراغت تھی اور زیاد کو تو ہلے گلے کا کریز تھا، سب کی تیاری مکمل تھی کل انہیں فرسٹ ٹائم وادی جانے کو نکلنا تھا، زیاد اس وقت پھر ڈھولک کی شامت لے آیا تھا، نوریہ کو معاذ خود

بالخصوص بلا کر لایا تھا ڈانٹ ڈپٹ کر۔

''تمہارا کیا خیال ہے تمہاری دوست چلی گئی تو تمہارا ہم سے تعلق ختم ہوگیا؟ خبردار جو ایسا سوچا بھی اسی طرح آیا کرو سمجھیں۔'' اور نوریہ وہ تو اس حکم پہ اس انداز پہ حواس کھونے لگی تھی، پھر کہاں کی ضد اور انا وہ سر کے بل چل کر آئی تھی، بھلا تھی تاب کہ انکار کر سکے، اب وہ چائے بنا کر لائی تو ساتھ پرنیاں بھی تھی۔

تب زیاد نے ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ لاگ الاپا، صرف اپنے دل کی نہیں گویا معاذ کے دل کی بھی کیفیت عیاں کی تھی، چائے کے مگ میں چینی حل کرتے پرنیاں کے ہاتھ میں لرزش اتر آئی، معاذ کی پر کشش نگاہوں کا حصار تمام تر معنی خیزیت کے ہمراہ اسی کے گرد بندھتا جارہا تھا۔

دامن بچانے والے یہ بے رخی ہے کیسی
کہہ دو اگر ہوا ہے کوئی قصور ہم سے
ہم چھوڑ دیں گے تم سے یہ بات چیت کرنا
تم پوچھتے پھرو گے اپنا قصور ہم سے
ہم چھین لیں گے تم سے یہ نشان بے نیازی
تم مانگتے پھرو گے اپنا غرور ہم سے

اس کی بدلتی نظروں کا ہی اعجاز تھا کہ پرنیاں کا اعتماد بری طرح متزلزل ہوا تھا، اس نے باری باری سب کو چائے پیش کی تھی اس کا کپ زیاد کی سمت بڑھا دیا۔

''بھائی یہ دے دیں۔''

''کس کو؟'' زیاد نے معصومیت وانجان بنے کی انتہا کر دی۔

''انہیں۔'' پرنیاں کی آنکھیں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔

''انہیں کنیں؟'' زیاد معاذ کو آنکھ مار کے مسکرایا، گویا اپنا عہد نبھانے کا آغاز کر دیا، معاذ نے اشارے سے ہی اس کی حوصلہ افزائی کی تھی، پرنیاں نے اس جرح پہ حیران ہو کر زیاد کو دیکھا۔

''اپنے بھائی کو اور کنیں۔'' وہ جھلائی تھی اور سرگوشی سے ذرا ہی بلند آواز میں جواب دیا، معاذ دانستہ اپنی نگاہیں اسی پل دوسری سمت کر چکا تھا مگر دھیان کے سارے ارتکاز ادھر ہی تھے گویا۔

''سوری میں اتنے بھاری احسان نہیں لادا کرتا کسی پہ، آپ خود دے دیں نا، آپ کی لڑائی ہے ان سے؟'' نروٹھے پن سے کہتا وہ آخر میں کچھ رازداری سے بولا تھا، پرنیاں نے پہلے حیرانی پھر شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور لب بھینچے اٹھ کر مگ معاذ کی سمت بڑھا دیا۔

سونی راتوں کی چاندنی میں کبھی نہ تم بے نقاب آنا
میں دل پہ قابو تو رکھ سکوں گا نگاہ شاید گناہ کر دے

وہ دھیرے سے گنگنایا تھا، پرنیاں جو اس کی قربت میں آکر ہی بوکھلائی ہوئی تھی اس پہ یہ گوہر افشانی، بوکھلاہٹ عروج پہ پہنچی تھی اور مگ سے چائے چھلک کر معاذ کے لباس کو داغدار کر گئی، زیاد کی دبی دبی ہنسی چھوٹ گئی تھی، پرنیاں کچھ اس طور بدحواس ہوئی کچھ اس درجہ سٹپٹائی کہ گھبرا کر اپنے دوپٹے سے جلدی سے اس کی شرٹ کی آستین صاف کرنے کی کوشش کی تھی، خود معاذ بھی جیسے سکتے

میں آ گیا۔

وہ حواسوں میں لوٹا تو کسی قدر بے چارگی سے بولا تھا، پرنیاں کو شدت سے اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا، وہ ایک جھٹکے سے اٹھی چہرا بے تحاشا سرخ پڑ گیا تھا، معاذ کی ہنسی میں بے تحاشا دلکشی خمار اور آسودگی کا رنگ تھا، جبکہ وہ سب کے سب مسکراہٹ دبائے بیٹھے تھے۔

اسی عشق سے اسی چاہ سے
اسی مان سے اسی پیار سے
مجھے چند لمحے ادھار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں

تیزی سے باہر جاتی پرنیاں کو دیکھ کر معاذ نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی، زیاد قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

''دیکھا کہا تھا نا میں نے، آپ ہارنے کو نہیں بنے۔'' زیاد نے جوش بھرے انداز میں اس کا کاندھا ٹھونکا تھا۔

''یار میں نے تو سنا تھا کڑی ہنسے تو پھنستی ہے۔'' وہ مسمی شکل بنا کر پوچھ رہا تھا، زیاد نے گھورا۔

''آپ تو سارے مرحلے ابھی سر کر لینا چاہتے ہیں، اتنے فاسٹ مت بنیں لالے۔''

''یار محفل سونی ہوگئی ہے، کوئی جائے اسے لائے۔'' معاذ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر نیم دراز ہوگیا، انداز میں شرارت رقم تھی، نوریہ جو تب سے ساکن کھڑی یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی، پھیکے چہرے کے ساتھ جلتی آنکھوں کا رخ پھیر لیا، وہ اس کے بلانے پہ آئی تھی مگر بلانے والا اسے فراموش کر چکا تھا، وہ جا رہی تھی تو تب بھی اسے خبر نہیں ہو سکی تھی۔

☆☆☆

موسم بہت حسین ہو رہا تھا، آسمان ایکدم صاف شفاف گہرا نیلا تھا اور اس پر جگمگاتے لاتعداد ستاروں کے درمیان روشنی بکھیرتا چاند بے حد حسین لگ رہا تھا، دھیرے دھیرے چلتی پرنم ہوا نے ماحول کو سحر انگیز بنا دیا تھا، یہ ان کے سفر کا آغاز تھا، جو فجر کی نماز کے بعد ہوا تھا، بڑی کوسٹر میں یہ سفر شروع ہوا تھا اور پورا خاندان اس وقت ایک ہی بس میں سوار تھا جس کی سیٹیں بے حد آرام دہ تھیں، پرنیاں کو تو ابھی تک نیند کے جھونکے آرہے تھے مگر اس کے دائیں بائیں بیٹھیں ماریہ اور حوریہ اسے ہرگز سونے کی اجازت نہیں دے رہی تھیں، نوریہ نے ہاٹ لائن کھول کر ناشتہ سرو کرنا شروع کیا تو اسماء بھابھی بھی اس کی مدد کو اٹھ گئی تھیں، پرنیاں ضرور ہیلپ کرا دیتی مگر کل کی حماقت اور بے وقوفی کا اثر ابھی بھی زائل نہیں ہوا تھا، وہ حیران تھی اسے آخر ہو کیا گیا تھا، خوامخواہ تماشا بنا کر رکھ دیا تھا، معاذ کی پرتپش نگاہوں کا پھر سے تصور اس کے رخسار سلگانے لگا۔

ہم چلے تو ہمارے سنگ سنگ نظارے چلے

زیاد نے ہانک لگائی تھی اور نوریہ سنگ لیتے ہوئے جان بوجھ کر چائے چھلکا دی، نوریہ نے دیکھا تھا اور نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی، جہاں زیاد کھسیایا تھا وہاں معاذ اور جنید بھائی کا مضحکہ

اڑاتا قہقہہ چھت اڑانے لگا، سب حیران ہو کر ان کی سمت متوجہ ہوئے البتہ کسی نے وضاحت طلب نہیں کی۔

''بچو کوئی نیا طریقہ ایجاد کرتے نا لڑکی پٹانے کا۔'' جنید بھائی نے اسے دھپ لگائی تھی۔

''پٹانے کو کیوں؟ میں کوئی فلرٹ تھوڑی کر رہا ہوں۔'' زیاد نے اچھا خاصا برا منہ بنالیا تھا، معاذ نے ہمدردانہ انداز میں کاندھا تھپکا۔

''چلو بھئی ڈھولک نکالو گانے شانے گاتے ہیں۔'' ناشتے کے بعد جنید بھائی نے انگڑائی لے کر محفل جمانا چاہی۔

''ہاں ہاں نکالو انہوں نے وہ والا گانا گانا ہے، ابھی تو میں جوان ہوں۔'' معاذ کی بات پہ اجتماعی قہقہہ پڑا تھا، جنید بھائی بغلیں جھانکنے لگے۔

''جس طرح تمہارا معاملہ اٹکا ہوا ہے نا پتر میری جتنی عمر کو پہنچ کر بھی کنوارے رہنے کا خدشہ لاحق ہے مجھے۔'' انہوں نے بدلہ چکانا چاہا مگر وہ معاذ تھا اثر لئے بنا ہنستا رہا، پھر اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی تھی جہان کی تلاش میں وہ اسے پپا کے ساتھ اگلی سیٹوں میں سے ایک پر نظر آیا۔

''جے یہاں آکر بیٹھو نا میرے پاس۔''

''گھاس کھا گئے ہو ڈاکٹر، یہ جہان ہے پرنیاں نہیں۔'' جنید بھائی نے پھر اسے گھسیٹنا چاہا تھا، معاذ نے براہ راست انہیں دیکھا۔

''اف اتنا غصہ، چلیں آپ پرنیاں کو لاکر میرے پاس بٹھا دیں اگر اتنے اداس ہو رہے ہیں۔'' وہ بھی ان کی طرح آواز دانستہ پیچی کر کے بولا تھا، جنید بھائی کے دانت کچکچانے پر وہ پھر جلانے والے انداز میں ہنسے گیا۔

''کچھ سناؤ نا معاذ! کیا لایعنی بحث ہے۔'' بھابھی نے ٹوکا تھا، سب نے ہاں میں ہاں ملائی، معاذ کی نگاہیں پھر بھٹکیں، پرنیاں اسے کہیں نظر نہیں آرہی تھی، بھابھی نے اس کی نگاہوں کا بھٹکنا محسوس کیا اور اسے ہاتھ کے اشارے سے پرنیاں کی سمت کا بتایا تھا، وہ بے ساختہ مسکرایا اور سر کو نفی میں جنبش دی۔

''نہیں یہاں بلائیں اسے کسی بہانے سے۔''

''بری بات ڈاکٹر صاحب! اپنے مقصد کو انسان کو خود جدوجہد کرنی چاہیے۔'' بھابھی نے جواباً سرگوشی کی تو معاذ انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا، پھر کاندھے اچکا دیئے۔

''حسان پانی لاؤ میرے لئے۔'' اس نے اسی رو میں آخری سیٹ پہ بیٹھے حسان کو پکارا تھا، حسان پانی لینے گیا تو معاذ نے اس کی جگہ سنبھال لی تھی۔

''یہ تو فاؤل ہے۔'' بھابھی نے چھیڑا، معاذ نے انہیں گھورنے پہ اکتفا کیا تھا، اسی پل جہان بھی پپا کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا۔

معاذ نے اسے اپنے ساتھ جگہ دی تھی پھر اس کی سمت جھک کر سرگوشی میں بولا تھا۔

''میں تمہاری بہن کو چھیڑنے لگا ہوں کچھ کر سکتے ہو تو کر لو۔'' جہان پہلے تو ہونق ہوا تھا پھر اتنا کھسایا کہ اسے دو تین گھونسے اکٹھے دے مارے تھے۔

''بہت بدتمیز ہو تم اور کبھی نہیں سدھر سکتے یہ لکھ کے رکھ لو میری بات۔'' جہان کی خجالت کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی، پرنیاں جو میگزین کے صفحے پلٹ رہی تھی، انہیں ایک دوسرے سے گتھا ہوتے کچھ حیرت سے دیکھا، دونوں ہی سنبھل کر شرافت کے جامے میں آئے تھے۔

''یار سنا بھی دو ڈاکٹر! تمہارے نخرے ہی آسمان پہ چڑھتے جا رہے ہیں۔'' جنید بھائی نے پھر دہائی دی تو معاذ نے انہیں مشکوک نظروں سے دیکھا تھا۔

''گانا سننے کی طلب تو آپ کو ایسے ہو رہی ہے جیسے گانا نہ ہوا ڈرگس ہو گئے، بھابھی ان کا چیک اپ کرائیں نشہ وشہ تو نہیں کرنے لگے، مطلب عشق کا نشہ۔'' بھابھی کی گھوریوں پہ اس نے فی الفور ٹریک بدلا تھا۔

''اچھا بس کرو کچھ سنا دو، ورنہ میں زیاد سے کہتا ہوں۔'' جنید بھائی نے دھمکی دی تو معاذ نے کاندھے اچکا دیئے تھے۔

''ہاں تو سن لیں نا زیاد سے، آئی ڈونٹ کیئر۔''

''اور جو تمہارے کسی تک جذبات نہیں پہنچیں گے، سوچو کتنا نقصان ہو گا۔'' جنید بھائی نے پچکار کر کہا تو اس کی اینٹھن کچھ کم ہوئی تھی۔

''آپ نے کبھی پتھر کو پگھلتے دیکھا ہے بھلا؟'' اس کی ترچھی نگاہوں کا مرکز پرنیاں جو از حد کنفیوژڈ ہو چکی تھی۔

''گانا سناؤ گانا، فلسفہ بگھارنے کی ضرورت نہیں۔'' معاذ نے چہرے پہ بے چارگی طاری کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا، پھر گلا کھنکارتے ہوئے خصوصی طور پر پرنیاں کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔

''اجازت ہے؟'' پرنیاں بری طرح چونکی اور گھبرا کر متحیر نظروں سے اسے دیکھنے لگی جبکہ باقی سب بھی اس کی حرکت پہ حیران رہ گئے تھے۔

''ظاہر ہے یہ آپ کو ہی ڈیڈی کیٹ ہو گا تو اجازت تو چاہیے نا آپ کی؟''

شوخ رنگ آنکھیں، متبسم شریر قسم کا لہجہ اور توجہ و انداز کی خاصیت پرنیاں کے تو چھکے چھوٹنے لگے تھے، وہ لمحوں میں پسینوں میں نہا گئی، شنگرفی ہونٹ کپکپانے لگے، جہان نے معاذ کو کالر سے پکڑ کر پیچھے کھینچا تھا اور اسے تادیبی نظروں سے دیکھا، پرنیاں کا رنگ فق تھا اور آنکھوں میں نمی لہرانے لگی تھی، وہ ایکدم اٹھی اور وہاں سے جانے کو آگے بڑھی تھی کہ بھابھی نے بروقت اسے تھام کر واپس بٹھایا اور اپنے ساتھ لگا لیا، وہ دھیرے دھیرے کپکپا رہی تھی، معاذ کی اس درجہ شوخی اور کھلم کھلا جسارت نے اسے سراسیمہ کر دیا تھا، اسے یوں اپنا تماشا بننا کبھی بھی اچھا نہیں لگتا تھا، مگر جب سے معاذ سے اس کا سامنا ہوا تھا، وہ قدم قدم پہ اسے تماشا بنا رہا تھا، اس کے اندر خالی پن بکھرنے لگا، اس کی حالت کی وجہ سے ہی معاذ پہ ہر طرف سے نقطہ چینی ہونے لگی۔

''حد ہوتی ہے مذاق کی بھی معاذ! اور تم نے ہرٹ کیا ہے نا پرنیاں کو چلو اب مناؤ اسے۔'' بھابھی نے بھی اس لعن طعن میں اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا، وہ پرنیاں کے آنسو بڑی توجہ سے سمیٹ رہی تھیں۔

''میں ہرگز مذاق نہیں کر رہا تھا، اور منانے کی آپ نے خوب کہی، ٹیل می کیا مجھے اختیارات حاصل ہیں کہ منانے کا مرحلہ سر کر سکوں؟ آپ کو ہی پھر شکایت ہو گی بنا کسی پرمٹ کے ان کے قریب آ جانے کے، بی کوز مجھے تو منانے کا ایک ہی طریقہ آتا ہے گلے لگا کر آنسو پونچھنے کا۔'' اس کی آنکھوں میں ہنوز شرارت مچل رہی تھی، زیاد کو زبردست اچھو لگا تھا، بھابھی کلس کر رہ گئیں، پرنیاں نے بے اختیار جلتے چہرے کا رخ سرعت سے پھیرا تھا۔

''بہت اونچا نہیں اڑنے لگے ہیں آپ؟'' بھابھی جل کر بولی تھیں، باقی سب ہنسی ضبط کر رہے تھے۔

''کہاں اڑ رہا ہوں جناب! میرے تو پر کٹے ہیں، ورنہ اتنا بے بس ہوتا؟'' اس کی آنکھوں میں ہونٹوں پہ تبسم کی شوخی تھی، پرنیاں کا وجود اس کی پرتپش فقرے بازی سے جل اٹھا تھا، بات کہاں سے کہاں جا پہنچی تھی۔

''مطلب کی بات کرو صاحبزادے۔'' جنید بھائی نے بڑے پن سے ڈانٹا مگر وہ ذرا جوان کے رعب میں آیا ہو۔

''مطلب کی بات یہ ہے کہ میں اپنی چیزوں سے کبھی دستبردار نہیں ہوا کرتا، چاہے کیسے ہی نا موافق حالات کیوں نہ ہوں، سب سن لیں۔'' اس نے پہلے پرنیاں پھر بہت فاصلے پہ بیٹھے پپا کو گویا سنایا تھا، لہجے میں خودسری، ہٹ دھرمی، سرکشی کے علاوہ سرد مہری بھی تھی، پرنیاں دہل سی گئی، اس نے سہم کر بھابھی کو دیکھا، جانے کیوں اس پل اسے لگا تھا معاذ اس حقیقت سے آگاہ ہے جسے اپنے تئیں وہ چھپا ہوا سمجھ رہے ہیں، بھابھی نے بے اختیار اسے ساتھ لگا کر تھپکا گویا تسلی سے نوازا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟'' بھابھی نے گویا پرنیاں کے دل کی بات کی تھی۔

''مقصد یہ کہ میں اپنی زندگی کا فیصلہ اپنی مرضی سے کروں گا، چاہے پپا کتنے ہی خفا کیوں نہ ہوں؟'' اس نے ایک بار پھر پرنیاں کو دیکھ کر خصوصیت سے جتلایا۔

''میں انہی محترمہ سے شادی کروں گا چاہے یہ بھی کتنا ہی اکڑیں۔'' اس نے اب کے مخصوص پرنیاں کو ہی سنایا تھا، پرنیاں کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، وہ رخ پھیرے ہوئے تھی، معاذ اس کے چہرے کو نہیں دیکھ سکتا تھا اس کے باوجود پرنیاں کو اس کی نظروں سے اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، وہ سنانے کی زد پہ تھی، اسے معاذ سے بہرحال اتنی ہٹ دھرمی اور جرأت کی توقع نہیں تھی۔

(جاری ہے)

''سانحہ ارتحال''

ہماری قاری نرگس سحر جو حنا کے مستقل سلسلوں میں شرکت کرتی ہیں گزشتہ دنوں ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا، ادارہ حنا نرگس کے غم میں برابر کا شریک ہے اللہ تعالیٰ ان سب گھر والوں کو صبر عطا کریں اور مرحومہ کے درجات کو بلند کریں آمین۔

مصباح نوشین

ہال میں موجود تمام نفوس کسی تکلیف دہ احساس کے تحت خاموش بیٹھے تھے بابر زمان کو آئے مہمانوں کی خاموشی بے حد کھلی، وہیں مشعل بھی کسی انہونی کے ڈر سے ابراہیم کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کا چہرہ آج کسی بھی قسم کے تاثر سے خالی تھا مشعل نے منتظر نگاہوں سے اپنی ہونے والی ساس کا چہرہ کھوجنے کی کوشش کی جہاں عجیب نا قابل فہیم سے تاثرات نظر آ رہے تھے۔

"آپ کچھ کہنا چاہتی تھیں شاید؟" کچھ دیر کے مزید انتظار کے بعد بابر زمان نے ہی گفتگو کا آغاز کیا تھا، ان کے سامنے رکھی گئی چائے اور دیگر لوازمات ٹھنڈے ہو چکے تھے، آنے والوں نے کسی بھی چیز کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔

"دیکھیے مسٹر بابر! رشتہ داری کی بنیاد رکھتے وقت اصولاً ہر چیز واضح کر دینی چاہیے تاکہ بعد میں بدگمانی کا احتمال نہ رہے۔" بالآخر افشین آنٹی نے گلا کھنکھار کر کہنا شروع کیا تھا۔

"جی بہن، آپ بالکل صحیح فرما رہی ہیں؟" بابر زمان نے نافہمی سے ان کی جانب دیکھتے ایک سیکنڈ کی بھی دیری کیے فوراً کہا تھا۔

"تو پھر آپ نے اس بات پہ عمل کیوں نہ کیا؟" اب کی بار ان کا لہجہ تیز اور تیکھا تھا مشعل نے بے اختیار ابراہیم کو دیکھا جو ہنوز نگاہیں جھکائے بیٹھا تھا۔

"میں سمجھا نہیں بہن، آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟" بابر زمان کو ان کی بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"دیکھیے بابر صاحب! ہم نے یہ رشتہ دلی خواہش اور ابراہیم کی رضامندی سے طے کیا تھا، بچے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں تھا مگر......" انہوں نے کچھ دیر کا توقف کیا اور مشعل کو کسی نے سولی پہ لٹکا دیا بابر زمان کی حالت بھی بیٹی سے مختلف نہیں تھی وہ کیا کہنے جا رہی تھی۔

"رشتہ داری ہم پلہ خاندان میں ہو تو اسی میں دو خاندانوں کی بھلائی ہوتی ہے، برابری صرف اسٹیٹس یا ذات پات کی نہیں بلکہ ہر ایک بات میں ہونی چاہیے اور مجھے یہ افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ کی بیوی کا ماضی جاننے کے بعد ہم یہ رشتہ قائم نہیں رکھ سکتے خاندان برادری والے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ کل کلاں کو میرے بیٹے کو اپنی متوقع سسرال کی وجہ سے باتیں سننے کو ملیں؟" وہ بے حد جارحیت و برہمی سے کسی نوکیلے بھالے سے ان کی عزت کی دھجیاں ان کے سامنے اڑا رہی تھی، سفاکیت کی انتہا تھی نہ چاہتے ہوئے بھی بیوی نے ذکر پہ بابر زمان کا سر جھک گیا مشعل نے کرب سے آنکھیں موند لیں اس کی زندگی میں اس کی ماں نہیں تھی مگر وہ ہمیشہ اس کی خوشیوں میں دراڑیں ڈالنے کو موجود ہوتی تھی۔

"جس لڑکی کی ماں ایسی تھی اس کی بیٹی کیسی ہو گی، غضب خدا کا ہم تو مارے جاتے نا دھوکے میں۔" مشعل کو لگا کسی نے بھرے بازار میں اس کے سر سے چادر چھین لی ہو۔

"بیٹی کی ماں ہونے کے باوجود جس عورت کو چین نہ پڑا اس کی بیٹی کل کو ہمارے گھر جا کر کیا گل کھلائے گی، کبھی آپ نے سوچا؟"

"بازار میں بیٹھنے والی عورت کی بیٹی کو ہم ... گھر کی عزت نہیں بنا سکتے ہماری طرف سے ... ہے ہمیں تو معاف ہی رکھیے؟" مشعل کو لگا ... سر بازار میں کھڑے لوگ اس کے منہ پہ ... تے مار رہے ہوں اس کے منہ پہ اپنی ماں کے کرتوتوں کی سیاہی تھوپی جا رہی تھی۔

"مگر بہن یہ میری بیٹی ہے آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں؟" بابر زمان نے مشعل زمان کے ویران ہوئے چہرے کو دیکھتے گڑگڑا کے کہا تھا مشعل کا جی چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے اسے اپنے باپ کی بے بسی تو نہ دیکھنی پڑے۔

"بیٹیاں ماں کا پرتو ہوتی ہیں بابر صاحب!" اب کی بار افشین آنٹی نے طنزیہ ہنکارا بھرا تھا مشعل نے ابراہیم کے چہرے پہ کچھ کھوجنے کی کوشش کی ہاں شاید محبت، مگر وہاں آج

صرف لاتعلقی و بے گانگی نے ڈیرا جما رکھا تھا وہ اپنی ماں کو چپ کیوں نہیں کرا رہا وہ تو اس سے محبت کرتا تھا ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھایا کرتا تھا، افشین آنٹی نے ابراہیم کے ہاتھ سے بابر زمان کی پہنائی انگوٹھی اتار کر سینٹرل ٹیبل پہ پٹخ دی تھی جو اس بات کی غماز تھی کہ مشعل بھی اپنے ہاتھ سے ابراہیم کے نام کی انگوٹھی اتار دے؟

جانے کیسی آس کے تحت مشعل نے ایک مرتبہ پھر ابراہیم کی طرف دیکھا اسے لگا شاید اب وہ کچھ بولے گا اپنی ماں کے ساتھ اس سے مشعل زمان کے بارے میں غلط اندازہ لگانے پہ باز پرس کرے گا، ماں کے کہے گا کہ اسے غلط فہمی ہوئی ہے مشعل زمان ایسی نہیں اس بات کا یقین دلائے گا مگر وہ خاموش تھا، حیرت کی بات محبت کا دعوئی دار شرمندہ تک نہ تھا اسے اپنا آپ اور ماں کا ہر فعل میں جانبدار لگ رہے تھے، اپنی تئیں وہ خود کو سرخرو سمجھتا تھا اور محبت وہ ان دو فریقین کے درمیان کرلاتی پھر رہی تھی، مشعل نے خاموشی سے انگوٹھی اتار کر افشین آنٹی کے آگے بڑھے ہاتھ میں تھما دی بابر زمان تڑپ اٹھے۔

"خدا کے لئے بہن کس اور کے کیے کی سزا میری بیٹی کو تو مت دیں، اس میں اس بے چاری کا کیا قصور، میری بچی کی خوشیاں تو اس سے مت چھینیں؟" اس نے اپنے باپ کو اپنی خوشیوں کے لئے گڑگڑاتے دیکھا وہ اتنی ارزاں تھی کیا، اتنی حرماں نصیب کی خوشیاں در پہ دستک دیتے ہی لوٹ جایا کرتیں تھیں۔

"وہ اور لوگ ہوتے ہوں گے جن کا ظرف اتنا بلند ہوتا ہوگا کہ آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کو تیار ہو جائیں معاف کیجئے گا ہم اتنے اعلیٰ ظرف نہیں ہیں، یہ طعنہ ہی ہمارے لئے جان لیوا ہے کہ جس لڑکی کو ہم اپنی بہو بنا رہے تھے اس کی ماں بغیر نکاح کے کسی اور مرد کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے جبکہ پہلے شوہر کے نکاح میں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی بیٹی کی ماں بھی ہے؟" جاتے جاتے انہوں نے ایک اور پتھر اٹھا کر بابر زمان اور مشعل زمان کے منہ پہ مارا تھا، مشعل کو لگا وہ اب کبھی سر اٹھا کے جی نہیں پائے گی محبت بین کرتی روتی کرلاتی ابراہیم کے قدموں سے لپٹ رہی تھی، زندگی آہستہ آہستہ مشعل زمان سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

"اتنا سب کچھ ہو گیا اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں؟" شازی کو جیسے ہی پتا چلا وہ شکوہ کیے بغیر وہ نہیں پائی تھی۔

"رسوائی تو زمانے بھر میں ہوئی مجھے لگا ت[...] نے بھی سن لیا ہوگا؟" اس نے بے دردی سے [...] سفاک حقیقت کا سامنا کرنے کی کوشش کی [...]

شازی اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گئی۔

"ابراہیم نے کچھ نہیں کہا؟" شازی نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ نرمی سے رکھتے مشعل کے زخموں کو تھپکتے دلاسہ دینے والے انداز میں پوچھا۔

"جو کچھ اس کی ماں نے کہا وہ سب ا[...] کے بھی چہرے پہ لکھا تھا؟" مشعل نے اب کی [...] بھی بے حسی سے بتایا تھا۔

"چلو اچھا ہوا جان چھوٹی، جو شخص شاد[...] سے پہلے اپنی ماں کے سامنے تمہیں مطمئن نہیں [...] سکا وہ بعد میں دنیا والوں سے تمہاری خاطر لڑتا۔" شازی نے خس کم جہاں پاک والے اند[...] میں کہتے ہاتھ جھاڑے تو ایک اداس سی مسکراہ[...] نے مشعل کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

"اور محبت......؟" مشعل نے تڑپتے [...] کی صدا کو لفظوں کا پیرہن اوڑھا شازی نے اس [...] سوال پہ چونکی۔

"کیسی محبت مشعل! ابراہیم کو تم سے محبت تھی وہ تو ایک وقتی کشش ثابت ہوئی ایک بھربھری بوسیدہ ریت کی دیوار، جسے بدگمانی کی ہوا نے ایک لمحے میں چاروں شانے چت کر کے گرا دیا اور تم ابھی بھی محبت کی بات کرتی ہو؟" شازی کو اس پر حیرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ مشعل زمان کے لئے یہ درد بہت کاری تھا وہ اندر ہی اندر تڑپ رہی تھی سلگ رہی تھی گھل رہی تھی اور درد دینے والے کو احساس تک نہیں تھا اگر اسے احساس ہوتا تو شاید یوں کچھ بغیر کہے تو نہ جاتا۔

"میرا کیا قصور ہے شازی!" مشعل تڑپ اٹھی۔

"محبت کے دعوے میں نے تو نہیں کیے تھے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں میں نے تو نہیں کھائی تھیں محبت کی راہ گزر پہ پہلا قدم میں نے تو نہیں رکھا تھا مجھے تو محبت کرنا ہی نہیں آتی تھی مجھے تو لفظ محبت کے مفہوم سے آشنائی تک نہ تھی پھر یہ محبت مجھے کیوں ستا رہی ہے، اسے کیوں نہیں جس نے محبت کی ابتداء کی تھی اور اسے انجام سے پہلے بیچ چوراہے پہ چھوڑ گیا؟" بہت دنوں سے سہنے کا حوصلہ دکھانے والی مشعل زمان اپنی اکلوتی عزیز از جان دوست کے سامنے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی تھی شازی نے اسے جی بھر کے رونے دیا تھا کہ کہیں نہ کہیں تو ان کے جذبوں کی صداقت کی امین وہ بھی تھی، ابراہیم صدیقی کیسے یونیورسٹی میں اس کے پیچھے صرف مشعل سے ایک ملاقات کرنے کے لئے تڑپا کرتا تھا، شازی کی منتیں ترلے واسطے جیسے حربے آزمایا کرتا تھا۔

"جو ہوا اسے بھولنے کی کوشش کرو مشعل! اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تمہارے پاس پلیز خود کو سنبھالو ورنہ بابا بکھر جائیں گے تمہارا دکھ انہیں اندر ہی اندر مار ڈالے گا؟" شازی نے اس کے پیار سے بال سہلاتے سمجھایا تھا۔

"انہیں کی خاطر تو ابھی تک زندہ ہوں ورنہ اتنی ذلت کے بعد کسی کا جی چاہتا ہے زندہ رہنے کو؟" مشعل نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے افسردگی سے کہا تھا۔

"میں ملوں گی ابراہیم سے خبر لوں گی اس کی۔" شازی نے کہا تو مشعل نے روک دیا۔

"تم اسے کچھ نہیں کہو گی شازی! اس طرح وہ سمجھے گا کہ مشعل زمان کی ذات اتنی ارزاں ہے کہ محبت کی بھیک مانگتی پھر رہی ہے۔"

"مگر مشی بات تو میں کروں گی اس سے۔" شازی اس کی نئی منطق پہ حیران ہوئی۔

"دوست تو میری ہو۔" مشعل نے کہہ کے اسے لاجواب کیا تو وہ خاموش ہو گئی۔

☆☆☆

بابا جان آفس سے آنے کے بعد کمرے میں بند تھے، مشعل نے دروازہ کھول کے دیکھا تو وہ سو رہے تھے، وہ آہستگی سے بنا شور کیے باہر نکل آئی کمرے میں آ کے عصر کی نماز ادا کی اس کے بعد سوچا شازی سے تھوڑی گپ شپ لگا لے تب تک بابا جانی بھی اٹھ چکے ہوں گے، اب تو وقت کاٹے نہیں کٹتا تھا پہلے تو رات بھر جاگ کر ابراہیم سے باتیں کیا کرتی تھی، مستقبل کی باتیں خواب، امنگیں نئی آنے والی زندگی کے پلان وہ مل کر بنایا کرتے تھے، خوابوں کی بہت خوبصورت وادی تھی جس کی وہ شہزادی تھی ہاں ابراہیم صدیقی، مشعل زمان کو شہزادی ہی تو کہا کرتا تھا اس نے اسے ایک شہزادی کی سی آن بان سے محبت کی راہ گزر کا مسافر بنایا تھا، مگر اب تکلیف دہ یادوں کے سوا اس کے دامن میں کچھ نہیں تھا کچھ بھی نہیں۔

نہ خواب
نہ جگنو

نہ آس
اور نہ ہی محبت؟
بہت سارا رو لینے کے باوجود بھی آنسو نجانے ختم کیوں نہیں ہوتے تھے، ابراہیم کی یاد آتے ہی آنکھوں کی سطح گیلی کر ہی دیا کرتے اس نے خود کو ان یادوں سے آزاد کروانے کی خاطر ہی شازی کا نمبر ملایا تھا۔
''کیسی ہو شازی آ سکتی ہو اس وقت؟''
فون ریسو ہوتے ہی اس کی ہیلو سے پہلے ہی اس نے بے تابی سے کہا تھا۔
''شازی تو نہیں ہے اس وقت تو صرف میں ہوں اگر آپ کہیں تو میں آ جاتا ہوں۔'' دوسری جانب کسی نے نہایت شوخی سے دریافت کیا تھا مشعل چونکی دفعتاً پوچھا۔
''آپ کی تعریف؟'' دوسری جانب وہ دھیمے سروں میں ہنسا۔
''اللہ کا شکر ہے سبھی کرتے ہیں اور مجھے یقین ہے بہت جلد آپ بھی کرنے لگیں گی۔'' مقابل کو کچھ زیادہ ہی یقین تھا خود پر مشعل کو اس کی بات سن کر بڑا تعجب ہوا اک لمحے کو تو لگا کہ وہ غلط نمبر ملا بیٹھی ہے۔
''اچھا بڑی خوش فہمی ہے آپ کو۔'' اس نے بھی جل کے جواب دیا تھا۔
''ارے اسے خوش فہمی نہیں بلکہ خود آگہی کہتے ہیں خود آگہی کا مطلب سمجھتی ہیں، یعنی اپنی ذات سے جانکاری...... آگاہی؟'' وہ کسی ماہر تعلیم کی طرح سے اسے تفصیلاً سمجھا رہا تھا۔
''دیکھیں پلیز آپ جو کوئی بھی ہیں مجھے آپ کے بارے میں زیادہ جاننے کی کوئی خواہش نہیں پلیز شازی ہے تو اسے فون دیں مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔'' اب کے بار اس نے ذرا سختی سے دوٹوک انداز میں بات کی تھی۔
''دیکھیے مس مشعل! میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ شازی اس وقت دستیاب نہیں اگر میری ضرورت ہے تو میں......''
''واٹ ربش مسٹر! یہ کیا اناب شناب بولے جا رہے ہیں حد ہے بدتمیزی کی۔'' وہ غصے سے غرائی، مقابل بھی ڈھیٹ تھا مسکراتے ہوئے بولا۔
''ماشاءاللہ چشم بددور...... غصے میں تو قیامت لگتی ہیں۔'' مشعل کو تو یہ سننا تھا لگی اس کے سر سے اور تلوؤں پہ بجھی پھر جو اس کے منہ میں آیا خوب اچھی طرح سے دھلائی کی بہت خوب سارا بولنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ دوسری جانب اتنی خاموشی کیوں ہے کیا وہ اتنا اچھا ڈانٹتی ہے کہ لوگ مرعوب ہو کے سنتے رہیں اس نے فون کان سے ہٹا کر دیکھا تو وہ بند ہو چکا تھا۔
''اف میرے خدا۔'' اسے اپنی اس حرکت پہ جی بھر کے ہنسی آئی تھی۔
☆☆☆
''السلام علیکم بابا جانی!'' ناشتے کی میز پہ بابر زمان اخبار کا مطالعہ بے حد شوق سے کیا کرتے تھے ان کے سامنے اخبار رکھتے مشعل نے کہا اور کچن میں ناشتہ تیار کرتی زاہدہ بوا سے ناشتہ لے کر ٹیبل پہ رکھنے لگی تھی۔
''آج آفس سے جلدی آئیں گے ناں بابا۔'' سلائس پہ مارجرین لگاتے مشعل نے فرمائشی انداز میں پوچھا تھا۔
''آج کوئی خاص بات بیٹا جانی۔'' انہوں نے اخبار سے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر پوچھا تھا۔
''خاص تو نہیں البتہ میرا ارادہ تھا اسے خاص بنانے کا۔'' مشعل نے مارجرین لگا سلائس

اور فرائی انڈہ بابر زمان کی پلیٹ میں رکھتے جواباً کہا تھا۔

''اگر ایسی کوئی بات ہے تو پھر تو مجھے واقعی میں جلدی آجانا چاہیے ٹھیک ہے آجاؤں گا اور کوئی حکم؟''

''تھینکس بابا! بس آج ڈنر کرنے باہر جائیں گے کافی دن ہوگئے آپ کے ساتھ کہیں گئے ہوئے۔'' اور پھر شام کو واقعی میں بابا جانی جلدی آگئے تھے

بابا جانی نے اس کے فیورٹ ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی پارک کی تھی اور اس کے پسند کا ہی آرڈر دیا تھا، وہ اس سے اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں کررہے تھے۔

''تم جاب کیوں نہیں کرلیتیں۔'' چکن کا پیس منہ میں رکھتے انہوں نے مشعل کو مشورہ دیا تھا فرائیڈ رائس کا بھرا چمچہ اس نے پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو، سچ کہہ رہا ہوں سارا دن تو فارغ رہتی ہو گھر میں بزی ہوجاؤ گی تو مجھے بھی ٹینشن نہیں رہے گی۔'' بابا جانی نے اس کا یوں اپنی طرف حیرت سے دیکھنے پہ کہا تھا۔

''آپ میری وجہ سے بہت پریشان رہنے لگے ہیں ناں؟'' کچھ دیر کے توقف کے بعد اس نے کہنا شروع کیا تھا۔

''میں نے کبھی نہیں چاہا کہ اپنی ذات کے لئے دکھ کا ذریعہ بناؤں بابا جانی مگر مجھ سے وابستہ میری ماں کا حوالہ کسی نہ کسی طرح ہمارے درمیان آکر کھڑا ہوجاتا ہے آپ کو دکھ دینے کا سبب بن جاتا ہے۔'' ڈبڈبائی نظروں سے بابر زمان کو دیکھتے حلق میں پھنسے آنسوؤں کے گولے کو پیچھے دھکیلتے بمشکل تمام اس نے کہا تھا۔

''ایسا کیوں سوچتی ہو مشعل، سچ کہوں تو میں خود کو تمہارا قصور وار سمجھتا ہوں کیونکہ کہیں نہ کہیں تمہاری ماں کو وہ سب کرنے پہ مجبور کرنے میں میرا بھی ہاتھ رہا ہے اگر میں اسے طلاق دے دیتا اس کی مرضی و منشاء کے مطابق تو شاید آج حالات مختلف ہوتے نہ ہی وہ ضد میں آکے ایسا قدم اٹھاتی نہ ہی اس کا اقدام ہمارے لئے ساری زندگی کا طعنہ بنتا۔'' بابر زمان بھی دکھی ہو کر افسردگی سے کہنے لگے تھے مشعل کی منگنی ٹوٹنے کے بعد پہلی بار دونوں باپ بیٹی باضابطہ طور پر اس تکلیف دہ ٹاپک کو چھیڑ رہے تھے۔

''اگر ماما آپ سے طلاق لے کر بھی ایسا کرتیں تو شاید وہ آپ کی اور دنیا والوں کی نظروں میں جائز اور جانبدار ٹھہرتیں مگر ایک بیٹی کی ماں ہونے کے ناطے وہ کسی طور بھی جانبدار اور جائز نہیں ہوسکتیں اپنے کسی بھی فعل میں، انہیں میرا خیال کرنا چاہیے تھا بیٹیوں کا وجود تو ماں کے دم سے ہوتا ہے، زمانہ انہیں ماں کے حوالے سے جانتا اور پہنچانتا ہے، انہیں یہ سب سوچنا چاہیے تھا بابا جانی۔'' اس کی آنکھوں سے بھل بھل آنسو گر رہے تھے اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور پلیٹ پہ نگاہیں جمادیں جو اس بات کا اشارہ تھی کہ وہ اب اس ٹاپک پہ مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتی بابر زمان بھی خاموش ہورہے، جانتے تھے کہ بیٹی کو مزید روتا ہوا وہ دیکھ نہیں پائیں گے۔

''مشعل اگر تم کہو تو میں ایک بار پھر ابراہیم سے بات کروں۔'' بابر زمان کو لگا ابراہیم کو وہ بھول نہیں پارہی اسی لئے پدرانہ شفقت کے ہاتھوں مجبور انہیں بیٹی کو خوشیاں لوٹانے کے لئے ایک کوشش تو کرنی چاہیے۔

''ابراہیم سے بات کرنی ہے مگر کس سلسلے میں بابا جانی۔'' مشعل کے لہجے میں اچنبھا تھا۔

''تمہارے اور اس کے مستقبل کے لئے

اگر کوئی راہ نکل سکے تو۔'' بیٹی کی نگاہوں کے زاویے سے خائف ہوکر انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''کیا ابراہیم کا ساتھ میری ذات کے ساتھ پیوستہ میری ماں کا حوالہ ختم کردے گا بابا جانی! اور پھر جو خود گھر آکر رسوا کر کے گیا ہے آپ اسی سے سچائی کی توقع کررہے ہیں۔''

''بیٹا میں تو تمہاری خوشی کی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہوں۔'' بابر زمان نے فوراً اس کے خیال کی تردید کی تھی۔

''اگر مجھے خوش دیکھنے کی خواہش ہے آپ کو تو میرے سامنے آج کے بعد کبھی بھی ابراہیم کا نام مت لیجئے گا پلیز میری التجا ہے یہ آپ سے۔'' اتنا کہہ کے وہ اٹھ کے ریسٹورنٹ سے باہر آگئی تھی انٹرنس پہ اس ابراہیم صدیقی کو دیکھا تھا جو کسی لڑکی کا ہاتھ تھامے ہال کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا مشعل کی آنکھوں میں جلن حد سے سوا ہوگئی، دھویں دھویں چہرے کے ساتھ اس نے پارکنگ لاٹ کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

☆☆☆

کافی کلر کے نیٹ کے جدید تراش خراش کے سوٹ میں اس کا لمبا قد اور قیامت خیز سراپا غضب ڈھا رہا تھا یہ ابراہیم کا پسندیدہ کلر تھا اور مشعل نے اپنی آدھی سے زیادہ وارڈ روب اس رنگ کے کپڑوں سے بھر رکھی تھی، اسے آج شازی کے گھر جانا تھا صبح سے اس کے کئی فون آچکے تھے، اس نے زاہدہ بوا کو بتا کر پاپا سے اجازت لی اور ڈرائیور کے ساتھ ان کے گھر روانہ ہوگئی، وہاں پہنچ کر اس نے ڈرائیور کو واپس بھیج دیا تھا اسے وہاں دیر ہوجانی تھی اور ویسے بھی شازی نے کہا تھا کہ وہ واپسی پہ اسے ڈراپ کروا دے گی، دروازہ کھولنے والا اسعد تھا اسے دیکھ کر چلاتے ہوئے گھر میں خوشی سے بھاگا تھا، لاؤنج میں ہی زرقا آنٹی اور شازی بیٹھی تھیں اس سے بے حد تپاک سے ملیں۔

''اس دفعہ تو بہت دنوں بعد چکر لگایا بیٹا۔'' زرقا آنٹی نے محبت سے استفسار کیا۔

''جی آنٹی بس شازی جو چلی جاتی تھی اسی لئے۔''

''ماشاء اللہ سے بہت اچھی لگ رہی ہو اللہ نظر بد سے بچائے۔'' زرقا آنٹی نے تعریف کی تھی۔

''جس کے نصیبوں کو نظر لگ جائے ان کو بھلا نظر لگ سکتی ہے۔'' مشعل نے کرب سے سوچا تھا، زرقا آنٹی اٹھ کر جاچکی تھیں۔

''اتنی خوبصورت آنکھیں رونے کے لئے تھوڑی ناں ہیں۔'' کوئی اس کے پاس بہت قریب آکے بولا تھا، مشعل نے چونک کر آواز کی سمت نگاہ اٹھائی تو حیران رہ گئی چھ فٹ سے نکلتا قد، کسرتی بدن گندمی رنگت پہ شرارت سے بکھرے سلکی براؤن بالوں والا وہ اجنبی محویت سے مشعل کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''آپ کی تعریف؟'' اسے کچھ نہ سوجا تو پوچھ بیٹھی۔

''ایک تو محترمہ آپ کی یادداشت خاصی کمزور لگتی ہے بتایا تو تھا کہ اللہ کا بڑا ہی پسندیدہ ہوں اس معاملے میں ہر بندہ میری ہی تعریف کرتا دکھائی دیتا ہے۔'' وہ ٹشو کا ڈبہ اس کے سامنے کرتے خود پسندی سے بولا تھا مشعل کے ذہن میں جھماکا ہوا اسے یہ اجنبی کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔

''آپ وہی ہیں ناں جس سے اس روز میری بات ہوئی تھی۔'' مشعل نے اجنبی کے ہاتھ سے ٹشو کا ڈبہ لیتے ہوئے مشکوک نظروں سے

دیکھتے پوچھا تھا جواباً وہ خوشدلی سے مسکرایا۔
"اس کا مطلب ہے آپ کی یادداشت اتنی بھی کمزور نہیں۔" وہ خوشدلی سے مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
اسی اثناء میں شازی چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لے کر لاؤنج میں آ گئی تھی زرقا آنٹی شام کے کھانے کی تیاری کرنے میں مصروف ہو گئیں تھیں سعد ٹیوشن چلا گیا تھا۔
"ارے احد بھائی! آپ کس وقت آئے؟" شازی اس اجنبی کو دیکھ کر حیرت وخوشی سے چلائی۔
"ابھی کچھ دیر پہلے جب آپ کی دوست محترمہ اپنی قسمت سے شاکی رونے میں مصروف عمل تھیں۔"
"ارے میں کب اپنی قسمت سے شاکی ہو کر روئی اور پھر اسے کیسے پتا چلا کہ میں...... او مائی گاڈ کیا وہ اپنی سوچ اونچی آواز میں بیان کر رہی تھی۔" اس نے کسی قدر شرمندگی سے اسے دیکھا۔
"آپ کو کیسے پتا چلا کہ یہ اپنی قسمت سے شاکی ہیں۔" مشعل کے دل کی بات شازی نے پڑھ لی تھی۔
"وہ اس طرح کہ جب یہ محترمہ آنسو بہا رہی تھیں تو اس وقت ان کی نظریں ہنوز اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں الجھی ہوئی تھیں پاگل کا بچہ بھی سمجھ لیتا کہ انہیں اپنے نصیب سے کوئی شکوہ ہے جو یہ اپنی ریکھاؤں کو دیکھتے رو رہی ہیں۔"
"لگتا ہے موصوف کو کچھ زیادہ ہی شوق ہے دوسروں کے بارے میں رائے قائم کرنے کا۔" اس کی اس قدر سچی اور کھری بات پہ مشعل نے کلس کے سوچا تھا۔
"نہ...... نہ محترمہ یہ ہرگز مت سمجھئے گا کہ میں کوئی اتنا فارغ بندہ ہوں کہ لوگوں کے بارے میں اندازے قائم کرتا پھروں وہ تو بس آپ جیسی لڑکی کو دیکھ کر میں نظر انداز نہیں کر سکا۔" مشعل نے حیرت سے تعجب آمیز نظروں سے اسے دیکھا تھا یہ کوئی انسان تھا یا بھوت، سوچ تک پڑھ لیتا تھا کسی انسان کی سوچ پڑھ لینا کسی عام انسان کے بس کی بات کہاں۔
"ارے تعارف تو میں نے کروایا ہی نہیں۔" اچانک شازی کو یاد آیا تھا۔
"اچھے کام کا خیال اکثر تمہیں لیٹ ہی آتا ہے۔" احد ملک نے شازی کو چھیڑا تھا وہ ہنس کر رہ گئی۔
"مشی یہ احد بھائی ہیں میرے ماموں زاد یہاں جاب کے سلسلے میں آئے ہوئے ہیں ماموں جان کی ناراضگی کے باوجود اور یہ میری پیاری سی دوست ہے اسے تو آپ جانتے ہی ہیں ناں۔" تعارف کروانے کے بعد شازی نے شرارت سے احد ملک سے کہا تھا۔
"یقیناً آپ کو مجھ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہوگی، مشعل اور میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی آپ کی مجھ سے وابستہ تمام امیدوں پر پورا اتروں گا۔" مشعل تو جب سے آئی تھی حیران پہ حیران ہوئی جا رہی تھی، عجیب خود پسند بندہ تھا جس کی ہر بات خود سے شروع ہو کر خود ہی پہ ختم ہوتی تھی۔
"تم پلیز احد بھائی کی باتوں کا برا مت ماننا مشی، یہ بس ایسے ہی باتیں کرتے ہیں ان فیکٹ مذاق کرنا ان کی عادت سی ہے۔" شازی نے مشعل کے چہرے پہ ناگواری کے تاثرات دیکھے تو کہے بغیر رہ نہیں پائی تھی وہ بدقت مسکرائی تھی جبھی احد ملک اٹھ کر ایک گہری نگاہ مشعل پہ ڈالنے کے بعد اندر بڑھ گئے تھے ان کے جانے

کے بعد مشعل نے سکھ کا سانس لیا تھا۔
"بابا کا خیال ہے کہ مجھے جاب کر لینی چاہیے۔" قیمے کے سموسوں سے انصاف کرتے مشعل نے بتایا تھا۔
"اچھا یہ تو بہت اچھی بات ہے پھر ڈھونڈی کوئی جاب؟" شازی نے کیچپ کا چمچ منہ میں ڈالتے اس سے پوچھا مشعل نے اسے یوں دیکھا گویا اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہو۔
"تم پاگل ہو کیا اپنا بزنس اپنا آفس چھوڑ کر میں جاب ڈھونڈوں گی کیا؟"
"ایسی بات نہیں یار اصل میں آج کل کے بچے والدین سے زیادہ خود پہ انحصار کرنے لگے ہیں ناں، وہ خود کو اپنی صلاحیتوں کو آزمانا چاہتے ہیں اب احد بھائی کی ہی مثال لے لو ماموں جان کا اپنا اچھا خاصا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس ہے ماموں جان کے بے حد اصرار کے باوجود بھی احد بھائی نے ان کا آفس نہیں سنبھالا بلکہ یہاں کراچی جاب ڈھونڈ کر خود کو آزما رہے ہیں میں اس وجہ سے کہہ رہی تھی کہیں تمہارا ابھی تو ایسا ارادہ نہیں؟" شازی کی وضاحت پہ مشعل کو پہلی بار احد ملک کی ذات میں دلچسپی محسوس ہوئی تھی۔
"چلو اچھا ہے ناں موصوف کچھ تو کرتے ہیں۔" یہ مشعل کی پہلی رائے تھی جو وہ احد ملک کے لئے با آواز بلند بیان کر رہی تھی شازی اور وہ ایک ساتھ ہنس دیں تھیں۔

☆☆☆

بابر زمان کے بے پناہ اصرار کے باوجود مشعل زمان نے جاب نہیں کی تھی وہ خوش رہنے کی کوشش کرتی تھی ہاں پہلے تو نہیں مگر اب وہ اس میں کامیاب ہونے لگی تھی اس کے لئے بابر زمان کے حلقہ احباب میں سے دو تین رشتے بھی آئے بابر زمان سنجیدگی سے ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر مشعل شادی کے نام سے ہی بدکنے لگی تھی، اس نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ فی الحال اسے شادی کے لئے کوئی مجبور نہ کرے کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کی ذات سے منسوب اس کی ماں کا حوالہ آنے والوں کو پیچھے ہٹنے پہ مجبور کر دے گا اور یہ ذلت بے بسی دوبارہ سہ بارہ برداشت نہیں کرنا چاہتی تھی، بابر زمان کو لگا وہ ابراہیم صدیقی کو بھی بھول نہیں پا رہی پچھلے دنوں جب انہیں معلوم پڑا کہ ابراہیم صدیقی نے شہر کے ڈی سی او کی بیٹی سے شادی کر لی ہے تو جانے اگلے کتنے ہی دنوں تک انہوں نے اپنی بیٹی کی آنکھوں کو نم دیکھا تھا، اصولی طور پر اسے وقت تو چاہیے تھا اتنے بڑے دکھ سے باہر نکلنے کے لئے، محبت میں ملنے والی ناقدری کا دکھ، محبت کو پا کے کھو دینے کا دکھ۔

☆☆☆

"مرنے والے مر جایا کرتے ہیں، چھوڑنے والے چھوڑ جایا کرتے ہیں مگر خود سے وابستہ لوگوں کے لئے ان گنت کہانیاں اور قصے چھوڑ کر، دنیا والے نہیں کچھ بھولنے نہیں دیتے ان کی خواہش کے باوجود بھی ان کی کوشش کے باوجود بھی۔" اپنے کمرے میں بابر زمان نے رات کی تنہائی میں روبینہ ناز کی تصویر کو دیکھتے سوچا تھا۔
"روبینہ ناز" ان کی زوجہ، مشعل کی ماں، مگر اس سے بھی پہلے وہ ان کی محبت تھی، ان کی خواہش تھی ایسی خواہش جس سے دستبرداری کا خیال ہی من کو تڑپا دیتا تھا، روبینہ ناز ان کے چچا کی بڑی بیٹی تھیں، خوبصورت طرح دار، غرور وتکبر جیسے جذبوں کو ہتھیار کی مانند استعمال کرنے والی، وہ کسی طور بھی بابر زمان سے شادی پر راضی نہ تھیں، شادی سے پہلے ہی ایک روز آ کر انہوں

نے بابر زمان کو انکار کر دیا تھا انہوں نے واشگاف انداز میں اپنی ناگواریت ظاہر کر دی تھی، بابر زمان ان کے خوبصورت چہرے پہ سجی چھوٹی سی ناک کو غصے سے پھولتے اور سرخ ہوتے دیکھتے رہے یہ سنے اور سوچے بغیر کہ وہ کیا کیا کہہ رہی ہیں۔

"تمہیں انکار کرنا ہی ہوگا بابر، ورنہ میرا ساتھ تمہیں سوائے درد اور رسوائی کے کچھ نہیں دے گا ابھی یہ لوگ میری بات نہیں مان رہے مگر یاد رکھنا تم سے شادی کے بعد میرے اوپر ایسی کوئی پابندی یا بوجھ نہیں ہوگا۔" بابر زمان ان کی بات سن کے مسکرائے تھے۔

"تو تم خود کر لو ناں انکار۔" انہوں نے بہت دیر اس کے بولتے رہنے کے بعد کہا تو صرف اتنا۔

"کر چکی ہوں مگر ڈیڈی کی ایک ہی رٹ ہے کہ وہ آپ کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ نہیں کر سکتے انہیں اپنی جائیداد کا ایسا وارث چاہیے جو انہیں اپنا سمجھے اور ان کی بیٹی کا خیال بھی رکھے مگر یہ صرف ان کی سوچ ہے میری نہیں، میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اور اسی سے شادی بھی کرنا چاہتی ہوں۔"

"اگر تایا جان کو میری ذات پہ اتنا ہی اعتبار و اعتماد ہے تو یاد رکھنا میں بھی انکار نہیں کروں گا۔" بابر زمان نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"تو یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے۔" روبینہ ناز نے پوچھا تھا جواباً بابر زمان نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے تمہیں اگر اپنی بربادی کا اتنا ہی شوق ہے تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" اتنا کہہ کے وہ کھٹاک سے دروازہ بند کر کے چلی گئیں تھیں۔

اپنے دل کو ویران کرنے کا بابر زمان کا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ ان کی پہلی چاہت، بچپن کی خواہش تھیں انہیں اپنی محبت پہ یقین تھا کہ شادی کے بعد وہ روبینہ ناز کو خود سے محبت کرنا سکھا دیں گے وہ ان کے دل کو جیت لیں گے مگر یہ محض ان کی خام خیالی ہی تھی، روبینہ ناز نے شادی کے بعد ایک بھی دن سیدھے منہ ان سے بات نہیں کی تھی، ازدواجی بندھن بھی بابر زمان کی خواہش پہ انہوں نے زبردستی استوار کیا تھا لیکن جب انہیں خبر ملی کہ وہ ماں بننے والی ہیں اس دن انہوں نے خوب ہنگامہ کیا تھا، وہ بابر زمان کا گریبان پکڑ کر خوب چلائی تھیں۔

"تم اس طرح سے مجھے باندھ نہیں سکتے بابر، اولاد کو میرے پیروں کی زنجیر مت سمجھنا میں ان عورتوں میں سے نہیں جو اولاد کی خاطر اپنی زندگی اور خواہشات تیاگ دیتی ہیں، میں اس فتنے کو ہی ختم کر دوں گی۔" تب پہلی بار بابر زمان نے ان پر ہاتھ اٹھایا تھا، ان کی بے جا خاموشی نے ہی شاید روبینہ ناز کو اتنی شہہ دی تھی کہ آج وہ ان کی نسل کو ختم کرنے کا سوچ رہی تھیں اور ایسا وہ کس طور نہیں چاہ سکتے تھے۔

"تم نے اگر میرے بچے کو کوئی بھی نقصان دینے کا سوچا تو یاد رکھنا کہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" اتنا کہہ کے وہ کمرے سے باہر نکل گئے تھے روبینہ ناز کے گھر سے نکلنے پہ بھی پابندی لگا دی تھی، تب تک جب تک ابارشن کا احتمال نہیں رہا تھا، مگر ان گزرے نو ماہ میں روبینہ ناز نے اپنے وجود میں پلنے والے اس ننھے وجود کے لئے دل میں کسی بھی قسم کی کوئی نرمی یا محبت محسوس نہیں کی تھی بلکہ ایک عجیب قسم کی بے حسی اور نفرت و

بیزاریت ان کے وجود کا حصہ بنتی جا رہی تھی ان کے والدین وہ سب دیکھ رہے تھے مگر انہیں بابر زمان اور آنے والے وجود پہ پورا بھروسہ تھا انہیں یقین تھا جب روبینہ ناز اپنے معصوم بچے اپنے وجود کے ٹکڑے کو بانہوں میں لیں گی تو ساری نفرت و بیزاری بھول کر مکمل طور پر گھر گرہستی میں ڈوب جائیں گی مگر یہ محض ان سب کی خام خیالی ثابت ہوئی تھی جب ایک دن کی مشعل کو وہ ہسپتال میں پالنے میں چھوڑ کر اپنے محبوب کے ساتھ فرار ہوگئیں تھیں، انہوں نے بیٹی کی پیدائش پر اسے دیکھا تک نہیں تھا شاید اس ڈر سے کہ کہیں بیٹی کی صورت ان کا ارادہ کمزور نہ کر دے، جاتے جاتے وہ ایک خط بھی چھوڑ گئی تھیں جس پہ لکھا تھا

"رشتے زور زبردستی سے نہیں دل سے بنائے اور نبھائے جاتے ہیں مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ میں سے مجھے کسی نے بھی نہیں سمجھا میرا باپ جیسے یوں تو مجھ سے زیادہ عزیز کوئی نہ تھا مگر میری خواہشات کا احترام میری دل کی مرضی کو سمجھ نہ پائے تھے اور جسے انہوں نے میرے جیون ساتھی کے طور پہ پسند کیا اسے بھی میری پرواہ نہیں تھی اس نے بھی میرا حصول انا کا مسئلہ بنا لیا، خیر اب ساری کشتیاں جلا کر جا رہی ہو عورت اگر ضد پہ آ جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے زنجیر نہیں کر سکتی اس کا اندازہ اگر آپ سب کو پہلے نہیں تھا تو اب میرے اس اقدام سے ہو جائے گا، مجھے تلاش کرنے میں حماقت مت کیجئے گا کیونکہ ایسی خواہش کرنا بھی میرے نزدیک حماقت ہے۔"

ایک قیامت تھی جو ان کے گھرانے پہ ٹوٹی تھی شہر بھر میں چرچے الگ ہوتے تھے وہ صحیح معنوں میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے تھے تایا ابو تو اس واقعے کے بعد زیادہ دن جی نہیں پائے، کلنک کے داغ وہ اپنی نوزائیدہ بیٹی کے چہرے پہ مل کے گئی تھیں یہ سوچے بغیر کہ کل کو اسے دنیا کے سامنے جوابدہ ہونا تھا چوبیس سال گزر جانے کے بعد باوجود بھی روبینہ ناز کے جانے کا واقعہ روز روشن کی طرح سے تازہ اور عیاں تھا گویا یہ کل ہی کی بات ہو آج بھی ان کی گمشدگی دنیا والوں کے لئے ایک سوالیہ نشان کی مانند تھی وہ قانونی اور شرعی طور پر بابر زمان کی بیوی تھیں مشعل کی ماں تھیں مگر وہ بغیر نکاح کے کسی اور کے ساتھ زندگی گزار رہی تھیں اس سے بڑی رسوائی و بدنامی بابر زمان اور ان کے گھرانے کے لئے کیا ہو سکتی تھی۔

☆☆☆

شازی نے اسے فون کر کے گھر پہ ایمرجنسی میں بلایا تھا، اس نے جلدی جلدی کرتے ہوئے بھی ساڑھے پانچ بجا دیئے تھے اس دوران شازی کی دو کالز مزید آ چکی تھیں۔

"تم آ رہی ہو یا نہیں؟" اس کا انداز دو ٹوک اور کھا جانے والا تھا۔

"راستے میں ہوں یار بس پہنچ ہی رہی ہوں۔" وہ اس کی جلد بازی والی عادت پہ مسکرائی۔

"تھینک گاڈ تم آئیں تو، بہت اچھی لگ رہی ہو۔" گہرے فیروزی رنگ کے لانگ شرٹ اور کھلے ٹراؤزر میں وہ بے حد کھلی کھلی اور خوبصورت لگ رہی تھی، اس کے پہنچنے پر شازی نے اسے گلے لگا کر کہا تھا۔

"اتنی ایمرجنسی میں بلانے کی وجہ؟"

"تھنگ اسپیشل۔" شازی نے آنکھیں مٹکائیں۔

"سعد بس آتا ہی ہوگا۔" ابھی وہ چائے پی کر فارغ ہوئی ہی تھی کہ سعد آ گیا ہاتھ میں کیک

اٹھائیے۔

''کس کا برتھ ڈے ہے شازی؟'' مشعل نے ان دونوں بہن بھائی کی خفیہ سرگرمیاں دیکھی تو پوچھے بغیر رہ نہیں پائی تھی۔

''احد بھائی کی اور انہیں بالکل بھی معلوم نہیں کہ ہم نے ان کے لئے یہ زبردست سی پارٹی ارینج کی ہے۔'' شازی نے پرجوش سے انداز میں اسے بتایا تو مشعل کو ان کے گھریلو فنکشن میں اپنی موجودگی کچھ اچھی نہیں لگی اس سے پہلے کہ وہ معذرت کر کے اپنے جانے کا بہانہ کرتی احد ملک اپنی تمام تر وجاہت، خود پسندی اور شوخی سمیت آ چکا تھا، لاؤنج میں قدم دھرتے ہی شازی اور سعد نے اسے وش کیا تھا زرقا آنٹی اور انکل آج کسی دوست کی عیادت کے لئے گھر سے باہر تھے اسی لئے انہیں خوب آزادی حاصل تھی۔

''جلدی سے کیک کاٹیں احد بھائی! میں نے دوپہر میں بھی کچھ نہیں کھایا۔'' سعد نے بے تابی سے کہا تھا۔

انہوں نے جلدی سے کیک کاٹا اور مسکرا کر ان دونوں کو تھینکس کہا تھا سعد اور شازی نے احد بھائی کو گفٹ دیئے تو مشعل کو پہلی بار سبکی محسوس ہوئی اگر اسے خبر ہوتی تو وہ بھی ان کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لاتی۔

''مگر خیر بہانہ بنا دوں گی کہ مجھے کون سا کوئی اطلاع دی تھی کسی نے؟'' اس نے بہانہ سوچا تھا۔

''محترمہ اصولاً آپ کو بھی گفٹ دینا چاہیے تھا نکالیں میرا گفٹ۔'' مشعل کے سوفی صد انداز کے مطابق وہ اس کی جانب مڑ چکا تھا۔

''مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ آپ کی آج سالگرہ ہے ورنہ کچھ نہ کچھ ضرور لاتی۔'' وہ اس کی گرم گرم نگاہوں سے پگھلتی سر جھکا کے بولی تھی جانے وہ احد کی آنکھوں میں کیوں نہیں دیکھ پائی تھی۔

''خیر اچھا ہوا کچھ لانا بھول گئیں اب میں اپنی پسند کا گفٹ لوں گا آپ سے؟'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے گہرے اور گمبھیر لہجے میں احد ملک نے کہا تھا۔

''بتائیے دیں گی میرا من پسند تحفہ۔'' مشعل سے کوئی جواب نہ بن پڑا آہستگی سے سر جھکا کر حامی بھر لی۔

''جلدی لینے آؤں گا یاد رکھیئے گا، میرا مطلب ہے تحفہ لینے۔'' چلتے سمے احد ملک نے مشعل زمان کو یاد کروایا تھا، مشعل کوئی بچی تو نہ تھی جو احد ملک کی جذبے لٹاتی آنکھوں میں لکھے پیام کو پڑھ نہ پاتی مگر پچھلے تجربے کے پیش نظر وہ اب ایسی کسی صدا یا پیغام پہ کان نہیں دھرنا چاہتی تھی، سو اس نے اس خیال کو پورے دل و جان سے جھٹک دیا تھا۔

☆☆☆

احد ملک نے اپنا رشتہ بھیجا تھا شازی بے حد ایکسائٹڈ تھی تو بابا جان بھی بے حد مطمئن دکھائی دے رہے تھے مگر مشعل نے سنا تو فوراً سے پیشتر انکار کر دیا تھا بابا جان کو اتنے اچھے رشتے کو کھو دینے پہ اچھا خاصا رنج محسوس ہوا تھا لیکن شازی تو پھٹ پڑی تھی۔

''تم پاگل ہوئی ہو کیا، احد بھائی تمہیں اتنی چاہ سے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتے ہیں اور تم پچھلی باتوں کا رونا رونے بیٹھ گئی ہو۔''

''چاہت اور محبت کا لفظ تو رہنے ہی دو شازی کیا تم نہیں جانتی کہ پہلے انہی دو لفظوں نے میری زندگی کو کیسے ڈسا ہے۔''

''تو تم کسی ایک کے کیے کی سزا دوسروں کو کیسے دے سکتی ہو مشی۔'' وہ حیرت سے چلائی تھی۔

''کیوں نہیں دے سکتی، جب دنیا میری ماں کے کیے کی سزا مجھے دے سکتی ہے تو میں کیوں نہیں سب کو ایک ہی تناظر میں رکھ سکتی۔'' جواباً وہ بھی غصے سے چلائی تھی۔

''احد بھائی ویسے بالکل بھی نہیں ہیں۔'' شازی نے احد کا دفاع کیا۔

''ابراہیم بھی ایسا نہیں تھا اور احد بھی ویسا ہو جائے گا جب اسے میری اصلیت، میری حقیقت پتا چلے گی تو۔'' اس کے اندر زہر ہی زہر پھیلا ہوا تھا، اسی اثناء میں احد ملک کمرے میں داخل ہوا تھا وہ شازی کو لینے آتا تھا آج وہ خلاف معمول بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''انکار کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے اس کے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا مشعل سے کوئی جواب نہ بن پڑا تھا۔

''میں نہ کرتی تو آپ کر دیتے جب آپ کو حقیقت پتا چلتی تو۔'' ان کے دوبارہ استفسار پہ اس نے آہستگی سے کہا تھا، شازی کمرے سے چلی گئی تھی اب وہ دونوں کمرے میں اکیلے تھے۔

''کیا ہے آپ کی حقیقت جس سے میں واقف نہیں ہوں۔'' وہ سینے پہ دونوں ہاتھ باندھے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''میری ماں میری ذات سے منسوب میری ماں کا حوالہ کسی طور پر بھی قابل ذکر نہیں ہے اور......''

''وہ سب میں جانتا ہوں اس کے علاوہ کچھ ہے تو بتائیں پلیز۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے فوری اس کی بات ٹوک دی تھی۔

''آپ کی پسند سے منگنی ہوئی مگر وہ بات کو ایشو بنا کر منگنی توڑ کر چلے گئے اور تب سے آپ کو لگتا ہے کہ ہر انسان دھوکے باز اور جھوٹا دعویدار ہے زندگی کسی ایک انسان پر نہ تو ختم ہوتی ہے نہ ہی کہیں پہ یہ لکھا ہے کہ محبت دوبارہ نہیں ہو سکتی، آخری فیصلہ یقیناً آپ کا ہی ہو گا مگر میں یہاں صرف اتنا کہنے آیا ہوں کہ مجھے باقی لوگوں کی صف میں کھڑا کرنے سے پہلے اتنا ضرور سوچئے گا کہ میں نے محبت کے کوئی دعوے کیے ہیں نہ ہی کوئی قسمیں کھائی ہیں میں آپ کی خاطر گھر والوں سے تو کیا پوری دنیا سے لڑنے کی ہمت بھی رکھتا ہوں آپ کو تحفظ دے سکتا ہوں عزت اور محبت کے ساتھ اور میں اپنے قول کا بے حد پکا ہوں۔''

''مگر شاید بدلے میں میں آپ کو کچھ نہ دے پاؤں احد! میرا دل ابھی جذبات سے خالی ہے میں آپ کے ساتھ زیادتی نہیں کرنا چاہتی۔'' اس کی آنکھوں میں سچائی دیکھتے اس نے نیم رضا مندی سے کہا تھا۔

''کوئی بات نہیں میں انتظار کر سکتا ہوں۔'' وہ فرار کی تمام راہیں بند کیے کھڑا تھا۔

''میں آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔'' اس نے چلتے سمے مشعل کی آنکھوں میں محبت سے دیکھتے کہا تھا۔

''اور پھر میرے جیسا اچھا جیون ساتھی قسمت والوں کو ہی ملا کرتا ہے اس موقع سے فائدہ اٹھانا آپ کا کام ہے ورنہ چاہنے والوں کی لمبی قطاریں ہیں۔'' وہ آخر میں بے حد شوخی سے کہہ رہا تھا مشعل بے ساختہ ہنس دی تھی احد ملک نے فوراً اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا تو مشعل نے تھوڑا جھجکتے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا، محبت، دھنک رنگ کی مانند ان پہ قوس قزاح کیے ہوئے تھے، دھنک کے سات رنگ ہر ایک پہلے سے منفرد گہرا اور مربوط بالکل مشعل اور احد ملک کی طرح۔

☆☆☆

فرخ طاہر قریشی

روشین نے اپنے لمبے گھیر دار خوبصورت لہنگے کو بڑی احتیاط سے سنبھالا ہوا تھا اتنی زیادہ احتیاط کے باوجود بھی لہنگے کا کام دار بھاری دوپٹہ اس کے نازک کندھوں سے پھسلے جا رہا تھا جیسے ہی بھاری دوپٹہ پھسلتا وہ ہاتھ بڑھا کر پھر اسے سنبھال لیتی ماتھے پر سجی نازک بندیا اس کی اس قدر تیز رفتاری سے چلنے کی وجہ سے کبھی مشرق تو کبھی مغرب کی طرف لڑھک جاتی تو کبھی پھر شمال جنوب کے درمیان لٹک جاتی، سرخ کام دار لہنگے پر سنہری کام اس کے خوبصورت گلاب سے سراپے پر خوب اٹھ رہا تھا، قاتل غلافی آنکھوں پر دراز گھنی خم دار پلکیں اسے اور حسین بنا رہی تھی، گردن میں پڑا کندن کا سیٹ اس کی صراحی سی گردن کو اور واضح کر رہا تھا۔

شادی کی یہ تقریب اس وقت پورے عروج پر تھی، ہر طرف گہما گہمی تھی شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی، ابھی کچھ دیر قبل ہی بارات کی آمد ہوئی تھی، دلہن بھی سب دلہنوں کی طرح روایتی انداز میں سٹیج پر کچھ اس طرح بیٹھی کہ جیسے آج دنیا اس کے قدموں تلے آ گئی ہو۔

آج اس کو غرور کرنے کا حق حاصل تھا آخر کو آج محفل کی چیف آف دی گیسٹ وہی تھی۔

خواتین کی ملی جلی آوازوں اور بچوں کے ہنسنے اور رونے کی آوازیں سب آپس میں اس طرح ہو رہی تھیں کہ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، ہر طرف عجیب طرح کی افراتفری کا عالم تھا۔

ان سب میں واحد روشین تھیں جو اس ہنگامے سے بے نیاز محفل کی گہما گہمی نظر انداز کیے ہوئے تھی، اس کی غلافی آنکھوں میں بے چینی ہلکورے لے رہی تھی وہ اس وقت کسی کو ڈھونڈ رہی تھی، جس کی وجہ سے اسے اس شادی میں شرکت کرنا پڑی تھی ادھر اُدھر دیکھتے تیزی سے آگے بڑھی، تیز رفتاری کی وجہ سے اس کی سانس اپنی رفتار سے زیادہ تیز چل رہی تھی، اس وقت اس کے چہرے پر غم و غصہ کے ساتھ جھنجھلاہٹ کے تاثرات بڑے واضح ثبت تھے۔

لہنگے کو ہاتھوں کی قید سے آزاد کیئے ہال کے ایک کونے میں مورتی کی طرح ایستادہ وہ چاروں طرف دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں چمکتی نمی بتا رہی تھی کہ وہ رونا چاہتی ہے مگر رو نہیں پا رہی، شدید غصہ اور ضبط کرنے کی کوشش میں اس کی آنکھوں میں سرخی چھلک آئی تھی خود پر ضبط کرنے کے بعد اس نے گردن کو ذرا سا خم دے کر دائیں طرف دیکھا جہاں عورتوں کے درمیان وہ بھی موجود تھی جسے وہ کب سے تلاش کر رہی تھی، اس کے ساتھ بیٹھی خواتین شاید اس کی رشتے دار تھیں وہ ان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی، اس نے غور سے ان عورتوں کو دیکھا جو خود پر زیور لادے ہوئے تھی، جبکہ وہ...... وہ اس کی ہم عمر تھی، اس نے جدید انداز کا خوبصورت سوٹ زیب تن کر رکھا تھا، روشین نے متلاشی نظروں سے جانچا تو اسے اندازہ ہوا وہ لڑکی ہیروں کا نازک سا سیٹ پہنے ہوئے تھی اس کے انداز میں نخوت تھی۔

''تو یہ ہے دشمن!'' روشین استہزائیہ انداز میں بڑبڑائی، اسے بغور دیکھنے کے بعد اس نے ایک نظر خود پر ڈالی۔

''اس میں ایسا کیا ہے جو مجھ میں نہیں؟'' اس نے دکھ سے سوچا تھا۔

''خوبصورت اگر یہ ہے تو کم میں بھی نہیں ہوں، پھر مجھ میں ایسی کیا کمی ہے جو مجھے ٹھکرا دیا گیا؟''

''کمی۔''

''ہاں کمی تو ہم میں بڑی واضح ہے ''ہیرے اور کندن'' کی کمی۔'' روشین نے بے دھیانی میں
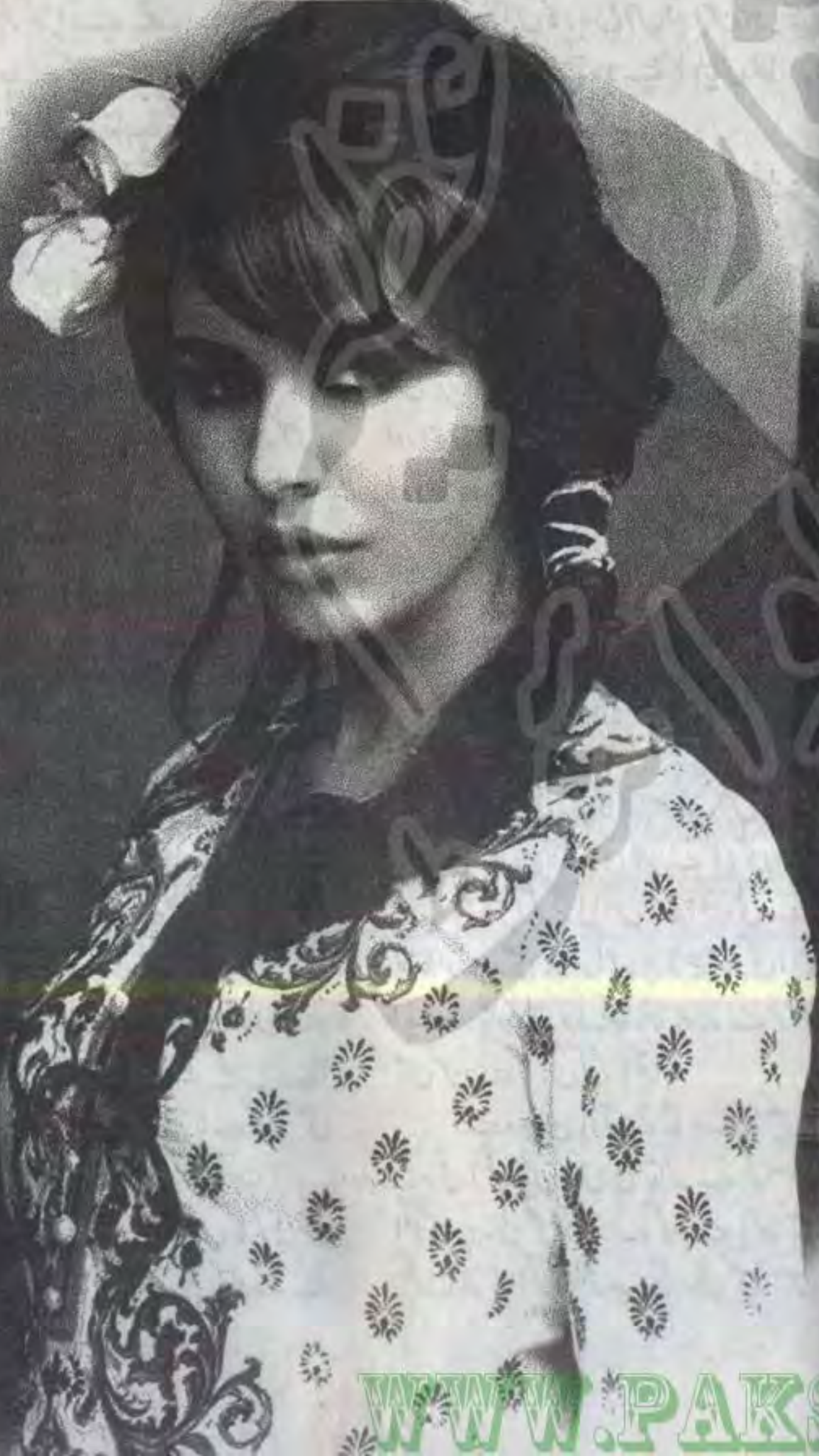
اپنی لانبی مخروطی انگلیاں اپنی گردن میں پڑے کندن کے سیٹ پہ پھیری۔

''ہاں یہی وہ واضح کمی ہے، میں اس کو ہیرے جواہرات نہیں دے سکتی تھی۔'' اس کی نظر سامنے سے آتے نواز پر پڑی۔

اس نے فوراً اپنا رخ بدلا اور وہاں سے ہٹ گئی اس وقت اس کی چال میں بڑی واضح تھکن تھی اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

ٹھکرائے جانے کا احساس اس کی سانس روک رہا تھا، بنا قصور، بنا بتائے ٹھکرائے جانے نے اگر اسے دکھ دیا تھا تو آج ثمن کو دیکھ کر اسے اپنی کم مائیگی کا احساس بڑی شدت سے ہوا تھا۔

اس میں اور ثمن میں جو کمی تھی وہ مر کر بھی اس کمی کو پورا نہیں کر سکتی تھی۔

کتنے ہی دن سے وہ ان دیکھی آگ میں جل رہی تھی، ایک سوچ تھی جو اسے جینے نہیں دے رہی تھی۔

''آخر مجھے کیوں ٹھکرایا گیا؟''

جس کی وجہ سے اسے ٹھکرایا گیا وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی جبھی آج نواز کی منگیتر کو دیکھنے آئی تھی۔

اور اب جب اس نے اسے دیکھ لیا تو دکھ اور بے بسی اس کے رگ و پے میں سرائیت کر گئی تھی، اس کی تکلیف دو چند ہو گئی تھی۔

''اسے صرف اس وجہ سے ٹھکرایا گیا کیونکہ وہ جہیز میں قیمتی اشیاء نہیں دے سکتی تھی۔''

دنیا اتنی لالچی کیوں ہے؟ یہاں انسان سے زیادہ بے جان چیزوں کی اہمیت کیوں ہے؟ انسان کے احساسات، اس کے جذبات کوئی معنی کیوں نہیں رکھتے کیا غریب کا دل نہیں ہوتا؟

کیا اپنے حصے کی خوشیوں پر اس کا کوئی حق نہیں ہوتا؟ یا پھر وہ اپنے حق دوسروں کو لوٹ لینے کے لئے ہی دنیا میں بن رہا ہے۔

انسان کا بنایا یہ انصاف بڑا عجیب ہے جہاں غریب کی کوئی زندگی ہی نہیں ہے، جس نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ دنیا میں ایک بوجھ ہے، اس کا دنیا میں آنا فضول ہے۔

''یہ دنیا بس ان کی ہے جن کے پاس روپیہ ہے، بس وہی لوگ دنیا میں شان سے سر اٹھا کر جی سکتے ہیں۔'' اس کا دماغ اس قدر سن ہو چکا تھا کہ نہ تو اسے اپنے پھسلتے دوپٹے کا خیال تھا اور نہ ہی بندیا کے اُلٹ جانے کا۔

جس کی اپنی ہستی ہی زلزلوں کی زد پہ ہو اس کو بھلا اور کس چیز کی فکر ہو سکتی ہے، وہ تبھی ہر احساس سے عاری بس چلے جا رہی تھی، اس قدر بے دھیانی میں چلتے ہوئے اس نے مڑ کر دوبارہ اس ہرجائی کو دیکھنا چاہا مگر پھسلتا دوپٹہ مزید پھسلا اور اس کے چہرے کو چھپا گیا، چاہنے کے باوجود وہ نواز کو نہیں دیکھ پائی۔

جس طرح یہ دوپٹہ اس کے اور نواز کے درمیان حائل ہوا تھا اسی طرح قسمت نے اس کے اور نواز کے درمیان فاصلے کھڑے کر دیئے تھے، ایسے فاصلے جن کو وہ کبھی بھی پار نہیں کر سکتی تھی۔

''نواز کبھی اس کا تھا صرف اس کا۔'' اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگی تھی، اس سے پہلے وہ لڑکھڑا کر گرتی اس نے مضبوطی سے کرسی کو تھاما اور سیدھی ہو کر اس پر ڈھیر ہو گئی، اس نے ایک بار پھر نواز کو دیکھا تھا جو بڑے خوشگوار موڈ میں ثمن سے باتیں کر رہا تھا۔

اسے وہ دن یاد آنے لگا جب دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں اس کی خالہ نے خوبصورت سی انگوٹھی پہنائی تھی، گورے گورے ہاتھ میں سفید نگوں جڑی انگوٹھی خوب جچ رہی تھی، اس رشتے سے سب خوش تھے۔

اور وہ خود حیا کے تمام رنگ چہرے پر سجائے ہلکے گلابی رنگ کے سادہ سے کرتے پاجامے پر بڑا سا آرگنزا کا دوپٹہ جس پر ہلکے سنہری رنگ کا کام تھا سر پر لئے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

عام سے طرز کا ڈرائنگ روم لکڑی کے صوفوں سے سجا تھا قالین کا ایک دبیز بڑا سا ٹکڑا صوفوں کے درمیان بچھا تھا، دیواروں پر اس کے ہاتھ کے بنے ایک دو شو پیش آویزاں تھے۔

سب چیزیں عام سی تھی، اس عام سے ماحول میں بس اس تقریب کا احساس بہت خاص تھا، یہی احساس اس کی نظروں کو بوجھل کیے دے رہا تھا، اس نے بہت پیار سے انگلی میں پڑی انگوٹھی کو دیکھا اور شرما گئی۔

☆☆☆

اس کی اور نواز کی بات بچپن سے طے تھی۔

ندرت خالہ بیرون ملک رہائش پذیر تھیں اچانک ہی ان کی آمد پاکستان ہوئی، ان کو یہاں آئے پندرہ دن ہو گئے تھے تب ایک دن اچانک انہوں نے اس کی اور نواز کی منگنی کر دی۔

جتنے دن وہ یہاں رہی اس سے خوب پیار جتاتی رہی اور جب وہ واپس اپنے گھر گئی تو وہاں جا کر بھی اسے یاد تھا، اس کے لئے ہر تہوار پر مہنگے اور خوبصورت تحفے بھیجتی رہی، روشین کی ان چیزوں کو کوئی دلچسپی نہیں تھی اس کی سوچ کا محور بس نواز تھا۔

جب تک ندرت خالہ یہاں رہی رونق لگائے رکھتی اور جب وہ گئی تو گویا اداسیوں نے اس کے دل پر ڈھیرا ڈال لیا۔

وہ بھی ایک اداس سی شام تھی، روشین گھٹنوں پر سر رکھے صحن میں پھدکتی چڑیوں کو دیکھ رہی تھی

جب وقت رخصت اس نے چور نظروں سے خالو کے عقب میں کھڑے نواز کو دیکھا جو لاپرواہ انداز میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا، ہاف آستین کی شرٹ اس پر خوب جچ رہی تھی تب ایک خوبصورت سی سوچ نے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

''یہ خوبصورت شخص میرا ہے۔''

''انسان بڑا نادان ہے کسی بھی وقت کچھ بھی سوچ لیتا ہے یہ نہیں جانتا وہ اوپر تقدیر لکھنے والا کسی بھی وقت تقدیر بدل سکتا ہے۔''

اسے وہ وقت یاد آنے لگا جب وقت رخصت سب سے نظر بچا کر نواز نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تھا، جاتے سمے وہ اس کو خدا حافظ کہہ کر گیا تھا، اس پل وہ اس کے جتنے قریب کھڑا تھا وہ اس ذرا سی قربت میں شرم کے رخ موڑ گئی تھی۔

تب اس پل اسے لگا تھا جیسے دونوں کے درمیان موجود فاصلے مٹ گئے ہوں، وہ رخصت ہو گیا، اسے لگا تھا اب انتظار بہت طویل ہو گا مگر حیرت انگیز طور پر نواز ایک ماہ بعد دوبارہ اس کے گھر موجود تھا، اس کی اچانک آمد نے سب کو پریشان کیا تھا مگر اس نے سب کو مطمئن کر دیا، تین دن وہ اس کے گھر رہا۔

ان دنوں اس کا انداز ہی الگ تھا اس نے روشین سے چھوٹی نوشین کے ساتھ مل کر روشین کو بہت تنگ کیا تھا۔

کتنے ہی پہر اس نے اس کے ساتھ پیار بھری باتیں کی تھیں وہ تو ویسے ہی اس کی دیوانی تھی اب اس کی دیوانگی اور بڑھ گئی تھی۔

اور پھر ان کی شادی کی بات شروع ہوئی سب کچھ تیار تھا، بس خالہ کی آمد کا انتظار تھا جب

ایک دن خالہ نے جہیز میں ان میں گھر کا مطالبہ کر دیا۔

روشین کے والدین کسی بھی طرح اس مطالبے کو پورا کرنے سے قاصر تھے انہوں نے ندرت کو سمجھانا چاہا تو وہ اپنی خوشی سے قائم کیے گئے اس رشتے کو توڑ کر چلتی بنی۔

ان کے لئے اتنا ہی آسان تھا کسی کے جذبات سے کھیلنا، روشین کو نواز سے الگ کرتی وہ پلٹ چکی تھیں، چند ہی دنوں بعد انہوں نے نواز کی منگنی بڑی دھوم دھام سے ثمن کے ساتھ کر دی۔

وہ ثمن جو انہیں گھر کے بجائے کوٹھی بنگلہ اور وہ سب دے سکتی تھی جن کی انہیں چاہ تھی۔

اس گزری تکلیف دے وقت سے ان یادوں سے اپنا پیچھا چھڑاتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ماضی کی وہ یادیں ابھی تک آنکھوں کے سامنے گھوم سی رہی تھیں اس نے آگے بڑھنے کے لئے قدم بڑھانے چاہے مگر وہ بری طرح لڑکھڑا گئی۔

''کیا ہوا بیٹی؟'' ایک گریس فل سی خاتون نے آگے بڑھ کر اس کو سنبھالا تھا، وہ انہیں جواب دینے کے بجائے خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

''شاید اپنے لہنگے میں اٹک گئی ہے۔'' ان کے ساتھ کھڑی دوسری عورت نے اس کا ہاتھ تھام کر دوبارہ کرسی پر بیٹھا دیا۔

دونوں خاتون اسے پرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''کیا نام ہے آپ کا؟'' ان کی دلچسپی اس میں بڑھتی جا رہی تھی، مگر وہ اب بھی خاموش تھی۔

''کہاں رہتی ہو بیٹی؟'' جواب دینے کے بجائے پھر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''اس سے کیا پوچھتی ہو اس کی امی کا معلوم کرو۔'' دوسری نے مشورہ دیا، تب پہلی خاتون نے اس سے کہا۔

''آپ کی امی کہاں ہیں؟'' اس نے خاموشی سے تھوڑی دور بیٹھی اپنی ماں کی طرف اشارہ کر دیا، وہ خواتین مسکراتی ہوئی اس کی ماں کی طرف بڑھی تھیں۔

☆☆☆

پھر ان کے ملنے کا نتیجہ بہت جلد سامنے آ گیا۔

ان خواتین کو وہ بہت زیادہ پسند آئی تھی، وہ اپنے بیٹے شیراز کے لئے اس کا رشتہ لے کر آئیں تو اس کے والدین نے دیکھ بھال کر اس کی بات طے کر دی، اس نے بلا چوں چراں کئے ان کے فیصلے پر سر جھکا دیا اور شاید یہی اس کے حق میں بہتر تھا، اب کسی کی آس پر وہ انکار کرتی؟

''منزل تو اس کی وہی تھی جو خدا نے اس کے نصیب میں لکھ دی تھی، جو پہلے سے اس کے نصیب کے صفحوں میں رقم تھی، وہ اپنے نصیب کے لکھے کو کیسے مٹا سکتی تھی۔''

☆☆☆

سرخ جوڑا پہنے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی والدین کی دعاؤں کے سائے میں وہ شیراز کے ساتھ رخصت ہو گئی، رخصتی سے قبل بس چند لمحوں کو اس نے نواز کو سوچا تھا۔

''اگر تم مجھے بھلا سکتے ہو تو پھر میں کیوں نہیں بھول سکتی۔'' آنکھ میں آئے پانی کو اپنے اندر جذب کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

وہ مجھے چھوڑ بھی جائے
مگن دنیا میں ہو جائے
گر وہ مجھے بھول بھی جائے
تو مر میں بھی نہ جاؤں گی
میں پوری جان سے اس کو جی کر دیکھاؤں گی
فقط اتنا ہو گا کہ
میں خود کو بھول جاؤں گی

اس نے سوچا تھا شروع میں اسے مشکل ہو گی بچپن سے جس شخص کو سوچا اسے بھلا دینا خاصا دشوار ہوتا ہے مگر ناممکن تو نہیں؟

کاش لوگ کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے ایک بار سوچ لیں کہ ان کے اس قدم سے کسی کو تکلیف تو نہیں پہنچے گی کسی کا دل تو نہیں ٹوٹے گا، اگر کسی کا دل ٹوٹ گیا تو پھر......؟ وہ دل جس میں خدا رہتا ہے، اگر خدا ناراض ہو گیا تو پھر......؟

خدا اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے تو یہ کیسے ممکن تھا وہ روشین کو ان حالات میں اکیلا چھوڑ دیتا اس نے اس کے دل کو سکون بخشا۔

اس کے دل میں سکون اترا تو اس نے دماغ میں آئی تمام سوچوں کو پرے جھٹکا اور مسکرا دی۔

''شکر ہے سب کا تھا اگر اس پر لوگ اپنا تسلط جما لیتے تو اس جیسے لوگ کہاں جاتے؟'' وہ مطمئن تھی جس خدا نے اس کے نصیب میں شیراز کا ساتھ لکھا تھا وہ خدا اس کو اس کے ساتھ خوش بھی رکھے گا۔

''اور بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔'' اس نے سب کچھ اپنے خدا پر چھوڑا اور شیراز کے سنگ رخصت ہو گئی۔

☆☆☆

بکرا عید ہاسٹل میں

عابی ناز

ارے نام پڑھ کر حیران کیوں ہو گئے، کیا بکرا عید ہاسٹل میں نہیں آ سکتی؟ جی ہاں جناب ہم اسی عید الضحیٰ کو جو ابھی ابھی 2012ء میں آپ سب نے اپنے اپنے گھروں میں خوشی خوشی منائی ہو گی، کی بات کر رہے ہیں، ہمیں یہ عید ہاسٹل میں گزارنی پڑی۔

اب ہم منہ نہیں بسوریں گے تو اور کیا کریں گے؟ آیئے آپ کو بھی اپنی درد بھری یاد میں شامل کرتے ہیں، پھر آپ ہی فیصلہ کیجئے گا کہ ہم پانچ ''بیچاریوں'' پر کیا گزری؟ اور یہ کہ منہ بسورنے میں ہم حق بجانب ہیں یا نہیں؟

''پانچ بیچاریوں'' سے ہماری مراد انیتا، سمیرا، زیبا، عائشہ اور میں یعنی عابدہ پروین ہیں، باقی چاروں کی چونکہ صرف گز گز لمبی زبانیں ہی چلتی ہیں چنانچہ قلم چلانے کی ذمہ داری ہمارے سر پر آ پڑی ہے، کہاں سے شروع کروں؟

ہاں یاد آیا۔

اس دن سویرے جو میری آنکھ کھلی تو چند لمحے آنکھیں پٹپٹانے کے بعد مجھے اچانک احساس ہوا آج تو 9 ذوالحجہ ہے جسے ہماری عام زبان میں ''حج کا دن'' کہا جاتا ہے، سو آج ہمیں اپنے اپنے گھروں کو کوچ کرنا تھا تاکہ بکرا عید کی خوشیاں اپنے گھر کے آنگن میں اپنوں کے بیچ ہی سیلیبریٹ کریں، اس دھماکے دار خیال کے آتے ہی میں نے سرعت سے بیڈ سے نیچے چھلانگ لگانا چاہی مگر یہ کیا؟ ہمارا تو پورا جسم ہی مفلوج ہو چکا تھا، مجھ سے ایک انچ بھی اپنی جگہ سے سرکا نہیں جا رہا تھا، میں نے تو گھبرا کر با آواز بلند اماں کو پکارنا شروع کر دیا، مگر ہاسٹل میں اماں کی شفیق ہستی کہاں؟ چند منٹ آہ و بکا کے بعد ہم اپنی ایک ''بانہہ'' (بازو) منوں بوجھ سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو ہی گے، تب پتہ چلا کہ ہم مفلوج نہیں ہوئے بلکہ زیبا اور سمیرا کے بھاری بھر کم وجود نے ہمارے بستر میں گھس کر ہمیں ہلنے سے بھی قاصر کر رکھا تھا اور وہ ٹانگ جسے ہم گھٹنے بھر سے اپنی سمجھ کر ہلانے کی جدوجہد میں ہلکان ہوئے جا رہے تھے وہ زیبا کی تھی ہماری نہیں، اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ہم نے دائیں ٹانگ طیش کے عالم میں اس زور سے گھمائی کہ زیبا اور سمیرا دونوں آن واحد میں بیڈ سے نیچے آ رہیں، (دھڑ، دھڑ، دھڑام) کی آواز کے ساتھ ہی ان دونوں کی دہائیاں عروج پر پہنچ گئیں تو ہمارے فائیو سٹار گروپ کے باقی ماندہ دو پیس بھی (جو دوسرے بیڈ پر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے) ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے یوں ہمارے ہاسٹل کے اس روم میں نئی نویلی صبح کا آغاز ہوا، چونکہ آج کے دن ہمیں اپنے اپنے گھونسلوں میرا مطلب گھروں کو لوٹنا تھا چنانچہ سب کی خوشی دیدنی تھی مگر یہ ایک ہفتہ ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہو کر گزرنا تھا یہی سوچ کر کچھ افسردہ بھی تھے ہمارا یہ فائیو سٹار گروپ (جس کا نام غالباً نہیں بلکہ یقیناً کسی ہوٹل کے نام پر رکھا گیا تھا) مڈل سے میٹرک اور پھر میٹرک سے ایف ایس سی تک یونہی ہاتھوں میں ڈالے ہاتھ ایک ساتھ آیا تھا، جن میں سے تین یعنی انیتا، عائشہ اور زیبا پر بکرا منڈی کے بکے ہوئے بکروں کی طرح ان کے خریداروں کے نام کے ٹیگ لگا کر منگنی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے جبکہ سمیری اور مجھے فی الحال آزادانہ چرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے، (ارے بھئی بات عید کی ہو رہی ہے تو مثال بھی تو ویسی ہی دوں گی ناں؟) یوں بھی جب سے عید گزری ہے ہمارے منہ سے بکروں اور بوٹیوں کے سوا اور کچھ نکل ہی نہیں پا رہا، جی جی وہی عید جس پر ہم ''بوٹی بوٹی'' کو ترسے ہیں۔

افوہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی اگر زیبی میری ''وکھی'' میں اپنی کہنی پر زور انداز میں نہ

مارتی تو مجھے اپنے پٹڑی سے اتر جانے کا احساس ہی نہ ہوتا، خیر اس بات کا ذکر کرنا اب کوئی زیادہ ضروری بھی نہیں کہ 9 ذوالحجہ کو بھی ہمیں ہاسٹل کے اکلوتے واش روم کے سامنے ''ٹکٹ کٹاؤ لائن بناؤ'' کے مصداق کھڑے ہو ہو کر انتظار کی سولی پر لٹکنا پڑا، ساڑھے دس تک ہم سب ناشتے کے نام پر چار پانچ نوالے ٹھونس کر فارغ ہو چکے تھے، (بھئی اپنوں میں لوٹنے کی خوشی وہ بھی ایسے سنہری موقع پر بھوک کہاں ہوتی ہے؟) پھر بھاگم بھاگ ایک دوسرے کے ساتھ ''چونچیں'' لڑاتے ہم نے گھر پہن کر جانے کے لئے ڈریس سلیکٹ کیے، ظاہر ہے اماں اور بہن بھائیوں کے سامنے ایسی اوٹ پٹانگ ہاف سلیو ڈھیلی ڈھالی شرٹ اور بہت کھلے پائنچوں والے ٹراؤزرز کے ساتھ جائیں گے تو اماں اس ڈریس کو ماچس کی تیلی ضرور دکھائیں گی وہ بھی عین اس وقت جبکہ ہم بقلم خود اس ڈریس کے اندر موجود ہوں گے۔

خیر ہم کپڑوں کو استری سٹینڈ تک لے کر گئے تو بے وفا بجلی ہم سے روٹھ کر کسی الہڑ مٹیار کی طرح یہ جا وہ جا ایسے میں ہم ایک دوسرے کا منہ دیکھنے کے سوا اور کیا کر سکتے تھے بھلا؟

''اس کمبخت ماری کو بھی اسی وقت جانا تھا۔'' عاشی سے رہا نہ گیا تو لگی دل کے پھپھولے پھوڑنے، اس کا غصہ بجا تھا کیونکہ اس کے گھر پہ اس کا واحد منگیتر بھی منتظر لوگوں کی لسٹ میں سرفہرست ویٹ کر رہا تھا، وہ اس کا خالہ زاد ہونے کی وجہ سے آزادانہ عشق و معاشقے کا حق محفوظ رکھتا تھا۔

''تو اور کیا؟ کمینوں کو نہ جانے کیسے علم ہو جاتا ہے کہ اس وقت کوئی بجلی کی چیز استعمال کرنے والا ہے عین اسی وقت لے جاتے ہیں۔''

زیبی بھی کپڑے پھینک کر بیڈ پر ڈھیر ہو گئی۔

''ارے بھئی تم لوگوں کے پیچھے انتظار کرنے والے تو دیدہ دل فرش راہ کیے ہاتھوں میں گلاب کے پھول لئے ہی بوڑھے ہو جائیں گے، بے چارے چہ چہ سر میں چاندی اتر آئے گی ان کے۔'' میں نے جان بوجھ کر ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور خود بھی ہاتھ پیر چھوڑ کر صوفے میں دھنس گئی، سمیرا اور میں خباثت سے بتیسی دکھاتے ہوئے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر دانت نکالنے لگیں تو ان تینوں نے تو مانو گویا انگارے چبا لئے یا ان کے پیروں کے نیچے بڑے بڑے نوکدار کانٹے بچھا دیئے گئے تھے کم از کم مجھے تو ایسا ہی لگا، انیتا تڑپ کر میری جانب اپنی توپ کا رخ موڑتے ہوئے بولی۔

''بڈھا ہوئے گا تیرا منگیتر، خبردار اگر ہمارے ان کو کچھ کہا تو، عید پہ بکرے کی جگہ تمہاری ہی بوٹیاں کر ڈالیں گے ہم۔'' آنکھیں نچاتے ہوئے اس نے دھمکی دی تو میں بھی چپ چاپ ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گئی، مبادا وہ اپنی بات سچ ہی نہ کر دے۔

(پاگلوں کا کیا بھروسہ؟) بہر حال جیسے تیسے سمیرا اور زیبا نے صلح صفائی سے معاملے کو ٹھنڈا کرتے ہوئے رفع دفع کیا (اور ہم تو پہلے ہی دفع دور کر چکے تھے) اچانک عائشہ کو بلیچ کا خیال آیا تو شیشے کے سامنے جا کھڑی ہوئی مگر وہاں پہنچتے ہی اس کے حلق سے جو چیخ برآمد ہوئی تو ہم سب گرتی پڑتی اس تک پہنچیں۔

''کیا ہوا؟ کیا ہوا؟'' ہم تو بوکھلا ہی گئے۔

''یار! میں نے اتنے دن سے خود کو ٹھیک سے آئینے میں دیکھا ہی نہیں، کلاس ٹیسٹ میں ایسی بزی رہی کہ شکل سدھار نے میرا مطلب

کنوارے کا خیال ہی نہیں آیا، ابوبکر نے مجھے اس صورت اور حال میں دیکھ لیا تو سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑا ہو گا۔'' اس نے روہانسی ہو کر با آواز بلند دہائی دی، وہ اپنے فیانسی کی متوقع کنڈیشن بیان کر رہی تھی۔

انیتا نے اصل وجہ جان کر ایک زوردار دھموکہ عائشہ کی کمر پر جڑ دیا۔

''بدتمیز میرا ''تراہ'' ہی کڈ دتا سی۔'' وہ اپنے نازک سے دل پر ہاتھ رکھے صنف نازک ہونے کی پوری اداکاری کا فریضہ سرانجام دے رہی تھی، لگے ہاتھ سمیرا اور میں نے بھی دل کی بھڑاس نکال ہی ڈالی اس پر۔

''بدھو اتنی بھی عقل نہیں کہ چیخ پرانی فلموں کی انجمن کی طرح ''نہیں ایں ایں ایں'' کر کے ہی مارنی چاہیے اور والیوم تھوڑا کم ہونا چاہیے، سمجھی؟'' اور پھر اگلے آدھے گھنٹے کے اندر اندر ہم پانچوں کی پانچوں کمرے میں سفید منہ والی بلائیں بن کر ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑتی پھر رہی تھی، ایسے میں اگر ساتھ والے روم کی کوئی لڑکی غلطی سے بھی ہمارے کمرے میں گھس آتی تو بے چاری کا ہارٹ فیل ہو جانا لازمی امر تھا، مگر صد شکر کہ عید کی وجہ سے ہاسٹل تقریباً خالی ہو چکا تھا۔

سمیرا میرے پاس سے بڑے مگن سے انداز میں گنگناتی ہوئی واش بیسن تک گئی مگر نجانے ایک دم ایسی کیا افتاد ٹوٹ پڑی کہ اس نے آسمان سر پر اٹھا لیا، ارے بھئی محاورے والا آسمان نہیں بلکہ سچ مچ کا آسمان سر پر اٹھا لیا تھا، جی ہاں چیخیں ایسی پارٹ دار تھیں کہ بے ساختہ زیبا، عائشہ، انیتا اور پھر میں نے باقاعدہ کورس میں چلانا شروع کر دیا، ہم میں سے کسی کی جرأت نہ تھی کہ آگے بڑھ کر سمیرا تک رسائی حاصل کرتا، ہاں البتہ چیخنے میں ہم نے اس کا بھرپور ساتھ دیا، ہماری آوازوں بلکہ دھاڑوں سے پورے ہاسٹل کے در و دیوار ہل کر رہ گئے، وارڈن اور باقی لڑکیوں نے جو اس وقت ہاسٹل میں چیدہ چیدہ ہی پائی جاتی تھیں آ کر پوری قوت سے ہمارے کمرے کے دروازے پر گولہ باری شروع کر دی، مگر ہمیں چلانے سے فرصت ملتی تو دروازہ کھولنے کا خیال آتا، ہم تو یوں ایک دوسرے پر بلند آواز میں حلق پھاڑنے میں سبقت لے جانے کی کوششوں میں منہمک تھیں گویا ورلڈ ریکارڈ قائم کرنا چاہتی ہوں، کافی وقت یونہی اندر اور کمرے سے باہر ہونے والی کارروائی جاری رہنے کے بعد بالآخر زیبا کو ہی دروازے کی حالت پر رحم آیا تو اس نے چیخوں کے دوران ہی ناچتے ناچتے دروازہ وا کر دیا، جہاں ساتھ والے روم کی ماریہ اب بازو چڑھائے گھونسوں اور لاتوں سے اسے توڑنے کی سرتوڑ کوشش میں تھی۔

وارڈن اور اس کے ساتھ آنے والے نمونوں نے جو کمرے سمیت ہماری حالت دیکھی تو ان میں سے بھی چند ایک کی بے اختیار چیخیں نکل گئیں، (ویسے ان کی چیخیں ہمارے فیس پہ تھوپی گئی بلیچ اور فیشل کریم کو دیکھ کر برآمد ہوئی تھیں) وارڈن نے اپنے فل والیوم میں حلق پھاڑتے ہوئے ہمیں خاموش ہونے کی تاکید کی، تو ہماری دلدوز چیخوں میں کمی آتے آتے آخر کار بریک لگ ہی گئے، مگر سمیرا کی حالت اس وقت غیر ہو رہی تھی، ہم ذرا سنبھلتے ہی اس کی طرف لپکیں، (آخر وہ ہماری دوست تھی) وارڈن نے ہم سے اس ہنگامہ آرائی کی وجہ دریافت کی تو میں نے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے انیتا کی طرف اشارہ کر دیا، انیتا نے کہا۔

''میڈم مجھے بھی وجہ نہیں معلوم میں نے تو عائشہ اور زیبا کو چیختے دیکھا، (تو ان کا ساتھ

بھانے چل پڑی)۔'' باقی کا جملہ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئی، اب وارڈن کا رخ ان کی جانب تھا مگر وہاں بھی جواب ندارد پا کر سب سمیرا کی طرف متوجہ ہوئے، پکڑ دھکڑ کر اس کو بیڈ پر لٹایا گیا، اس کی پیلی ہوتی رنگت واقعی تشویش میں مبتلا کیے دے رہی تھی، ہمارے تو کلیجے میں ہول اٹھ رہے تھے کہ نا معلوم بے چاری کو بجلی کا کتنا شدید جھٹکا لگا ہو، (لاحول ولا تو بجلی تو گھنٹہ بھر سے غائب ہے چہ جائیکہ شارٹ لگتا؟) اپنی سوچ کو خود ہی جھٹکتے ہوئے میں نے سوچا۔

ہر کوئی قیاس لگا رہا تھا اور اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ذہن دوڑا رہا تھا کہ آخر وجہ کیا ہوئی؟

دس منٹ اس کے ہاتھ پاؤں ملنے اور پانی کے دو تین ٹھنڈے گلاس اندر انڈیلنے کے بعد جب وہ بولنے کے قابل ہوئی تو میڈم نے بڑی شفقت اور پرفکر انداز میں اس سے چیخنے کی بابت دریافت کیا۔

''وہ...... وہ میڈم...... وہ۔'' اس کے اشارے پر سب نے بے اختیار پلٹ کر واش بیسن والی دیوار کی اور دیکھا۔

''وہ میڈم وہاں پر...... چھ...... چھ...... چھپکلی تھی۔''

''اوہ میرے خدایا۔'' سب نے اپنا ماتھا پیٹ لیا، جہاں وارڈن نے سر پکڑا تھا وہیں انیتا نے بھی اپنے بال نوچ ڈالے، میرا جی چاہا اس کی بجائے میں اپنا سر کسی شے میں دے ماروں، ہم ضرور اس وقت تک اسے کچا چبا چکی ہوتیں مگر میڈم کی موجودگی کے پیش نظر ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

''سمیرا کی بچی۔'' عائشہ نے دانت کچکچائے، تو وہ جو پہلے ہی سہمی ہوئی تھی تھوڑا اور دبک کر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد میڈم ہمیں ڈانٹ ڈپٹ اور وارن کرتے ہوئے باہر نکلیں تو باقی رومز کی لڑکیاں بھی بکتی جھکتی کمرے کے منظر سے اوجھل ہو گئیں، اب سمیرا تھی اور ہمارے خونی پنجے۔

☆☆☆

دو گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد لائٹ آ گئی تو ہم اپنے اپنے کپڑے سنبھالتے ہوئے پھر سے استری اسٹینڈ پر آ دھمکے، کپڑے پریس کرنے کے ساتھ ساتھ قینچی کی طرح چلتی زبانیں پہلے گھنٹے والی مضحکہ خیز صورتحال پر بے لاگ تبصرے کر رہی تھیں، ہم چاروں جو سمیرا کو تھوڑی دیر پہلے قتل کرنے کا ارادہ بنا رہی تھیں اب اس کی باتوں اور چٹکلوں سے جی بھر کر لطف اندوز ہو رہی تھیں، ہم نے اسے ہاتھ سے تو کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کی حالت پر اس کا خوب توا لگایا گیا، تو وہ بھی معاف کرنے والی نہیں تھی من ہی من میں ہمیں ہزاروں کوسنے دے چکی تھی، (یہ ''میں'' کیسے جانتی ہوں؟ ارے بھئی بچپن کی دوستیں بلکہ ''ٹڈل'' کی دوستیں ہیں ہم، رگ رگ سے واقف ہیں ایک دوسرے کی) لنچ کے دوران بھی ایسی خوش گپیاں اور آئندہ متوقع حالات پر شوشے چھوڑتے ہم چار بجے تک تیاری مکمل کر چکے تھے۔

بائے داوے جب آپ کو اتنی باتیں بتا دی ہیں تو آپ میری دوستوں کی ذہنی صلاحیت سے کچھ واقفیت تو حاصل کر ہی چکے ہوں گے، اب آپ سے کیسا پردہ ہم آپ کو اپنے گروپ کے وہ نام جو صرف ہمارے سرکس میں شامل ہیں بتاتے چلیں نام کچھ یوں ہیں (زیبا شیلا، (عائشہ) منی، (انیتا) بپاشا، (سمیرا) سمری، یہ نام شیری کے سونگ ''یار انملے'' سننے کے بعد تجویز کیا گیا تھا، ہمارا نام جنگلی بلی تھا اور ہمارا نام، اسے چھوڑیں۔

کیوں بھئی؟ چھوڑیں کیوں؟ عابدہ کا نام میں (عائشہ) بتاتی ہوں ناں، یہ ہماری انجلینا جولی ہے، جو ایکشن میں انجلینا جولی کو بھی مات دیتی ہے، ارے چھوڑو بھی، جی تو قلم دوبارہ ہمارے ہاتھ آ چکا ہے، اب اجازت ہو تو اپنی کہانی میں آگے بڑھیں۔

ہاں جی تو ہم بتا رہے تھے چار بجے تک اپنے اپنے بیگز اور دیگر سامان رسد اٹھائے پانچوں ہیروئنز روم کے دروازے سے باہر پائی گئیں، ہمارا پورا گروپ ایک ہی شہر کے مختلف ایریا سے تعلق رکھتا، چنانچہ اکٹھی ہی عازم سفر ہوئیں، مگر بھاری بھرکم بیگز اٹھائے ہم جو گھسیٹتے بس اسٹیشن پہنچے تو وہاں کی دھکم پیل سے نبرد آزما ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ آج تو بجلی کی وقت بے وقت غیر حاضری پر سلسلہ احتجاج شروع ہو چکا ہے لہٰذا گاڑیوں کی آمد و رفت کل تک موقوف ہے، جن موصوف نے ہمیں ایسی المناک خبر سنائی تھی ہم تو اسی پر پل پڑیں وہ تو شکر ہوا کہ کنڈیکٹر نے وقت پر انٹری دے کر اس غریب کی جان بچائی۔

اب کیا کیا جائے؟ روتے دھوتے شکل پہ بارہ کی بجائے آٹھ بج کر بیس منٹ کا زاویہ بناتے واپس ہاسٹل پہنچے۔

''ارے اگر میں گھر پر نہ پہنچی تو اماں جان تو گھر پر میں قیامت برپا کر دیں گی۔'' مجھے اماں کے دل میں جاگے پیار کے دل میں ہی رہ جانے پر قلق بھی تھا اور ان کے غصے کا اندازہ بھی۔

''یار تمہاری تو صرف اماں جان ہیں وہاں میرے پرنس کا کیا حال ہو گا یہ بھی تو سوچو۔'' عائشہ نے الگ صف ماتم بچھائی ہوئی تھی۔

''بھاڑ میں گیا تمہارا پرنس ہماری تو یہ سوچ سوچ کر جان جل رہی ہے کہ وہ بے چارہ بکرا جو دو ماہ سے ہمارا منتظر ہے کہ کب ہم اس کی چانپوں اور رانوں کے تازہ گوشت سے ہاتھ صاف کریں اور جسے منے نے خاص ہمارے لئے نہلا دھلا کر سجایا ہو گا اس کا کیا؟'' سمری تو بالکل ہی پیٹ کی پجارن تھی، مگر اس کی بات پر سن کر ہمارے منہ میں بھی بے ساختہ پانی بھر آیا، ظالم نے نقشہ ہی ایسا کھینچا تھا۔

''ایک منٹ میں ابھی رضوان (منگیتر) کو فون لگاتی ہوں کہ آ کر مجھے تو لے جائے کم از کم۔'' زیبا بے حسی اور خود غرضی سے بولی تو ہم چاروں نے اس کی شامت لے لی۔

''خبردار اگر جو ہمارے بغیر یہاں سے جانے کا خیال بھی کسی کے ذہن میں آیا ہو تو ٹانگیں توڑ کر اسی خارش زدہ بیڈ کا دائمی مریض بنا دیں گے۔'' ہماری دھمکیوں اور شرم دلانے پر آخر کار متفقہ فیصلہ یہ کیا گیا کہ کل شام چار بجے والی ہمارے روٹ کی اکلوتی بس پر ہی سب گھر پہنچیں گی۔

☆☆☆

اگلی صبح یعنی عید الضحیٰ کے دن صبح ہی صبح موبائل کی بپ سے آنکھ کھلی تو اسکرین پر ندیم (بھائی) کا نمبر دیکھ کر ہم نے فی الفور یس کا بٹن دباتے ہوئے کان سے لگایا۔

عید تو آ گئی گھر پہ مگر تم نہیں آئے
چلو ہم اکیلے ہی کھائیں گے سری پائے

ندیم کا شعر اس وقت مجھے زہر لگا۔

''منہ بند رکھو اور خبردار جو میرے حصے کے گوشت اور خاص کر سری پایوں کو ہاتھ لگایا تو۔''

سلام دعا و مبارکباد کے بعد یونہی نوک جھونک کا سلسلہ شروع ہو گیا، وہ مجھے چڑانے کے لئے گھر میں عید اور قربانی کی تیاریوں کی روداد مرچ مصالحے لگا لگا کر سنا رہا تھا اور میرا بی پی شوٹ

ہونے لگا۔

"ویسے آپی اس بار عید پر بکرا خاصا تگڑا اور موٹا تازہ ہے، شاید تمہاری نظر بد سے بچ گیا اس لئے۔" ندیم مجھ سے دو سال چھوٹا ہے اس کی اور میری آج تک بن نہیں پائی تھی اسی لئے موقع سے فائدہ اٹھا کر پچھلے سارے حساب کتاب بے باق کر رہا تھا۔

"ندیم! تم نے کیا مجھے ایسی جلی کٹی سنانے کے لئے فون کیا ہے؟" میرا لہجہ ذرا نم ہوا تو وہ فوراً پگھل گیا۔

"ارے نہیں میری پیاری آپی! فون تو اس لئے کیا کہ آپ کو نیٹ آن کرنے کا کہہ دوں آپ نیٹ پہ جلدی سے آن لائن ہو جائیں میں آپ کو منی کیم کے ذریعے بکرے کے مختلف پوز دکھاتا ہوں اور اماں بھی آپ کی چندے آفتاب چندے مہتاب صورت دیکھنے کو ترس رہی ہیں، انہیں بھی دیدار کروایئے اپنے مکھڑے کا۔" ندیم نے فون بند کیا تو میں نے جلدی سے لیپ ٹاپ پر نیٹ آن کیا۔

بکرے کی مختلف انداز سے لی گئی ماڈل جیسی تصاویر دیکھنے کے لئے یہ چاروں بھی مکھیوں کے جتھے کی طرح ادھر جھک آئیں، اتنے صحت مند اور موٹے تازے بکرے کے گوشت کا تصور کر کے سبھی کی رال ٹپک رہی تھی، ہمارا بس چلتا تو بکرے شریف کو اسکرین سے باہر کھینچ لاتیں، مگر...... اماں سے بات ہونے کے بعد ہمیں بکرے میاں سے بھی لائیو ملاقات کا شرف حاصل ہوا، جس میں بکرے میاں کے ناز نخرے ہی ختم ہونے میں نہ آئے۔

ابھی اسی بکرے کے دل گردے پکیں گے گھر کے سبھی لوگ باری باری چکھیں گے تم نہ آئی بہنا تو اتنا یاد رکھنا تمہارے لئے ایک بوٹی بھی نہیں رکھیں گے

یہ ندیم سے چھوٹی فاخرہ تھی جو میرے عید پہ گھر نہ آنے پر سخت ناراض ہو رہی تھی، اب منتوں سے کام نہیں بنا تو دھمکانے کی نوبت آ گئی، تقریباً آدھا گھنٹہ بعد روتے دھوتے بڑے ہی بوجھل دل کے ساتھ نیٹ آف کیا گیا، ہاسٹل کے اسی روم میں ہم نے نماز عید ادا کی، ایک دوسرے کو عید وش تو کی مگر انداز ایسا تھا گویا اظہار افسوس ہو رہا ہے۔

عائشہ اور زیبا کے فیانسی کی کالز لگا تار موصول ہو رہی تھیں زیبا تو اس وقت بھی کان میں فون گھسیڑے رضوان سے محو گفتگو تھی جب میں نے کھینچ کر کشن اس کی کمر پہ دے مارا۔

"اوئی ماں...... کیا ہے؟" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

(بھئی ظاہر ہے بے وقت ڈسٹربنس تھی برداشت کہاں ہوتی)۔

"شرم کر زیبی کی بچی، تجھے اس لئے یہاں نہیں روکا تھا کہ تو یہاں ہمارے ساتھ ہوتے ہوئے بھی انہی موصوف کی بغل میں گھسی رہے آفرین ہے یار تم لوگوں کو تو انوکھے ہی نمونے ملے ہیں۔" میں نے لگتے ہاتھ عائشہ اور انیتا کے بھی لتے لے ڈالے۔

"ہاں تو اور کیا، پہلے دور کی لڑکیاں تھی ادھر منگیتر کا نام آیا ادھر وہ شرمائی لجائی شرم سے دوہری چوہری ہوتی گھر کے کونوں کھدروں میں چھپاک سے غائب، مگر یہاں دیکھو بے حیائی میں پی ایچ ڈی ہو رہی ہے منگیتر کے نام پر ہی کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔" سمیرا جسے قربانی کا گوشت میسر نہیں ہو رہا تھا اور ستم بالائے ستم کہ وہ منگیتر جیسی مصروفیت سے بھی فری تھی، نے بھی غبار دل تو نکالنا تھا ناں؟

"ایک انیتا ہے جو تم میں سے سیدھی بھی ہے اور سادی بھی اسی سے کچھ سیکھ لو بے حیاؤ۔" انیتا نے بھولی صورت کو مزید مسکین بنایا۔

"شرم تو سونگھنے کو بھی نہیں ملی تم لوگوں کو نانہجارو، نا اہلو۔" ہم نے بڑی سیانی بی کی طرح دہائی دی مگر ادھر مجال ہے جو رتی بھر بھی اثر ہوا ہو، بلکہ سو فیصد ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کمال شان بے نیازی سے جواب آیا۔

"جلنے والے کا منہ کالا...... ہونہہ۔" اور اپنا منہ دوبارہ موبائل میں گھس گیا، اب یقیناً ہماری شکایتوں کی پٹاری کھلنی تھی، بے نیازی کے عظیم الشان مظاہرے پر ہم جل جل ہی تو اٹھے، انیتا نے آگے بڑھ کر کمال سرعت سے موبائل زیبی (شیلا) کے ہاتھ سے کھینچنے کی ناکام سی کوشش کی تو شیلا نے سرپٹ دروازے کی طرف دوڑ لگا دی، مگر راستے میں زمین پر لیٹی عائشہ کی ٹانگ جو تان کر بالکل سیدھی کی گئی تو آڑے آ گئی اور بے چاری شیلا موبائل سمیت زمین بوس ہو گئی، موبائل فرش کی کاری ضرب نہ سہہ سکے اور گرتے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے، چنانچہ اگلے ہی پل وہ ہم چاروں کے سروں پر کھڑی غصے سے آگ بگولا ہوتی ہمیں بڑی گالیوں اور کوسنوں سے نواز رہی تھی، (حالانکہ اسے شکر کرنا چاہیے تھا کہ اس کی بتیسی بچ گئی) ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ سمیرا کا فون چیخ اٹھا، دوسری طرف منا تھا۔

"باجی ہم نے قربانی کر لی اور میں محلے بھر میں گوشت بھی بانٹ آیا ہوں۔" سات سالہ منا اپنی رو میں بولا۔

"باجی آپ کو پتہ ہے ہم نے کلیجی گردے اور سب سے پہلے پکائے، مگر وہ تو چکھتے چکھتے ہی ختم ہو گئے، پھر ابا نے ران اور چانپ کا گوشت اسپیشل الگ سے بنوایا تو اس کو روسٹ کر کے کھانے کے بے حد لطف آیا، صوبیہ باجی نے الگ سے بریانی اور پلاؤ بنایا ہے، وہ تو قورمے اور مٹن کی بھی تیاریوں......"

"با...... اا...... اس......بس...... بس......

بس منا اس کے آگے مزید کچھ مت بولنا تجھے خدا کا واسطہ۔" سمری منے کو تو کچھ کہہ نہیں پائی ہاں البتہ بے بسی میں پاس بیٹھی منی یعنی عائشہ (بدنام) پر لات چلا دی، منی بے چاری جو اپنے ہی دھیان میں ایس ایم ایس پڑھ کر خوش ہو رہی تھی صوفے کی گدی پر ہی اوندھی ہو گئی، (سمیرا کی ٹانگ سہہ جانا کوئی آسان کام تو نہ تھا) منے کو چند ایک باتوں سے بہلا پھسلا کر اس نے جلدی سے فون بند کر دیا، اتنی مزیدار ڈشز اور ریسی پیز کے نام سن کر صبر کرنا امر محال تھا۔

☆☆☆

انیتا میرا اور عائشہ کا ہاتھ تھام کر تقریباً گھسیٹتی ہوئی ٹی وی لاؤنج تک لائی، ہاسٹل کی یہ جگہ برائے نام ہی ٹی وی لاؤنج کہلاتی ہے، جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بارہ بائی چودہ کے اس ہال نما ڈربے میں صرف ایک ٹی وی اور شاذ و نادر چلنے والا ایک عدد پنکھا رکھا گیا ہے، جو چند ایک مقدر کے سکندر لوگوں کو اپنی سہانی ہوا حاصل کرنے کا اعزاز عطا کرتا ہے، (بہر حال ہم نے ٹی وی آن کیا تب تک زیبا اور سمیرا لنچ میں وہی روکھا پھیکا (آلو کا سالن) لے کر آن وارد ہوئیں، ٹی وی کے چینلو پر گوشت سے تیار کی جانے والی چٹ پٹی اور مصالحے دار ڈشز دیکھ کر آلو کے سالن سے جی مار کرنا ہمارے بس کی بات نہ تھی، ایک چینل پر قیمے سے تیار کئے گئے ذائقے دار اور خوبصورت رولز کو دیکھ کر میرے منہ سے سچ مچ رال ٹپک کر نیچے گری تو انیتا جو صوفے کے ساتھ ٹیک لگائے عین میری سیٹ کے سامنے نیچے بیٹھی تھی نے آہ و

نفاں شروع کی، کیونکہ بے دھیانی میں نظریں ٹی وی پر جمائے جو میرے منہ سے رال نکلی تو سیدھی اس کے کندھے کو بھگو گئی تھی، (چھی چھی چھی)

(اے دفع دور، مٹی پاؤ ایسے چینلو اور کھانوں پر جنہیں دیکھ دیکھ کر دوست ہی دوست پر تھوک دے۔'' سمیرا نے ناک سکوڑی تو میں اپنی جگہ چور سی بنی کر زمین میں گڑنے کی تیاری کرنے لگی، عائشہ نے ریموٹ پکڑ کر چینل چینج کیا تو وہاں عیدی قربانی اور اپنوں کے ساتھ مل کر ہنسی خوشی عید سیلبریٹ کرنے والے ڈرامے دکھائے جا رہے تھے، دس منٹ کا ڈرامہ چلا تو انیتا نے بھاں بھاں کر کے دھواں دھار رونا اسٹارٹ کیا۔

''ارے اب کیا ہوا؟'' زیبا جھنجھلائی۔

''اس اداکارہ کو دیکھ کر ہمیں اپنی بے بے کی یاد آنے لگی ہے اور یہ لڑکا تو بالکل ہمارے بھیا کی طرح عیدی تقسیم کرنے میں شاہ خرچی دکھا رہا ہے، مجھے اپنے گھر والوں کے پاس جانا ہے۔''

(لو جی یہ ایک اور نیا شوشہ) ہم سب بھنا ہی تو گئیں، خیر اس چینل کو بھی تبدیل کیا گیا، دوسرے چینلو پر رنگا رنگ پروگرامز اور شوز میں گلوکار اپنی پرفارمنس دکھا رہے تھے، مگر اب اپنے اپنے گھر والوں کی یاد نے باقی ہر چیز سے دل ایسا اچاٹ کیا کہ ہم سب کو بالآخر ٹی وی بند کر کے اٹھتے ہی بنی، جب ہم روم میں واپس پہنچیں تو ڈھائی بج رہے تھے، سوچا تھوڑی دیر ستا لیا جائے، آخر چار بجے سے لمبا سفر کر کے گھر بھی تو پہنچنا تھا، رخت سفر کل سے یونہی بندھا پڑا تھا، چنانچہ بے فکر ہو کر بلکہ بے غم ہو کر لمبی تان سو گئیں، (ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ لمبی تان کچھ زیادہ ہی لمبی ہو جائے گی) سوا چار بجے انیتا کی آنکھ کھلی تو انہی نے وہ غوغا و غل مچایا کہ ہڑبڑا کر سبھی اٹھ بیٹھیں، منہ پر پانی کے دو تین چھپاکے مار کر ہم نے بیگ تھامے اور ایک بار پھر ہاسٹل سے باہر، (مگر اب کی بار ہم میں جو تھوڑی بہت عقل باقی بچی تھی اسے استعمال میں لاتے ہوئے ہم نے لاری اڈے پر فون کھڑکایا، کہ پتہ تو کریں بس نکل گئی یا نہیں؟)

''دیکھئے میڈم کل جو احتجاجی مظاہرے ہوئے ان میں عوام کے اشتعال کے پیش نظر پولیس نے ناکہ بندی کر دی ہے لہٰذا بسوں کی آج بھی ہڑتال رہے گی۔'' دوسری جانب سے ایسا غیر متوقع جواب پا کر ہماری جو حالت ہوئی ہو گی، اس کا آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

تو یہ تھی ہماری آپ بیتی جو ہم نے آپ کے گوش گزار کر دی اب ہمارا فائیو اسٹار گروپ قارئین حضرات یعنی کہ آپ سے خصوصی التماس کرتا ہے کہ ہماری یہ ''درد بھری داستان'' پڑھ کر پہلی فرصت میں ہمیں بتائیں کہ ہم ''عید'' کے نام پر منہ بسورنے میں کس قدر حق بجانب ہیں؟ (ہمارا کچھ غم تو غلط ہو)

دیکھئے درخواست کے ساتھ ساتھ ہم آپ کو دھمکی بھی دے رہے ہیں کہ اگر اگلے شمارے میں آپ کی آراء ہم تک نہ پہنچیں تو ہم اپنے ہاسٹل کے اکلوتے پنکھے میں رسی ڈال کر لٹک جائیں گے، (ہاں) وہ پنکھا شاید رکھا ہی دلبرداشتہ سٹوڈنٹس کی خودکشی کے سامان کے طور پر ہے۔

اگر آپ سے حوصلہ افزائی ملی تو دوبارہ اپنی فرینڈز کے ''منگیتر نامے'' کے ساتھ حاضر ہوں گے شکریہ۔

☆☆☆

محبت ہار جائے تو

ظل ہما

پورے ماحول پر سناٹا اور ہو کا عالم طاری تھا، اتنی گرمی میں انسان تو ایک طرف چرند پرند بھی نکلتے ہوئے گھبراتے تھے، مگر اسی ماحول میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو اس گرمی سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھا، یہ شخص وہ تھا جو کہا کرتا تھا، ''جب کسی سے سخت دشمنی ہو تو اسے گرمیوں کی دوپہر میں کام پہ لگا دو۔'' آج وہ اپنی مرضی سے اس گرم دوپہر میں اس سے ملنے کے لئے آیا تھا مگر شاید اس کی ناراضگی اتنی شدید تھی کہ اس نے ایک نگاہ بھی اس روتے سسکتے وجود پر ڈالنا گوارہ نہیں کیا تھا، وہ منت وزاری میں مصروف تھا، آنسو اس کے چہرے بھگو رہے تھے، مگر دوسری طرف بے نیازی کا عالم عروج پر تھا۔

''پلیز ایک بار مان جاؤ، تمہارے بنا زندگی عذاب لگتی ہے مجھے، جو چاہو سزا دے لو مگر ایک بار کہہ دو تم نے مجھے معاف کیا، مجھے نیند نہیں آتی، تمہیں سوچتا ہوں تو بھی سکون نہیں آتا، تم خواب میں بھی خفا نظر آتی ہو، مجھے میری غلطی کی اتنی بڑی سزا مت دو کہ میں جی سکوں نہ مر سکوں، کیسے بھولوں اپنا وہ لہجہ وہ الفاظ جو میں تم سے کہے تھے ''کہ تم بس ایک چیلنج ہو اور کچھ نہیں...... پلیز کچھ تو بولو، تمہیں تو مجھ سے محبت ہے نا، پھر کیسے مجھے...... مجھے بے سکون دیکھ سکتی ہو؟ تم تو کہتی تھی نہ میں تم سے ناراض نہیں رہ سکتی پھر اب اتنی ناراضی کیسے؟ پلیز معاف کر دو مجھے ایک بار کہہ دو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا۔'' اس کی آہ زاری بے سود تھی، مقابل کے لب ابھی بھی خاموش تھے، ہر طرف گہرا سکوت تھا وہ آنسو صاف کرتا اٹھ کھڑا ہوا، وہ آج بھی نامراد لوٹنے والا تھا، وہ پلٹ کر چلتا ہوا چار دیواری پار کر گیا تھا، گہرے سکوت نے چپکے سے پلٹ کر پیچھے رہ جانے والی کو دیکھا تھا وہاں وہی سکوت وہی خاموشی تھی جو اس کا خاصا تھی، خاموشی نے اس کی شناخت جاننا چاہی جو اس کے سرہانے ایک کتبے پر درج تھی۔

''مناہل رضا بنت رضا احمد، تاریخ وفات 5دسمبر 2012ء۔'' کتبہ دیکھتے خامشی نے تاسف سے سر ہلایا تھا اور آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''عازم سلمان تمہیں پتہ ہے تمہاری آنکھیں کتنی ساحر ہیں؟ اگر تمہیں پتہ چل جائے تو پھر کبھی آنکھ اٹھا کر کسی کو دیکھنے کی غلطی نہ کرو، مجھ جیسی لڑکی کو ایسے یہ تو دیوانہ نہیں بنا لیا تم نے۔'' مناہل اپنے مخصوص لب ولہجے میں بہت اعتماد سے کہا تھا، مگر عازم سلمان نے پلٹ کر دیکھا بھی بھی گوارہ نہیں کیا تھا، مناہل مسکراتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''عازم سلمان محبت تو بس لٹا دینے کا نام ہے، تم جتنا دور بھاگتے ہو میرا دل اتنا ہی تمہاری طرف کھنچتا ہے، میں انتظار کروں گی اس وقت تک جب تم خود پلٹ کر میری طرف نہیں آ جاؤ گے، تمہیں آنا ہوگا۔''

''کیوں؟ تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟ بہت حسین ہو تم یا اپنی دولت کا غرور ہے تمہیں؟ میری نظر میں زیرو ہو تم، کوئی اوقات نہیں ہے تمہاری۔'' عازم سلمان کا لہجہ پر تحقیر تھا مگر مناہل پہ جیسے کوئی اثر نہیں ہوا تھا، وہ مسکرا رہی تھی۔

''نہیں عازم سلمان تمہیں اس لئے میری طرف آنا ہوگا کہ میں نے، مناہل رضا نے تم سے محبت کی ہے ایسی محبت جو دنیا میں کسی نے کسی سے نہیں کی ہوگی ایسی محبت جو تمہیں خود بخود اپنی طرف کھینچے گی، یہ یقین مجھے میری محبت نے دیا ہے، وہ رب جس نے تمہاری محبت میرے دل میں ڈالی ہے تمہارے دل کو بھی میرے لئے کشادہ کرے گا، یہ ایمان ہے میرا۔'' وہ بات وہیں چھوڑ کر چل دی تھی جبکہ اس نے سر جھٹک کر راستہ بدل لیا تھا۔

☆☆☆

وہ گھر پہنچا تو نعمان اور عارف گھر آئے بیٹھے تھے، وہ تھکے تھکے لہجے میں سلام کرتا وہیں ڈھیر ہو گیا، وہ دونوں اس کے پاس آ بیٹھے۔

''خیریت یار تمہاری حالت تو ایسی لگ رہی ہے جیسے بائیک کی بجائے گدھا گاڑی پر بیٹھ کے گھر آئے ہو۔'' نعمان کی ہنسی میں عارف بھی شامل تھا۔

''یار پلیز تنگ نہ کرو، اس نے مناہل نے پہلے ہی دماغ کھایا ہوا ہے، آج پھر مل گئی تھی ایڈمن بلاک میں، اتنی مشکل سے جان چھڑا کر آ رہا ہوں۔'' وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اوہ!'' نعمان سیٹی بجا کر بولا۔

''یار اتنی امیر لڑکی مجھے لفٹ کراتی تو میں تو ایک منٹ نہ لگاتا اس کی آفر قبول کرنے میں۔'' لقمان ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔

''فضول مت بولو نوحی! تم جانتے ہو ناں، میں اس لڑکی سے کتنی نفرت کرتا ہوں، ارسلان دوست ہے میرا اور ایک دوست دوسرے دوست کی خوشیوں پہ کیسے ڈاکا ڈال سکتا ہے، مناہل نے پہلے اس کے ساتھ محبت کا ڈرامہ کیا اب میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔'' وہ تپ ہی تو گیا تھا۔

''یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو، آج کل لڑکیاں لڑکوں سے زیادہ فلرٹ ہوتی ہیں، ارسلان کی تو زندگی تباہ کر دی اس لڑکی نے۔'' نعمان کے لہجے میں بھی حقارت تھی البتہ عارف خاموش تھا، اس نے لب کھولے۔

''یار بس کر دو ارسل کون سا کم فلرٹ تھا، ہر روز نئی دوست کے ساتھ ہوتا تھا اور اس کی زندگی کہاں تباہ ہوئی ہے، اچھا بھلا تو عیش کرتا پھرتا ہے اور رہی مناہل مجھے تو ایسی لڑکی نہیں لگی، نہ یونی میں کسی اور کے منہ سے اس کے متعلق کوئی بات سنی ہے البتہ تھوڑی مغرور ضرور ہے۔'' اس کا لہجہ غیر جانبدار تھا۔

''خدا کو مان مولوی، تجھے دوست کے مقابلے میں وہ دو ٹکے کی لڑکی قابل اعتبار لگ رہی ہے، لگتا ہے اس کا اگلا شکار تم ہو۔'' نعمان اس کا مذاق اڑانے لگا تھا جس پر وہ برا سا منہ بنا کر چپ ہو گیا۔

''اچھا سن یار! ایک آئیڈیا آیا ہے دماغ میں۔'' نعمان نے پرجوش لہجے میں عازم کو پکارا تھا جس پر وہ اشتیاق سے سیدھا ہو بیٹھا۔

''یار ہم اس سے بدلہ لیں گے ارسلان کا، تو یہ کام کرے گا کہ اس کی محبت کا جواب محبت سے دے۔'' وہ پورا پلان سمجھا رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے تین چار دن وہ بہت خاموشی سے مناہل رضا کو واچ کرتا رہا جبکہ وہ اس کی خاموش نگرانی سے الجھ رہی تھی آخر ایک دن وہ اسے کے مقابل جا پہنچا۔

''مناہل مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔'' وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''جی عازم سلمان یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھ سے مخاطب ہیں۔'' اس نے بھی خود کو سنبھال لیا تھا مگر دل تھا کہ کئی سو میل کی رفتار سے بھاگ رہا تھا۔

''کہیں بیٹھ کے بات کریں؟'' جواب ملنے سے پہلے ہی وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کینٹین کی طرف آ گیا تھا وہ تو بس سحر زدہ سی ساتھ کھنچ رہی تھی۔

''بیٹھو۔'' اس کے لئے چیئر کھینچ کر وہ مقابل چیئر کی جانب بڑھا تو وہ بھی بیٹھ گئی۔

''کہیے کیا کہنا ہے؟'' وہ خود کو سنبھالنے کی

پوری کوشش کر رہی تھی، دوسری طرف عازم سلمان بھی زیرلب مسکراتا اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا، وہ سر جھکا گئی۔

''میں تمہیں اپنی مدر سے ملوانا چاہتا ہوں۔'' اگرچہ کسی لڑکی کو پرپوز کرنے کا یہ پہلا تجربہ تھا مگر اس کا اعتماد قابل دید تھا۔

''جی، وہ کس لئے؟'' اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا، عازم نے ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کا ٹیبل پہ رکھا ہاتھ تھام لیا جو ٹھنڈا ہو رہا تھا اور براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا اور دل ہی دل میں اعتراف بھی کیا کہ وہ لڑکی واقعی ہوش اڑانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

''کیونکہ میں چاہتا ہوں، ماما جلد از جلد اپنی بہو کو گھر لے آئیں۔'' وہ پوری طرح الرٹ تھا۔

''کیا مطلب؟'' اس کے جھٹکا بہت زور دار لگا تھا۔

''افوہ، آپ نے بہت Genious ہیں نا، میں شادی کرنا چاہتا ہوں آپ سے، آپ کو کوئی اعتراض ہے۔'' سحر زدہ آنکھیں اسے معمول بنا رہی تھیں۔

''نہیں تو، کب ملنا ہے ان سے۔'' اس کے الفاظ بے اختیار تھے، وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا، کامیابی بہت قریب تھی۔

''سنڈے کو، یہ میرا ایڈریس ہے، تم لنچ ہمارے ساتھ کرنا اور پلیز اچھی طرح تیار ہو کر آنا کہ ماما کو بہت پسند آؤ۔'' وہ خواب دکھا رہا تھا اور وہ تمام ہوش کھوئے اس کے دکھائے ڈریم لینڈ میں داخل ہو گئی تھی پھر وہ سارا دن انہوں نے ساتھ گزارا تھا، مناہل کو تو زمین پر جنت کی نوید مل گئی تھی۔

☆☆☆

''ہاہاہا آج مزہ آئے گا، جب اس کا غرور ٹوٹے گا۔'' نعمان ارسلان اور عارف تینوں عازم کے گھر پہ موجود تھے۔

''یار آنٹی تو نہیں آ جائیں گی؟'' عارف کو ڈر سا لگ رہا تھا۔

''مولوی یار بس کر، تجھے تو لڑکی ہونا چاہیے تھا، اتنا ڈرتا ہے جیسے کوئی 1900ء کی مشرقی دوشیزہ۔'' نعمان کی بات پہ سب قہقہہ لگا کے ہنسے۔

''ارسلان تو تو ہمارا شیر ہے، بس فکر نہ کر تجھے مناہل جیسی ہزاروں ملیں گی، اس دو ٹکے کی لڑکی کے لئے خود کو روگ مت لگا۔'' عازم نے ارسلان کا کندھا تھپکا، ارسلان گہری سانس لے کر مسکرا دیا۔

''یار اگر آج وہ ہاتھ آ ہی رہی ہے تو کیوں نہ شغل میلہ ہو جائے۔'' نعمان کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''بس کر دو یار، حد ہوتی ہے کمینگی کی۔'' عارف بھڑک اٹھا تھا۔

''نہیں یار ہم نے ایسا کچھ نہیں کرنا۔'' عازم نے بھی مخالفت کی تو نعمان نے نظروں میں ہی ارسلان کو اشارہ کیا جواباً اس نے آنکھ دبا کر حمایت کا یقین دلایا تو نعمان مسکرا کے خاموش ہو رہا بھی بیل بج اٹھی، وہ چونک اٹھے۔

☆☆☆

اتوار کا سورج طلوع ہوا تو اس نے سے پہلے مناہل اٹھ چکی تھی، وہ ہزار بار آنکھیں مل مل کر خود کو یقین دلا چکی تھی کہ یہ خوبصورت حقیقت خواب نہیں ہے اور واقعی عازم سلمان اس کا ہونے والا ہے، اس کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی، ناشتے کے لئے جب وہ باہر آئی تو رضا صاحب سے اس نے دوپہر کو دوست کے گھر جانے کی اجازت مانگی تو فوراً مل گئی، وہ اتنی لاڈلی تھی کہ اس کے پاپا نے آج تک کسی بات پہ اس کو

انکار نہیں کیا تھا، ان کی بیوی کی وفات کے بعد ایک وہ ہی تو واحد ان کی زندگی کا سرمایہ تھی جیسے وہ کانچ کی طرح سنبھال کر رکھتے تھے۔

ناشتے کے بعد سے اس نے کمرے میں جا کر دوپہر کی تیاری شروع کر دی تھی، اس نے بلیک اور آف وائٹ کریم کلر کی لانگ شرٹ اور ٹراؤزر منتخب کیا جو سادہ مگر سٹائلش تھی، عازم کی تاکید تھی کہ وہ ایک بجے ان کے گھر پہنچ جائے اور وہ لیٹ نہیں ہونا چاہتی تھی، ٹھیک ساڑھے بارہ بجے وہ پوری طرح تیار ہو کر آئینے میں اپنا جائزہ لے رہی تھی، نفاست سے بنے تراشیدہ بال، ہلکا سا میک اپ، گہرا کاجل کانوں میں ائیر رنگ، دائیں ہاتھ میں سفید نگوں کا بریسلیٹ اور بائیں ہاتھ میں سیاہ سٹریپ والی نازک سی گھڑی، وہ مطمئن ہو کر نکل آئی۔

ایک بجنے میں پانچ منٹ رہتے تھے جب وہ عازم سلمان کے دروازے پہ دستک دے رہی تھی، راستے میں اس نے ایک بیکری سے چاکلیٹ کیک بھی لے لیا تھا، گیٹ کھلنے کی آواز پر وہ اس طرف متوجہ ہوئی تو سامنے رف سے حلیے میں عازم سلمان کھڑا مسکرا رہا تھا، اس نے بھی جوابی سمائل دکھاتے ہوئے قدم گیٹ سے اندر رکھا، وہ اس کو لئے سیدھا لاؤنج میں پہنچا اور وہاں بٹھا کر وہ خود غائب ہو گیا، پانچ منٹ نہیں گزرے تھے کہ یکے بعد دیگرے عازم کے ساتھ تین لڑکے اندر داخل ہوئے تھے جن کو دیکھ کر وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے چہرے پر الجھن تھی، اس کی چھٹی حس کچھ غلط ہونے کا الارم دے رہی تھی۔

''عازم یہ......'' وہ کچھ پوچھنے والی تھی کہ نعمان آگے بڑھا۔

''محترمہ مناہل صاحبہ مجھے تو آپ اچھی طرح پہنچانتی ہوں گی میں یعنی نعمان اسلم، ارسلان، حیدر کا دوست، البتہ یہ بات آپ کو میں بتا دوں کہ عازم سلمان ہمارا دوست ہے۔'' اس کا لہجہ بہت طنزیہ اور نظریں چھید کرنے والی تھیں، مناہل نے بے اختیار دوپٹہ پھیلا کر لیا، اب کے ارسلان کی باری تھی، وہ آگے بڑھا۔

''مجھے ارسلان حیدر کو ٹھکرایا تھا نا تم نے؟ آج دیکھو اس کا بدلہ تم سے کیسے لیا ہم نے، تمہیں لگتا تھا نا میں چھچھورا گھٹیا ہوں آج اس گھٹیا پن کی انتہا دیکھو گی تم، یہ چہرہ جس پر تمہیں ناز ہے کسی کے تھوکنے کے قابل بھی نہیں رہے گا۔'' اس کے لہجے میں غراہٹ تھی، مناہل تو سکتے کے عالم میں تھی۔

''میں نے تمہیں کہا تھا نا میں تمہیں تباہ کر کے رکھ دوں گا، تم میری نہیں تو کسی کی بھی نہیں ہو گی، تم نے میری نہیں مانی تو میں کیسے تمہیں خوش ہونے دوں۔'' ایسا کہتے ہوئے اس کی گندی نظر مناہل کے چہرے اور جسم پر رینگ رہی تھی، اس نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھامنے کی کوشش کی تو مناہل ہوش میں آ گئی، اس نے بے اختیار تھپڑ دے مارا تھا، ارسلان غضب میں آگے بڑھا مگر عازم اور عارف نے اسے قابو کر لیا۔

''عازم کیا یہ سچ کہہ رہا ہے۔'' مناہل عازم کی طرف مڑی تھی، اس کی نم آنکھوں میں درخواست تھی یا کچھ اور کہ لمحہ بھر کو عازم بھی کپکپا اٹھا۔

''ہاں ارسلان ٹھیک کہہ رہا ہے، تم سے میں محبت نہیں کرتا، تم نے یہی محبت کا ڈرامہ پہلے ارسلان کے ساتھ کیا پھر میرے پیچھے پڑ گئی، تمہیں انجام تک پہنچانے کے لئے میں نے یہ ڈرامہ کیا، تم بس ایک چیلنج ہو میرے لئے اور کچھ نہیں۔'' عازم کے لہجے میں نفرت تھی۔

جاؤں گی، میں نے ارسلان کے ساتھ کبھی بھی محبت نہیں کی یہ جھوٹا ہے۔" وہ اپنے آنسو ضبط نہیں کر پا رہی تھی۔

"تو مر جاؤ......" عازم نے سفاکی کی انتہا کر دی تھی۔

"بلکہ یقین کرو میں وہ واحد شخص ہونگا جس کو تمہارے مرنے پہ خوشی ہوگی۔" مناہل کو اس کا لہجہ مار گیا تھا، وہ خاموشی سے پلٹی، تبھی نعمان اور ارسلان نے اس کا دوپٹہ کھینچ لیا تو وہ کارپٹ پہ گر گئی، عازم خاموش تماشائی تھا، عارف سے اس کی یہ ذلت برداشت نہیں ہوئی تو وہ اس کی آڑ بن گیا۔

"بے غیرتی مت کرو، تم لوگوں کی اپنی بھی بہنیں ہیں، بس بدلہ پورا ہو گیا نا تمہارا، اب جانے دو اسے، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" اس نے آگے بڑھ کر مناہل کو اس کا دوپٹہ لوٹایا اور جانے کا اشارہ کیا، وہ متشکر نظروں سے عارف کو دیکھتی باہر نکلتے نکلتے عازم کی طرف پلٹی۔

"محبت میری نادانی تھی عازم سلمان، جو لیٹرے کو محافظ سمجھی، مگر یاد رکھنا کبھی سکون نہیں آئے گا تمہیں، محبت اپنی توہین کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتی، تم معافی مانگو گے مگر معافی بھی نہیں ملے گی۔" وہ دوڑتی ہوئی اس کے گھر سے نکلتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

دو دن بعد وہ یونیورسٹی گیا تو کوریڈور میں سے گزرتے ہوئے اس کی سرسری نظر نوٹس بورڈ سے پلٹنا بھول گئی تھی، وہاں واضح الفاظ میں لکھا تھا۔

"M.A انگلش فائنل ایئر کی ہونہار طالبہ مناہل رضا کی بروز اتوار ایک ٹریفک حادثے کا

ہیں، تمام اساتذہ اور طلباء سے التماس ہے ان کے ایصال ثواب کے لئے دعا کریں۔"

وہ ساکت رہ گیا تھا، اس کے اپنے الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے۔

"مر جاؤ میں وہ واحد شخص ہونگا جس کو تمہارے مرنے پر خوشی ہوگی۔"

پھر اس کے بعد اس کے دل کو کبھی سکون نہیں آسکا تھا، اس نے محبت میں بے وفائی نہیں دھوکا دیا تھا، توہین کی تھی، بھلا پھر کیسے سکون ملتا اسے، عارف کے بتانے پر اس کا احساس جرم اور بڑھ گیا تھا کہ ارسلان جھوٹا تھا، مناہل نے اس سے کوئی عہد و پیمان نہیں کیے تھے، شرمندگی کے مارے وہ خود کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

سکون کی تلاش میں بھٹکتے آخر کار اس نے عارف کے شانے پر سر رکھے اعتراف کر لیا تھا کہ اسے بھی مناہل سے محبت ہو گئی ہے اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا، دور کھڑی محبت تلخی سے مسکرائی تھی اور اس کی تصحیح کی، محبت نہیں عشق اور عشق میں بھلا کب آرام ہوتا ہے۔

سو وہ بھی دو سالوں سے بھٹک کر پھر واپس اسی شہر کی طرف لوٹ جاتا جہاں مناہل آسودہ خاک تھی، وہ معافی مانگتا رہتا وہ خاموش رہتی، وہ پھر سے نئی امید لے کر اگلے دن چلا آتا مگر، بے قراری تو اس کا مقدر تھی اور مقدر سے کون بھاگ سکتا ہے۔

اس کو آتے جاتے دیکھتی ہوا تاسف سے سر ہلاتی اور گزر جاتی شہر خموشاں میں اسی بات کا چرچا تھا۔

غم دوراں میں کھو جاؤ مگر یہ بات مت بھولو
کبھی جینے نہیں دیتی محبت ہار جائے تو!

☆☆☆

وصال اک نا ہو سکے

عشنا بھٹی

انسان زندگی میں بے شمار خواب دیکھتا اور بہت تمنائیں کرتا ہے، اپنی آرزو اور خواہشات کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے خاص دل سے محنت کرتا ہے، مگر تقدیر کا جھونکا امیدوں کے چمن کو نوچ کر پھینک دیتا ہے، انسان پھر آنسو بہانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ انسان تقدیر کے آگے بے بس اور مجبور ہے۔

کائنات کا حسن تبدیلی میں ہے، انسان کی فطرت یکسانیت سے اکتا جانے والی ہے، ہم زندگی میں آنے والی خوشیوں کا تو استقبال تو کرتے ہیں، مگر غموں اور دکھوں سے فرار چاہتے ہیں، ہم یہ کیوں نہیں سوچتے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اتنا بوجھ ڈالتا ہے، جتنا وہ سہہ سکتے ہیں، جس پروردگار نے ہمیں زندگی میں خوشیوں بھرا دن دکھایا ہے، وہی غموں کی رات بھی ختم کر کے پھر سے خوشیوں کی اک نئی صبح روشن کرے گا۔

☆☆☆

''احمر کے ابا! اے سنتے ہو؟'' وہ اپنے شوہر سے مخاطب ہوئی۔

''اتنے برس ہو گئے ہماری شادی کو تمہیں آج تک پتہ نہ چلا کہ میں سنتا بھی ہوں۔'' زبیر صاحب نے اخبار کے اوپر سے جھانک کر شوخی سے کہا۔

''بڈھے ہو گئے مگر آپ کی شوخیاں نہ گئی۔'' بیوی نے طنز سے کہا۔

زبیر صاحب نے دوبارہ سے اخبار منہ کے آگے کر لیا اور مسکراہٹ دبالی۔

''میں آپ کو بتا رہی ہوں احمر کو میں کسی صورت ملک سے باہر نہیں جانے دوں گی، یہ آپ کی شہ پہ ہی اب تک اپنی ضد پہ اڑا ہوا ہے، بھوک ہڑتال کر کے کمرے میں بند پڑا ہے وہ سخت جھنجلاہٹ کا شکار تھیں۔''

''تو آپ اپنی ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتی بیگم صاحبہ۔'' زبیر صاحب رسانیت سے بولے۔

''ایک ہی اکلوتا بیٹا ہے اسے بھی نظروں سے اوجھل کر دوں؟'' وہ رو دینے کو ہوئی، تو زبیر صاحب کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

''زوجہ محترمہ! ہمارا، تمہارا زمانہ گیا، یہ نیا زمانہ ہے نئی سوچیں، نئے تقاضے ہیں، اس کے لئے بڑا پیسہ چاہیے وہ بھی ڈالر کی صورت میں، آج کے بچے عیش کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں، پھر اس کے لئے جدوجہد اور وسائل پیدا کیے جاتے ہیں۔''

بات گو معقول تھی مگر جانے کیوں شمہ بیگم کے حلق سے نہ اتری تھی۔

☆☆☆

احمر کے والد صرف دو بہن بھائی تھے یہ بڑے تھے جبکہ رضیہ بیگم چھوٹی تھیں، اتفاق سے دونوں کے گھر پاس پاس تھے، رضیہ بیگم اپنے میاں اور بیٹی سویرا کے ساتھ رہائش پذیر تھیں، دونوں گھرانوں میں بڑی محبت تھی۔

احمر بچپن ہی سے سویرا سے منسوب تھا، ان دنوں احمر پر ملک سے باہر جانے کی دھن سوار تھی، اس کا دیرینہ خواب جسے وہ پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہے، جس کے لئے اس کی بھوک ہڑتال جیسی کوشش بھی جاری تھی۔

''ہاؤ!'' وہ اس کے کان کے قریب ہو کر زور سے بولا۔

وہ جو انہماک سے پودوں کی کٹائی کر رہی تھی بدک کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی، احمر اس کے حواس باختہ ہونے پر مسکرا کر رہ گیا۔

''احمر! بدتمیز میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو۔'' وہ خفگی سے گھور کر بولی۔

''کتنی بار تم سے کہا ہے کہ چوروں کی طرح دیوار پھلانگ کر نہ آیا کو، دروازے سے نہیں آ سکتے۔'' خود بخود اس کے لہجے سے غصہ عود کر آیا۔

''بس!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''زیادہ لیکچر دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ خائف ہو کر بولا۔

''اچھا خیر چائے پیوں گے۔'' اس نے بات بدلتے ہوئے کہا تو اس نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

''کیوں؟'' وہ حیرت سے گویا ہوئی وہ جانتی تھی کہ چائے احمر کو جنون کی حد تک پسند ہے۔

''کیونکہ میں بھوک ہڑتال پر ہوں۔'' وہ وہی لان میں رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اطمینان سے بولا۔

''اس سے کیا ہوگا؟'' وہ خفگی سے بولی۔

کیونکہ وہ خود بھی اس کے ملک سے باہر جانے کے حق میں نہ تھی۔

''ظاہر ہے امی جان مان جائیں گی، ویسے بھی ابا انہیں قائل کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولا، سویرا اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گئی۔

''تم کتنے خود غرض ہو احمر؟'' وہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''تم جانتے ہو ممانی تمہیں کتنا چاہتیں ہیں، ان کے بس میں ہو تو ایک لمحے کے لئے بھی تمہیں نظروں سے اوجھل نہ کریں۔''

''پیسہ ہو تو سالوں کی مسافت لمحوں میں سمٹ جاتی ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔'' وہ دانستہ رکھائی سے بولی۔

''بس! نصیحت بی بی مجھے معاف ہی رکھو۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا گلی کا دروازہ عبور کر گیا، سویرا ہکا بکا دیکھتی رہ گئی اور سوچنے لگی۔

''یہ دولت بھی کتنی عجیب چیز ہے، انسان کو انسان نہیں رہنے دیتی۔''

☆☆☆

آخر کار شمہ بیگم کی ناں، زبیر صاحب نے ہاں میں بدل دی، باپ خوش تھا کہ چلو بیٹے کا مستقبل محفوظ ہو گیا، مگر دوسرے لوگوں کو اس کا باہر جانا اچھا نہ لگا، پھوپھی، پھوپھا نے بھی مخالفت کی اور کہا۔

''بھائی صاحب! ایک ہی بیٹا ہے کیوں اپنی آنکھوں سے اوجھل کر رہے ہو؟ اچھا برا وقت پڑ گیا تو آپ ہزاروں میل دور بیٹھے صورت دیکھنے کو ترس جائیں گے۔''

احمر نے مسکرا کر پھوپھی کو دیکھا۔

''پھوپھی جان! اب زمانہ بہت آگے جا چکا ہے، یہ سائنسی دور ہے، فاصلوں کو سمیٹنے کے لئے ہزاروں میل دور بیٹھے انسان موبائل فون کے ذریعے ایک دوسرے سے باتیں کر سکتے ہیں۔''

رضیہ بیگم گہری سانس بھر کر رہ گئیں۔

اب جبکہ احمر انگلینڈ جانے کے لئے تیار تھا، تو دونوں میاں بیوی فکر مندی سے زبیر صاحب سے پوچھ رہے تھے۔

''بھائی جان! آپ نے سویرا کے لئے کیا سوچا ہے؟''

''احمر کو اجازت دینے سے پہلے پوچھا ہوتا کوئی مشورہ کیا ہوتا تو میں اس کا فوری نکاح کر دیتا۔'' اس کے پاؤں میں زنجیر پڑ جاتی پھر پردیس میں بھٹکنے کے امکانات کم رہ جاتے ہیں۔

''بے چارے سادہ لوگ یہ نہیں جانتے جنہیں بھٹکنا ہو وہ ہر زنجیر توڑ دیتے ہیں۔''

''پہلے احمر کو وہاں سیٹل ہو جانے دیں پھر

خیر سے شادی بھی ہو جائے گی۔" زبیر صاحب رسانیت سے بولے تھے۔

☆☆☆

چار سال کا عرصہ بیت گیا پتہ بھی نہ چلا ماموں اس عرصے میں ڈیفنس شفٹ ہو گئے، سویرا انتظار کی سولی میں ٹنگی، احمر کی راہ دیکھ رہی تھی، لمحہ لمحہ صدیوں پر محیط ہو گیا تھا وہ سوچوں کی بھول بھلیوں سے نکل ہی نہیں پائی پھر ایک اور سال چپکے سے سرک گیا۔

سویرا نے ایک سکول میں ملازمت کر لی تھی، اچھا ہوا اس نے اپنے آپ کو مصروف کر لیا ورنہ یادیں اسے پاگل کر دیتیں۔

☆☆☆

آج اسکول میں اس کا چھٹا دن تھا، وہ اردگرد سے بے نیاز ہو کر بچوں کی کاپیاں چیک کر رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی!" وہ ہنوز کاپیاں چیک کرنے میں مگن تھی، مقابل نے گلہ کھنکار کر متوجہ کیا، اس نے سر اٹھا کر اجنبی کو ٹھٹک کر دیکھا۔

"جی! آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"جی! یہ بندہ ناچیز آپ سے مخاطب ہے۔" عاشر نے مسکرا کر کہا۔

"مجھ سے آپ کو کیا کام ہے؟" اس نے ناگواری سے پوچھا۔

"ایکچوئلی! مجھے آپ کی پرنسپل صاحبہ سے ملنا ہے، مجھے عاشر کہتے ہیں۔" اس نے اپنا نام بتانا ضروری سمجھا۔

"اور آپ کو؟" مقابل کی ناگواری وہ دیکھ چکا تھا پھر بھی پوچھ بیٹھا۔

"دیکھیے مسٹر زیادہ فرینک ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کو کیا کہتے ہیں کیا نہیں کہتے مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔" کاپیاں کرسی پہ پٹخ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تن فن کرتی چلی گئی، عاشر ہکا بکا دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

"عاشر تیرے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟" رمیز نے عاشر کے سر پر کشن دے مارا۔

"پلیز یار مجھے ڈسٹرب نہ کر۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"کیا میں تجھے ڈسٹرب کر رہا ہوں۔" رمیز نے دکھ سے پوچھا۔

"اوہو، نہیں یار میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ اپنے جگری دوست کو ناراض نہیں کر سکتا تھا، اس نے رمیز کو بانہوں کے حلقے میں لپٹا کر خود سے قریب کیا۔

"چل دفع ہو۔" رمیز نے عاشر کو پیچھے دھکیل کر کہا اور عاشر کا منہ بن گیا۔

کچھ توقف کے بعد رمیز نے پھر پوچھا کہ وہ کیوں ڈسٹرب ہے، ایک گہری سانس کھینچ کر عاشر نے اپنے مسئلے سے آگاہ کیا۔

"اچھا! واقعی بالآخر تجھے بھی محبت جیسا مرض لاحق ہو ہی گیا۔" رمیز نے مسکرا کر پوچھا، اس کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔

"کیسی ہے؟" رمیز نے چہک کر پوچھا۔

"دوسروں سے منفرد بہت کیوٹ سی۔" عاشر نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نام کیا ہے؟ گھر کا ایڈریس پتا ہے؟" رمیز نے کچھ توقف کے بعد یکے بعد دیگرے کئی سوال کر ڈالے تو عاشر نے سر کو نفی میں جنبش دی تھی، رمیز کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لیا۔

"ابے گھامڑ! تجھ پر تو گانا فٹ آتا ہے۔" رمیز نے طنز سے کہا۔

"کون سا؟" عاشر بے خیالی میں بولا۔

"میرے خیالوں پہ چھائی ہے اک صورت متوالی سی نازک سی شرمیلی سی معصوم سی بھولی بھالی سی رہتی ہے وہ دور کہیں اتا پتہ معلوم نہیں کو کورینہ۔" رمیز صوفے سے اٹھ کر لہک لہک کر گانے لگا۔

"یہ کون سا مشکل ہے، خالہ جانی سے لے لیں گے۔" عاشر نے مسکرا کہا۔

"آخر وہ اس اسکول میں پرنسپل ہیں، ان کو پتا ہوگا کہ کون ٹیچر کہاں رہتی ہیں۔"

"اچھا اب جلدی سے کھانے کا بندوبست کر میرے پیٹ میں ریسلنگ ہو رہی ہے چوہوں کی۔" پیٹ پر ہاتھ رکھ کر رمیز نے دہائی دی۔

☆☆☆

پھر اچانک اسے معلوم ہوا کہ احمر واپس آ گیا ہے، وہ اسکول سے آئی تو امی نے اسے بتایا لیکن یہ کوئی خوشخبری نہیں تھی محض ایک اطلاع تھی، اسے عجیب سی بے چینی نے آ گھیرا۔

شام کو وہ تیار ہو کر کوچہ محبوب کی طرف روانہ ہوئی دل میں ہزار وسوسے سر اٹھا رہے تھے اس سے اچانک ملنے کے خیال سے دل دھڑک رہا تھا۔

دروازہ عبور کر کے اس نے اندر قدم رکھا اور ٹھٹک کر رک گئی، سامنے کا منظر دیکھ کر ششدر رہ گئی، ایک چار سالہ بچہ ماموں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ممانی اس بچے کو قربان ہو جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں، سویرا کے قدموں کے ساتھ ہی دل بھی جیسے دھڑک کر خاموش ہو گیا۔

کانوں میں زبردست چھناکا گونجا جیسے اتنے برسوں سے سینت سینت کر رکھا ہوا اعتماد اور محبت کا تاج محل اس کے ہاتھوں سے گر کر چکنا چور ہو گیا ہوا اسی دوران ممانی کی اس پر نظر پڑی۔

"ارے سویرا! تم کب آئی؟"

"بس ابھی۔" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کیسی ہو؟"

"جی ٹھیک ہوں۔"

"السلام علیکم! ماموجان!" اس نے ماموں کو اپنی طرف متوجہ کر کے کہا۔

"وعلیکم السلام!" ماموں جان نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

اسے اپنا آپ بے معنی سا لگنے لگا، احمر کی آمد پر اس نے چونک کر دیکھا وہ جو وہیل چیئر پر براجمان تھا۔

"کیا حال ہے سویرا؟" احمر نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔" اس نے رسانیت سے جواب دیا، طویل خاموشی کو احمر کی آواز نے توڑا۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔" وہ اہم انکشاف کی منتظر تھی، کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔

"بہت مجبوری کے تحت مجھے وہاں شادی کرنی پڑی، وہ بیچاری بہت دکھی تھی اس کا دنیا میں کوئی نہیں تھا، مجھے وہاں سیٹل ہونے میں کچھ دشواری تھی۔" اس نے مدھم لہجے میں بتایا۔

"ایک سال اسی تذبذب میں گزر گیا کہ پاکستان جاؤں یا ناں، رمشاء بچے کی پیدائش میں فوت ہو گئیں، اب ایک معصوم بچے کی زندگی کا سوال تھا، آخر میں نے سوچا جو بھی ہو جانا تو ہے، پھر قدرت نے مجھے اسے ایک اور بڑے امتحان میں ڈال دیا، اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، پھر کئی ماہ ٹھیک ہونے میں لگ گئے تب میں بچے کو لے کر یہاں آ گیا۔"

یہ تھی اس کی روداد جسے سن کر سویرا کے

ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔
''اسٹوری تو بڑی دلچسپ ہے۔'' اس نے احمر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
''میں نہیں جانتی تھی سارے جہاں کا درد تمہارے دل میں ہوگا، بہرحال اس نیکی کا ثمر تمہارے والدین کو پوتے کی اور تمہیں بیٹے کی شکل میں مل گیا۔'' وہ طنز سے بولی۔
''سودا برا نہیں تھا، مگر مجھے کیا ملا؟ ایک ختم نہ ہونے والا انتظار آنسو، سسکیاں اور پچھتاوا بولو۔'' آنسو کا گولا اس کے حلق میں اٹک کر رہ گیا۔
وہ کئی سالوں کے لمحے لمحے کا حساب مانگ رہی تھی، احمر کے چہرے پر پشیمانی تھی اور دکھ بھی اس نے بڑے نرم اور دھیمے لہجے میں کہا۔
''سویرا! میں نے بھی تمہارے ساتھ کوئی فلرٹ نہیں کیا تھا، تمہیں اپنی زندگی کا حصہ سمجھا۔'' سویرا نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔
''جب تم نے اپنے نام کی حرمت نہ رکھی تو مجھے بھی ایسے نام سے بے نام ہونا بہتر ہے۔'' اس نے انگلی سے انگوٹھی اتار کر اس کی گود میں ڈال دیا اور غصے سے اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتی کمرے سے نکل گئی، احمر ہکا بکا دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

گھر جا کر وہ کمرے میں بند ہوگئی اور تڑپ تڑپ کر روئی، اسے احمر کی بے نیازی اور تغافل شعاری نے مار دیا۔
''میں کبھی معاف نہیں کروں گی، اس نے بے وفائی کا ارتکاب کیا ہے، محبت کا خون کیا ہے، اعتماد کا خون کیا ہے، میں سر اٹھا کر جینا چاہتی ہوں۔'' اس نے بڑی بہادری سے آنسو پونچھے اور دوسرے دن اسکول جانے کی تیاری کرنے لگی، صبح اٹھ کر اس نے کپڑے بدلے پرس اٹھایا اور اسکول چلی گئی۔

☆☆☆

''پلیز آنٹی آپ کچھ کریں۔'' رمیز اس وقت عاشر کی خالہ کے سامنے بیٹھا اس کی خوشیوں کے جتن کر رہا تھا۔
''اگر سویرا کے گھر والے نہ مانے تو۔'' آنٹی نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔
''کیوں؟ کیا کمی ہے عاشر میں غضب کی پرسنیلٹی ہے، ہینڈسم ہے، سمارٹ ہے سب سے بڑھ کر ایک اچھی جاب ہے۔'' رمیز نے اپنے پیارے دوست کی خوبیاں گنوا کے کہا، عاشر کی خالہ اس کی بے لوث دوستی پر مسکرا کر رہ گئی۔
''پھر چلیں۔'' رمیز نے اٹھ کر کہا۔
''چلو! آپا کو بھی ساتھ لینا ہے۔''
پھر امی ابو، ماموں، ممانی کے لاکھ سمجھانے پر بھی اس کی ناں ہاں میں نہ بدلی۔
وہ اتنی بے مول تو نہیں تھی، جن رشتوں میں اعتبار نہ ہو وہ بے معنی سے ہو جاتے ہیں، اس نے محض ایک نگاہ سب کے چہروں کو دیکھا تھا پھر ہونٹ بھینچتے ہوئے نگاہ کا زاویہ بدلا، انداز میں لاتعلقی و بے نیازی اور بیگانگی تھی۔
کچھ دن بعد میڈم اور ان کی بہن کو اپنے گھر موجود پا کر حیران رہ گئی۔
''بہت نیک اور سعادت مند بچی ہے آپ کی۔'' جب امی کے سامنے انہوں نے اس کی تعریف کی تو اسے ہنسی سی آگئی۔
''بس بہن آپ اسے ہماری جھولی میں ڈال دیں۔'' ان کی اگلی بات پر وہ ہونقوں کی طرح منہ دیکھتی رہ گئی۔
وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی، پھر نا جانے وہ کب رخصت ہوئیں اسے کچھ پتا نہیں، امی کو کمرے میں آتا دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تم نے سن تو لیا ہوگا پھر کیا رائے ہے تمہاری۔'' امی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔
''کچھ دن سوچ کر جواب دوں گی۔'' اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔
''کچھ دن کا مطلب بس کچھ دن۔'' امی نے حتمی انداز میں کہا اور اٹھ کر چلی گئیں۔

☆☆☆

امی مارکیٹ گئیں ہوئیں تھیں، وہ اسکول کے بچوں کی کاپیاں چیک کرتے کرتے سوگئی، کہ فون کی مسلسل بیل سے اس کی آنکھ کھل گئی۔
''ہیلو!'' نیند کے خمار سے اس کی آواز کچھ بوجھل سی تھی، دوسری طرف سے ایک لمحے کو خاموشی رہی وہ دوبارہ ہیلو کہنا چاہتی تھی کہ ماؤتھ پیس سے آواز ابھری۔
''آپ سویرا ہیں ناں۔'' دوسری طرف پرشوق لہجے میں پوچھا گیا تو ٹھٹک سی گئی۔
''جی...... جی مگر آپ کون ہیں؟'' وہ کچھ کنفیوژ سی ہوگئی۔
''آپ نے مجھے نہیں پہچانا حیرت ہے۔'' دوسری طرف سے حیرت کا اظہار کیا گیا۔
''جب انسان کسی کی آواز پہلی بار سنے تو نہیں پہچان سکتا، اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟'' اس نے ذرا ٹھہرے لہجے میں کہا۔
''چلیں میں بتا دیتا ہوں میں عاشر بات کر رہا ہوں آپ کی میڈم کا بھانجا، اب سنائیں کیا حال چال ہے۔'' اس کا لہجہ فریش تھا۔
''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔
''میرا حال تو پوچھ لیں؟'' اس نے شرارت سے کہا، دوسری طرف چند لمحے خاموشی چھا گئی۔
''سویرا! مجھے لگتا ہے میرا فون کرنا آپ کو اچھا نہیں لگا۔''
''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی۔
''مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔'' عاشر نے رسانیت سے کہا۔
''جی کہیے میں سن رہی ہوں۔''
''سویرا! آپ مجھے پہلی ہی نظر میں اچھی لگی تھیں، کب مجھے آپ سے محبت ہوئی کہ پتا بھی نہ چلا میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا میں نے بجائے آپ سے کچھ کہنا سیدھا راستہ اختیار کیا اور آپ کے لئے اپنا پرپوزل بھیج دیا، پلیز میرے پرپوزل کو رد مت کیجئے گا، میری زندگی کا سوال ہے، سویرا! آپ سن رہی ہیں نا؟'' اس کا لہجہ اس کے اوسان خطا کرنے لگا۔
''جی...... جی۔'' اس نے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔
''ارے آپ تو......'' وہ ہنسا۔
''کافی نروس لگ رہی ہیں۔''
''تو میں آپ سے مثبت جواب کی توقع رکھوں۔''
''مجھے نہیں پتا۔'' وہ جان چھڑانے کو بولی۔
''کمال ہے کسی کی زندگی داؤ پر لگی ہے اور آپ کو پتا نہیں۔'' وہ دلگرفتگی سے بولا۔
''میری طرف سے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔'' اس نے اقرار کا سرا تھما کر جلدی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔
انہی آفاقی لمحوں میں اس نے جانا کہ کبھی کبھی غموں کے بیچ سے خوشی کے سیماب رنگ یوں راستہ بناتے ہیں کہ زندگی پھولوں کی طرح کھل جاتی ہے، اس نے مسکرا کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

سب جھوٹا

قرۃ العین رائے

''یہ تمہاری رونمائی۔'' اس نے بیڈ کے ایک کونے پر نکتے ہوئے بڑے روکھے سے انداز میں انگوٹھی کی ڈبی اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

سر جھکائے شرمائی سی دلہن اپنے شوہر کے اس انداز پر اندر سے ٹھٹکی۔

''انگوٹھی تو خود پہنائی جاتی ہے یوں پکڑائی تو نہیں جاتی۔'' دل ہی میں وہ اپنے شوہر سے مخاطب ہوئی، جھجک، شرم، ڈر اور وسوسے نے اسے لب کشائی نہ کرنے دی۔

''ہوں، تو تم اس خوش فہمی میں ہو کہ یہ انگوٹھی میں تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے پہناؤں گا؟'' اس نے چند سکنڈ توقف کیا دل میں اپنے جملوں کو ایک بار پھر ترتیب دیتے ہوئے تولا، جانچا اور پھر اسی کیفیت پر آتے ہوئے آر یا پار بات کرنے کا فیصلہ کر ڈالا اسے اپنے بالکل قریب اس سر جھکائے لال گٹھڑی سے الجھن محسوس ہو رہی تھی پاؤں میں ان دیکھی زنجیریں نہ ہوتیں تو شاید وہ اس گھٹن زدہ کمرے میں ایک پل مزید نہ ٹھہرتا جس وجود کے ساتھ اسے کمرے میں سانس لینا دوبھر محسوس ہو رہا تھا اس کے ساتھ تمام عمر کیونکر گزاری جا سکتی ہے کتنے دنوں کے خیال نے ایک بار پھر اس کے دماغ پر ڈنگ مارا تھا اور لاشعوری طور پر ٹائی کی ناٹ بے دردی سے ڈھیلی کرتے ہوئے وہ دونوں پاؤں نیچے لٹکا کر سنگدلانہ لہجے میں بول اٹھا۔

اتنے دنوں کا دل پر جو بوجھ تھا وہ اسے اتار پھینکنا چاہتا تھا یہ احساس کیے بغیر کہ اس کے کہے جملے مقابل بیٹھی ہستی کے دل و دماغ پر تازیانے بن کر لگے گے کتنی شکست و ریخت ہو گی وہ سب سن کر اور کیا کچھ نہ ٹوٹ جائے گا، اس کا ان لمحات کے حسین سپنے آج کی رات کے حوالے سے خوبصورت خیالات، تصورات اور سب سے بڑھ کر اس کی انا پر کاری وار تھے اس کے الفاظ اور انا پر اگر بات آئے تو دنیا میں شاید جتنی لڑائیاں اور فساد برپا ہوتے آئے ہیں ان کے پیچھے کہیں نہ کہیں کسی کی چوٹ کھائی انا ہی کار فرما ہوتی ہے اور وہ یہ سوچے بغیر بس بولتا چلا گیا کہ اس نے کسی کی انا کو مجروح کیا ہے، ایک فساد کو ایک تباہی کو آواز دی ہے۔

☆☆☆

''شاہداب کی دفعہ ایک دن پہلے شہر چلا گیا خیر ہے؟'' اماں چولہے میں لکڑیاں جلائے کڑوے کسیلے دھواں کو حلق اور آنکھوں میں اتارتے مصروف بھرے انداز میں اپنی بہو سے پوچھا تھا۔

''جی پھپھو کام تھا کوئی ضروری۔'' گوندھے آٹے کی پرات اماں کے قریب رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں جواب دیا گیا تھا۔

''تو بھی نہ بڑی بھولی ہے، بلکہ بدھو مہینے میں ایک دو دن کی چھٹی پر آتا ہے اور اس میں بھی اس کا دل شہر جانے کے لئے بے چین رہتا ہے کہتی کیوں نہیں کچھ، یہ شہر تو تیرے لئے سوکن کی طرح ہو گیا شیری سو گیا؟'' اماں نے آٹے کا پیڑھا بناتے ہوئے تبصرہ کیا اور ساتھ ہی اپنے دو سالہ پوتے کے بارے میں بھی پوچھا۔

''جی سو گیا۔'' اماں کی بات کے جواب میں اس کی جانب سے مختصر ترین جواب موصول ہوا اور وہ ایسی ہی تھی خاموش سی اپنے حساسات کو چھپائے بس سر جھکائے اپنی زندگی میں مگن۔

''زلیخا تجھے کب عقل آئے گی آخر تو اسے شہر کی نوکری کرنے سے منع کیوں نہیں کرتی کس چیز کی کمی ہے یہاں، فصلیں اتنا پیسہ دیتی ہیں کہ کچھ نہ بھی کرے تو بیٹھ کر کھائے یہ بیکار کی

مشقت اور دردسری کیوں پال رکھی ہے اس نے سب جانتی ہوں میں خواہ مخواہ کی اکڑ ہونہہ۔" اماں اس کے مختصر جواب پر چڑتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئیں۔

"میں بھلا کیا کرسکتی ہوں پھپھو؟" اس کا وہی ہتھیار پھینکنے جیسا انداز تھا۔

"بس تیرے اسی رویے نے اسے شہ دے رکھی ہے ناں کیا نہیں کرسکتی تو بھلا پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن، اتنا قیمتی جہیز لے کر آئی ہے یہ کیا کم رعب ہے پھر ہم سب تیرے ساتھ ہیں اوپر سے تو نے اسے بیٹا دیا ہے ہر طرح سے تیرا پلڑا بھاری اور تو الٹی اس سے دب کر رہتی ہے ناراض ہوکر، رعب چلا کر نخرے سے پیار سے ہر طرح سے تو اپنی بات منوانے کی حیثیت رکھتی ہے کہتی ہے بھلا کیا کرسکتی ہوں۔" اماں نے توے پر روٹی سینکتے ہوئے اسے کئی بار کہی بات دہرائی بلکہ اکسایا۔

"لے پھپھو یہ تو بڑے مزے کی بات ہوگئی ایک ماں، ایک ساس اپنے اکلوتے بیٹے کے خلاف اپنی نو (بہو) کو ورغلا رہی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے اماں کو چھیڑا اور کٹی ہوئی بھنڈیوں کی ٹوکری چولہے کے قریب رکھ دی، درپردہ اس نے اماں کی بات کو ہمیشہ کی طرح ٹال دیا۔

"میں ذرا شیری کو دیکھ آؤں اس کے اٹھنے کا ٹائم ہو رہا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ جلدی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی اور اماں پیچھے سے اسے تاسف بھری نظروں سے دیکھتیں ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

"کچھ راستے دیکھنے میں بڑے آسان سادہ اور منزل کے قریب تر نظر آتے ہیں انسان سمجھتا ہے کہ اس صاف سیدھے راستے پر چل کر وہ جلد ہی اپنی منزل پالے گا اور وہ راستہ من مانی کا راستہ ہوتا ہے مگر جب انسان اس راہ پر قدم دھرتا ہے اور آگے بڑھنے لگتا ہے تو ہر ان دیکھے موڑ کے بعد خار دار اور گہری کھائیوں کا راستہ اس کا منتظر ہوتا ہے پاؤں لہولہان اور جسم میں تھکن سمو جاتی ہے مگر منزل کا نقش پا تک نہیں ملتا یہ تو بس اندھا دھند چلے جانے اور خود کو پور پور زخمی کرنے کا نام ہے۔"

"پھپھو میرے پاس بھی اس راستے پر چلنے کا اختیار تھا جو کچھ شاہد نے مجھے سہاگ رات کو کہا چاہتی تو میں بھی اپنی زخمی انا سمیت اس پر دباؤ ڈالتی مگر میں نے ساری رات کانٹوں پر جاگتے ہوئے بہت سوچا اور آخر کار دوسرے راستے کا انتخاب کرلیا یہ سمجھوتے کا راستہ تھا مجھے تمام عمر شاہد کی طرح سمجھوتے کی زندگی گزارنا قبول ہے تاکہ ہر ایک کے سامنے اپنی زندگی کو تماشہ بنائے گزار دوں دل تو اس راہ پر بھی دکھی اور بوجھل ہے مگر پھر بھی زندگی میں ایک سکون بھی شامل ہے اور میرے اسی رویے کی وجہ سے شاہد ہر ہفتے چھٹی گزارنے ہمارے پاس چلا آتا ہے ورنہ یہ بھی تو اس کی مرضی تھی نہ آتا اور میں ہر پل انتظار کی آگ میں جلتی رہتی۔" زلیخا نے شیری کے پاس بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے دل میں اپنی ساس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور بند آنکھوں کے پیچھے اس کی شادی کی پہلی رات کا منظر ایک بار پھر انگڑائی لے کر بیدار ہوا وہ منظر جب شاہد نے بیڈ کے ایک کونے پر پاؤں لٹکائے ہر بات دو ٹوک انداز میں کر ڈالی تھی پہلی رات کی دلہن کے جذبات کا خیال کیے بغیر۔

☆☆☆

"میں تمہیں کسی بھی خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا بہتر ہے کہ تم میری باتوں کو غور سے اور ٹھنڈے دل سے سنو اور پھر فیصلہ کرو ایک فیصلہ تو وہ تھا جو تمہارے بھائیوں نے اور میرے گھر والوں نے زبردستی مجھ پر ٹھونسا میں کبھی تم سے شادی پر راضی نہ ہوتا اگر وہ لوگ مجھے دھمکاتے ناں اور اماں ابا بھی مجبور نہ کرتے اس کی وجہ یہ نہیں کہ تم ایک عام صورت مجھ سے تین سال بڑی عورت ہو اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میں یونیورسٹی میں ایک اپنی کلاس فیلو کو پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کا وعدہ کرچکا ہوں، دیکھو زلیخا مجھے تمہارے پانچ بھائیوں کا رعب، تمہارا بیش بہا قیمتی جہیز قطعی کوئی دلچسپی نہیں اور ناں ہی میں ایسی باتوں سے رعب میں آؤں گا تم میری زندگی کا سمجھوتہ ہو سب سے بڑا سمجھوتہ اب یہ تم پر ہے کہ تم اس سمجھوتے کو میری زندگی کا محض سمجھوتہ رہنے دیتی ہو یا اسے میرے لئے عذاب بناتی ہو اور اگر تم ایسا کروں گی تو ایک نہ ایک دن میں اس عذاب سے چھٹکارا حاصل کر ہی لوں گا۔" وہ جملوں کی نوکدار دھار سے اس کے سن ہوئے وجود کو زخمی کرتے کرتے چند لمحے سانس لینے کے سپاٹ چہرے پر تاثرات جانچنے کے لیے رکا اور پھر گویا ہوا۔

"زلیخا میں اس سمجھوتے کو اچھے طریقے سے نبھانے کا فیصلہ کرچکا ہوں بشرطیکہ تم میرا ساتھ دو تو میں نے تمہیں اپنے نکاح کیا ہے تم میری بیوی مجھے اس سے کوئی انکار نہیں مگر مجھ سے محبت کی تمنا مت رکھنا وہ میں بہت پہلے کسی کے نام کر چکا ہوں آئندہ زندگی میں، میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کسی اچھی جگہ پر نوکری کرلوں گا شہر میں ہی اور ماہین سے شادی بھی کروں گا (اس جملے پر اسے لگا جیسے دل دھڑکنے سے انکاری ہو گیا ہے) ماہین ایک غریب گھرانے کی یتیم مسکین لڑکی ہے اس کے چچا نے اسے پالا ہے اور چچی نے بے حد ظلم ڈھائے ہیں میں اسے اس کی موجودہ عذاب بھری زندگی سے نجات دلانے کا وعدہ کرچکا ہوں جسے مجھے ہر حال میں پورا کرنا ہے ماہین بے حد سلجھی سمجھدار لڑکی ہے وہ میری شادی سے باخبر ہے اور شادی کے پیچھے موجود مجبوریوں سے بھی اسے مجھ پر اعتبار ہے دوسری شادی تمہارے حق میں ڈاکہ نہیں ہوگی اور اگر تم غاصب بن کر اس میں رکاوٹ بنی تو شاید تم کسی بھی حق کو استعمال کرنے کے لائق نہ رہو۔"

"آپ نے اس سے ہی شادی کیوں نہ کرلی؟ مجھ سے...... مجھ سے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" دلہن بنی زلیخا نے آنسوؤں کا گولہ حلق میں اتارتے ہوئے بمشکل پہلی بار لب کشائی کی بے اختیار لبوں پر شکوہ مچل گیا تھا اور اب وہ نچلا ہونٹ بے دردی سے دانتوں میں دبائے بیٹھی تھی۔

"ہونہہ! تم اس حقیقت سے باخوبی آگاہ ہو میری دو بڑی بہنیں تمہارے بڑے بھائیوں کی بیویاں ہیں اور مجھے اس شادی پر مجبور کرنے کے لئے انہوں نے انہیں استعمال کیا کہ اگر میں نے ہاں نہ کی تو وہ انہیں طلاق دے کر بھجوا دیں گے اور بچے بھی اپنے پاس رکھ لیں گے ان کے آنسو میرے پاؤں کی زنجیر بنا دیئے گئے پھر ماہین میرے گھر والوں کو بہو کی صورت میں ہرگز قبول نہیں کرنا تھا وہ کم حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اس لئے میرے گھر والوں نے بھی بھرپور طریقے سے تمہارے گھر والوں کا ہی ساتھ دیا اور مجھے اس شادی پر مجبور کر ڈالا اور مجھے اپنی زندگی سے سمجھوتہ کرتے ہی بنی اب اگلا سمجھوتہ تمہیں کرنا ہے یا تو تمام عمر میری قربت سے محروم ایک سچ مچ کرلی بیوی کا روپ یا پھر میری دوسری خفیہ شادی کی واحد رازدار تم سے میں محبت تو نہیں کرتا لیکن کوشش کرکے اچھا شوہر ہونے کی آس دلا سکتا

ہوں۔" اتنا کہہ کر شاہد ایک جھٹکے سے اٹھا اور الماری میں سے کپڑے نکال کر کمرے سے ملحق باتھ روم میں چینج کرنے چلا گیا اس کے روپ کو سراہے اور اپنائے بغیر۔

وہ تمام رات زلیخا کی آنکھوں میں کٹی پہلو میں سوئے شاہد کو اس نے کتنی بار دیکھا اور ہر بار وہ اسے اپنے اختیار سے بے حد دور، دور نظر آیا یہ رات اس راستے کے انتخاب کی رات تھی جس پر وہ چل کر منزل نہ بھی پاتی مگر بیکار کی آبلہ پائی نصیب نہ ہوتی روتے ہوئے جذباتی طور پر اس نے ایک پل کو سوچا کہ صبح وہ سب کو شاہد کی باتوں کے بارے میں آگاہ کر دے گی اس کے پانچوں بھائی شاہد کو اس کے ہر ارادے سے باز رکھنے پر قادر تھے خاص طور پر دو بڑے بھائی جنہوں نے آگے شاہد کی بہنوں کو طلاق دینے کی دھمکی دی تھی وہ اب بھی ایسا کر کے شاہد کو باندھ سکتے تھے بھابھی کا منہ سیدھا نہ ہوتا اماں ابا اب اس دنیا میں تھے نہیں اور بھائیوں نے ایک بار بوجھ سمجھ کر اتار ڈالا دوسری بار اس بوجھ کو کتنی دیر سہے گے میکے میں چند دنوں اور ہی ذلت بھری زندگی اس کی منتظر تھی اور شاہد کے گھر والے اگر تمام حقیقت جان کر اس پر زور ڈالتے تو آخر کب تک اکلوتے بیٹے کو ناراض کرنے کا حوصلہ تو وہ بھی نہیں رکھتے تھے تو پھر کیا ہوا اگر وہ بھی شاہد کی طرح اپنی زندگی سے سمجھوتہ کرے شاہد کی یہ کیا کم خوبی تھی کہ اس نے اسے پہلی رات ہی کسی دھوکے میں نہیں رکھا تھا اور جو شخص کسی کو دھوکا نہ دے وہ بے وفا اور بد عہد بھی نہیں ہو سکتا تھا اور کیا کسی مرد کی دو دو شادیاں نہیں ہوتی یہ کونسی اچنبھے کی بات تھی اگر مذہب نے مرد کو بیک وقت دو یا چار شادیوں تک کی اجازت دے رکھی ہے تو یقیناً اس کے پیچھے بہتری اور معاشرے کی اصلاح ہی پوشیدہ ہے

☆☆☆

چار سال کا عرصہ بیت چکا تھا زلیخا اور شاہد کی شادی کو دو سالہ بیٹا بھی تھا ان کا شاہد نے جو کہا اسے من و عن نبھایا تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسے شہر میں اچھی تنخواہ پر نوکری مل گئی وہیں اس نے ماہین سے شادی بھی کر لی کورٹ میرج تھی۔

پورا ہفتہ وہ بظاہر سب کے لئے دور شہر میں نوکری کی خاطر رہتا تھا لیکن اس کے پیچھے اصل بات سے زلیخا ہی واقف تھی مگر وہ اتوار یا ہفتے کی شام کو آنا ہرگز نہ بھولتا تھا یہ اب اس کے بیٹے کی کشش کھینچ لاتی تھی یا پھر زلیخا سے شروع دن کا کیا وعدہ بھی خدا جانے شروع شروع میں شاہد کا رویہ زلیخا سے بے حد اکھڑا اور سرد رہا مگر پھر زلیخا کے صبر اور خاموشی نے اس کے رویے میں واضح تبدیلی پیدا کر ڈالی وہ اب کسی حد تک اس کا بھی خیال رکھنے لگا تھا باقی رہا ماہین سے شادی کو چھپانے کی بات تو یہ راز کبھی نہ کبھی تو کھل ہی جانا تھا بس چند دنوں تک ہی وہ اس بات کو پوشیدہ رکھنا چاہ رہا تھا شاہد خود کو ذہنی طور پر ہر ایک کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہونا چاہتا تھا یہ طوفان بھی آ کر گزر ہی جانا تھا کیونکہ اس طوفان کا سامنا کرنے کے لئے زلیخا نے اس کے ساتھ وعدہ اور اپنی زندگی سے سمجھوتہ کیا تھا جب بیوی کو شوہر کی دوسری شادی پر اعتراض نہ تھا تو باقی لوگ کب تک اعتراض کرتے اور طوفان کھڑا کرتے واقعی زلیخا نے درست راستے کا انتخاب کیا تھا جس میں شاید اسے منزل کبھی نہ مل پاتی، مگر راستہ ضرور آسان اور پرسکون تھا اور وہ اپنی زندگی راستے کو کاٹتے ہوئے گزارنے کا فیصلہ کر چکی تھی یہ ایک بہترین سمجھوتہ تھا جو زلیخا نے اپنی زندگی کے ساتھ کیا تھا۔

☆☆☆
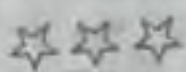
"السلام علیکم! آنٹی حیا کہاں ہے؟" اسوہ نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی مسز عدیلہ سجاد سے پوچھا۔

"وعلیکم السلام! حیا اپنے روم میں ہے۔" انہوں نے خیر مقدمی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"اوکے آنٹی پھر میں اس سے مل لوں۔" وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولی۔

"اوہو میم ابھی تک سو رہی ہو کالج سے واپسی پر ادھر ہی آئی ہوں کالج کیوں نہیں آئی تم ضیاء بھی تمہارا پوچھ رہا تھا، میں نے اسے کہا کہ میں تو خود نہیں جانتی کال کر کے پوچھ لو پر تمہارا موبائل نمبر آف ملا اسی لئے واپسی پر ادھر آگئی۔"

"خیریت؟" اسوہ نے اس پر کمبل کھینچتے اور اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں یار میں ٹھیک ہوں رات کو مما کی فرینڈ کی پارٹی تھی تو مما کے ساتھ میں نے بھی شرکت کی تھی، واپسی میں دیر ہوگئی، صبح وقت پر آنکھ نہ کھل سکی اس لئے کالج بھی نہ آسکی۔" حیاء نے منہ پر تکیہ رکھتے کہا۔

"حیاء کیا بات ہے پریشان لگ رہی ہو؟" اس نے اس کے منہ سے تکیہ ہٹاتے کہا۔

"ارے اسوہ میں کہاں پریشان ہوں بالکل خیریت سے ہوں چلو کچن میں چلتے ہیں کچھ کھا پی لیں۔" اس نے بالوں کو کیچر میں جکڑتے ہوئے منہ دھونے کے لئے واش روم کا رخ کرتے کہا۔

"ٹھیک ہے ورنہ شکل سے تو لگ رہا ہے کہ پریشان ہو بہرحال نہ بتاؤ۔" اسوہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

"سجاد ولا" جس میں رونق ضرورت کی ہر چیز ہے سجاد صاحب کا اپنا بزنس ہے، مسز عدیلہ سجاد پارٹیز اٹینڈ کرنے کی شوقین اسی لئے وہ آئے روز پارٹیز میں شرکت کرنے کے لئے کہیں نہ کہیں جانے کے لئے تیار ہوتی ہیں سجاد صاحب اور عدیلہ کے دو بچے تھے، اذان رضا اور حیاء سجاد، اذان رضا تین سال سے تعلیم کی وجہ سے انگلینڈ میں مقیم ہے، حیاء اذان سے سات سال چھوٹی تھی اور کالج میں بی کام پارٹ ون کی اسٹوڈنٹ ہے سجاد صاحب بزنس میں مصروف اور عدیلہ بیگم کی اپنی مصروفیت ایسے میں حیاء ان کے پیار سے محروم ہو کر ان سے دور ہوتی گئی پیار کی کمی نے اور والدین کی توجہ کی کمی نے اسے حساس جذباتی بنا دیا اس کے والدین کا خیال تھا کہ اس کے پاس گاڑی موبائل پہننے کھانے کو اچھا ہے اور یہی محبت ہے مگر انہیں نہیں پتہ تھا کہ ایسے میں حیاء ان سے کتنی دور ہو گئی ہے۔

☆☆☆

"حیاء کل مسز تیمور صدیقی کے ہاں پارٹی ہے ان کا بیٹا امریکہ سے آرہا ہے، ہمیں جانا ہے تیار رہنا۔" مسز عدیلہ نے ناشتہ کرتے اسے مخاطب کرتے کہا۔

"مگر موم میں ادھر جا کر کیا کروں گی مجھے نہیں جانا آپ چلی جایئے گا۔" اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر بودی سی دلیل دی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کے انکار کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

"میں نے جو کہا ہے صرف وہی کرنا ہے اور تمہیں ہر حال میں جانا ہے کیونکہ مسز صدیقی نے خاص طور پر تمہیں انوائیٹ کیا ہے اپنے بیٹے سے ملوانا چاہتی ہے۔" انہوں نے اپنی ہی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیوں اپنے بیٹے سے ملوانا چاہتی ہیں ماما آپ جانتی ہیں کہ میں پارٹی میں جا کر کتنی بوریت فیل کرتی ہوں میری فرینڈز بھی نہیں ہوتی ادھر۔" اس نے بوریت سے کہا۔

"تو بنالو فرینڈز کسی نے منع کیا ہے خود ہی بیزار سی رہتی ہو تمہاری ایج کی لڑکیاں لڑکے ہوتے ہیں ادھر ایک دوسرے سے باتوں میں مگن اب اگر تم خود ہی نہ کسی کو لفٹ کرواؤ تو اس میں قصور کس کا ہے اور پچھلی پارٹی میں تم نے جو کیا ویسا تاثرات نہیں ہونا چاہیے۔" مسز عدیلہ سجاد نے اسے مسز سلمٰی کی پارٹی کا واقعہ یاد دلاتے کہا جب ان کا بھانجا اس سے خواہ مخواہ فری ہو رہا تھا تو اس نے سختی سے جھڑک دیا، تو مما نے سب کے سامنے ہی اس کی بے عزتی کردی۔

"مگر ماما آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں وہ ایسے ہی فضول باتیں کر رہا تھا آپ پھر بھی مجھے ہی ڈانٹ رہی ہیں حالانکہ میرا قصور بھی نہیں۔" اس نے دکھ سے کہا۔

"حیاء یہ سب کچھ جس سے تم بھاگ رہی ہو ہماری سوسائٹی کا حصہ ہے اور اس نے کوئی فضول بات تھوڑی کی تھی تمہاری تعریف کر رہا تھا اور مجھے تو اچھا لگا وہ لندن میں اس کا اپنا بزنس ہے اکلوتا ہے اگر مان جاؤ تو راج کروائے گا راج اور تم کیا دیکھتی نہیں کہ ہر پارٹی میں سب سے زیادہ ہر عورت و مرد کی نظریں تیری طرف اٹھی ہوتی ہیں تمہیں تو فخر کرنا چاہیے کہ ہر نظر کا مرکز ہوتی ہو نظر میں تمہارے لئے ستائش ہوتی ہے۔" انہوں نے اسے مستقبل کے خواب دکھاتے کہا۔

مسز عدیلہ سجاد معمولی سی شکل و صورت کی مالک تھیں جبکہ حیاء نے اپنے باپ کے نقش چرائے تھے سجاد علی بے پناہ حسن کے مالک تھے اور حیاء کو یہ حسن باپ کی طرف سے ملا تھا۔

"مما نہیں چاہیے ایسی لائف مجھے جہاں محبتوں میں دکھاوا ہو مجھے ایسے لوگ بالکل اچھے نہیں لگتے جو دولت کے نشے میں چور ہوتے ہیں بھول جاتے ہیں اس نشے میں رشتوں کے تقدس کو ماں بہن بیٹی کا خیال نہیں رہتا، آپ پلیز مجھ سے اس ٹاپک پر بات مت کریں۔" وہ تلخی سے بولی۔

"یوشٹ اپ حیاء بس جو کہا ہے وہی کرو اور جتنا کہا ہے اتنا کرو مجھے رشتوں سے محبت کا درس مت دو۔" انہوں نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا اور چلی گئیں۔

"کاش ماما آپ جان جائیں کہ یہ لوگوں کی نظریں جو میری طرف اٹھی ہوتی ہیں کتنی بری لگتی ہیں کیسے کاٹتی ہیں میرے وجود کو یہ حسن ہی تو میرے لئے دکھ کا سبب بن گیا ہے کاش ماما آپ میرے دکھ کو جان پائیں کہ کتنی الجھن ہوتی ہے ان نظروں سے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور ناشتہ ادھورا چھوڑ کر ہی کالج جانے کے لئے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"حیاء کیا حال ہے؟" اسوہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں آپ سناؤ کیسی ہو۔" پہلا پیریڈ ہی فری ہونے کی وجہ سے وہ کالج میں موجود کینٹین میں بیٹھی تھی کہ اسوہ چلی آئی پورے کالج میں اس کی دوستی اسوہ سے ہی تھی اسوہ بھی ہائی کلاس کی تھی مگر اس کے پاس اپنے والدین بہن بھائیوں کی محبت بھی تھی وہ دو بہنیں اور تین بھائی تھے اور جب وہ اپنے بہن بھائیوں کے متعلق بات کرتی تو، تو ایسے میں اسے اپنے بھائی کی کمی شدت سے محسوس ہوتی۔

ایک ہی بھائی تھا اور اس سے کافی بڑا ایج ڈیفرنس کی وجہ سے وہ کبھی اپنے بھائی سے بے تکلف نہ ہو پائی وہ لندن میں سیٹل تھا، اب اگر کبھی ماہ دو ماہ بعد کال کرتا تو سرسری سی ہی بات ہوتی دونوں کے درمیان اس کا بہت دل چاہتا مگر

کوئی بھی بات کر نہ پاتی، اسے ایسا لگتا کہ مما پاپا کو یا پھر بھائی اس کی ضرورت ہی نہیں بس ہر کوئی اپنی لائف میں بزی ہے وہ سوچ میں ڈوبی تھی کہ اسوہ کی آواز سنائی دی۔

''کیا بات ہے حیاء پریشان نظر آ رہی ہو۔''

''ہاں اسوہ میں بہت پریشان ہوں مما سے صبح صبح تلخ کلامی ہو گئی ہے مما کہتی ہیں کہ کل رات پارٹی میں ان کے ساتھ جاؤں، ان کی کسی دوست کا بیٹا امریکہ سے ڈگری لے کر آ رہا ہے، لیٹ نائٹ پارٹی ہے پتہ ہے اسوہ مجھے سخت الجھن ہوتی ہے پارٹی میں جا کر عجیب سا ماحول ہوتا ہے اور ینگ جنریشن میوزک کی تیز آواز میں ایک دوسرے سے فضول باتیں کر رہے ہوتے ہیں لڑکیاں لڑکوں کے یوں قریب ہوتی ہیں کہ دیکھتے ہوئے کوفت ہونے لگتی ہے میرا سر پھٹنے لگتا ہے پاگل ہونے لگتی ہوں مگر ماما کو میرا احساس ہی نہیں پارٹی میں جب مرد عورت سے ہاتھ ملاتا ہے تو سخت نفرت ہوتی ہے مجھے بلکہ اس نام نہاد امیرانہ سوسائٹی میں اگر ہاتھ نہ ملایا جائے تو دوسرا اسے اپنی توہین سمجھتا ہے کیا ہمارے مذہب نے ہمیں ان سب باتوں کا حکم دیا مگر نہیں ہم تو مغربی تہذیب میں پرورش پا رہے ہیں، مذہب کی حدود و قیود کو کیا جانیں پتہ ہے مما چاہتی ہیں کہ میں بھی پارٹی میں کسی لڑکے کے ساتھ کھڑی ہو کر باتیں کروں اور فضول حرکتوں سے اسے اپنی طرف مائل کروں تاکہ یہ بورژوا کلاس کے لڑکے ہمیں پسند کریں اور پرپوز کریں حالانکہ یہ محبت نہیں ہوتی اس محبت کا جب خمار اترتا ہے تم نہیں جانتی پھر کیا حالات ہوتے ہیں۔'' اس نے اس کی طرف تصدیق آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم سچ کہہ رہی ہو ہم نے اپنے معاشرے کو خود ان رنگینوں میں کھو کر خراب کر لیا ہے اور یہ دولت کے کمالات ہیں اور مغربی تہذیب کو ہم اپنا رہے ہیں ان کے رسم و رواج میں پرورش پا رہے ہیں یہ جانے بغیر کہ یہ رستہ تباہی کی طرف جاتا ہے ہاں اگر رشتوں محبتوں میں دولت آ جائے تو رشتے اور محبتیں اپنی اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں پھر ہر رشتہ اور محبت بے معنی ہو جاتے ہیں تم پریشان مت ہو حیاء تم بہت اچھی ہو دیکھنا ایک دن تم وہ سب پا لو گی جو تم چاہتی ہو۔'' اسوہ نے اس کے ہاتھوں کو پیار سے دباتے کہا۔

''نہیں اسوہ میرے پاس کچھ نہیں مما پاپا اپنے اپنے دائرہ کار میں مصروف بھائی تین سال سے انگلینڈ میں کیا دولت اتنی ظالم ہوتی ہے کہ رشتوں میں نفاق ڈال دیتی ہے ان کی اہمیت کو بھلا دیتی ہے بس مما یہ ہی چاہتی ہیں کہ پارٹی میں کوئی لڑکا مجھے پسند کرے اور شادی کر لے نہیں اسوہ ایسا نہیں ہو گا میں جسے اپناؤں گی وہ بہت با کردار ہو گا اور صرف میرا ہو گا میری دنیا اس تک محدود ہو گی میں صرف اسے چاہوں گی اور اس کی چاہت صرف مجھ تک محدود ہو گی میں دوں گی رشتوں کو اصل نام ان کی ریلیٹی۔'' اس نے اک جذبے سے آنکھیں بند کرتے کہا۔

''میری دعا ہے کہ بہت جلد کوئی ایسا شہزادہ آئے اور میری پریوں جیسی دوست کو محبت کا تاج پہنائے۔'' اسوہ نے صدق دل سے دعا دیتے کہا۔

اس نے مسز صدیقی کی پارٹی میں نہ جانے کے لئے شدت سے دعا کی تھی اور یوں قبل ہو گی کہ سوچا بھی نہ تھا پارٹی میں جانے سے پہلے اسے بخار اور فلو نے گھیر لیا اور یوں وہ پارٹی میں شرکت کرنے سے بچ گئی۔

☆☆☆

''مام آپ کو کہا بھی تھا کہ کوئی پارٹی وغیرہ مت کریں پر آپ بھی نا یہی کچھ میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں عجیب تماشہ ہے پلیز میں کوئی پارٹی اٹینڈ نہیں کروں گا آپ کینسل کر دیں، اگر پارٹی کرنی ہے تو پھر دو چار لوگوں کو انوائیٹ کرتی اب لیٹ نائٹ پارٹی اور اتنے لوگ۔'' وہ چہرے پر بیزاریت سجائے بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

''سحاب ہوش میں ہو اب جب میں سب کو اطلاع دے چکی ہوں تو ایسے میں انکار کیوں کروں اور ویسے بھی پارٹی میں آپ کی شرکت ضروری ہے کچھ لڑکیوں سے ملواؤں گی پسند کر لینا پھر بتا دینا آخر کو تمہاری شادی بھی تو کرنی ہے۔'' مسز صدیقی نے اسے پارٹی کا اصل مقصد بتاتے ہوئے کہا۔

''مما آپ کی پارٹی میں آنے والی لڑکیوں کو جانتا ہوں نرا سر درد پلیز مجھے تو اس مقصد سے دور ہی رکھیں۔'' اس نے اپنی مما کے جواب میں کہا۔

''خیر دیکھ تو لو اگر کوئی اچھی نہ لگے تو پھر اپنی مرضی کر لینا۔''

''اوکے مام اب میں جاسم کی طرف جا رہا ہوں شام سے پہلے آ جاؤں گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

شام کو پارٹی میں عجیب سے بے ڈھنگے ٹراؤزر شرٹس میں ملبوس لڑکیوں کو دیکھ کر اسے کوفت ہونے لگی۔

''سحاب ان سے ملو یہ مسز سجاد ہیں۔'' مسز صدیقی نے ملواتے کہا۔

''جی السلام علیکم!'' اس نے ان کی طرف دیکھتے کہا۔

''وعلیکم السلام!'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''مسز سجاد! حیاء نہیں آئی کہا بھی تھا کہ لے آنا سحاب سے ملوانی۔'' مسز صدیقی نے کہا۔

''نہیں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے وہ نہیں آ پائی۔'' اس سے پہلے مسز سجاد، سحاب سے کوئی سوال وغیرہ کرتی اس کی کال آ گئی اور وہ معذرت کرتا ہٹ گیا۔

''مسز سجاد آپ نے سحاب سے مل لیا بہتر تھا کہ حیاء بھی سحاب سے مل لیتی کیونکہ میں اپنے سحاب کے لئے حیاء کو پسند کر چکی ہوں۔'' انہوں نے مسز سجاد سے کہا۔

مسز سجاد تو سحاب کو دیکھتے ہی رضا مند ہو گئی تھی بھلا انکار کا جواز کیا ہونا تھا۔

''میرے لئے یہ خوشی کی بات ہو گی بہر حال آپ جب چاہیں ہمارے گھر تشریف لے آئیں آپ کا اپنا گھر ہے اور حیا آپ کی بیٹی ہے۔'' انہوں نے خوشی سے کہا۔

سحاب سے ہر لڑکی فری ہونے کی کوشش میں تھی کیونکہ وہ ہر لحاظ سے بھرپور تھا مکمل مردانہ وجاہت کا مالک خوبصورت پرسنیلٹی کا مالک اوپر سے اکلوتا اور وسیع و عریض جائیداد کا مالک ایسے میں ہر ماں کی خواہش تھی کہ سحاب چوہدری ان کی بیٹی کا نصیب بنے۔

☆☆☆

''حیاء طبیعت کیسی ہے آپ کی؟'' وہ لان میں تنہا بیٹھی تھی کہ اس کی مما چلی آئی۔

''آئی ایم فائن ماما۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''آج رات ڈنر پر مسز تیمور صدیقی آ رہی ہیں آپ سے ملنے شاید ان کا بیٹا بھی ساتھ آئے وہ تمہیں پسند کر چکی ہیں بس سحاب سے آپ مل لینا باقی معاملات بعد میں طے ہوں گے اور میں اس معاملے میں انکار پسند نہیں کروں گی یقیناً

انکار نہیں ہو گا کیونکہ آپ بھی سحاب سے مل کر خوش ہوں گی۔'' انہوں نے اس کے پاس بیٹھتے کہا۔

''مما آپ جسے چاہیں بلائیں میں کون ہوتی ہوں روکنے والی مگر میری ذات کا فیصلہ کوئی اور کرے میں گوارہ نہیں کرونگی، میں کسی سحاب سے نہیں ملوں گی مما میری اپنی بھی کوئی چوائس ہے بٹ آپ اس حوالے سے انہیں کچھ مت کہیے گا اور میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے اپنی مما کی بات کو اگنور کرتے کہا۔

''حیاء تم بدتمیز ہوتی جا رہی ہو آخر چاہتی کیا ہو۔'' مسز سجاد نے اونچے لہجے میں کہا، گیٹ کھلا اور سجاد صاحب کی گاڑی داخل ہوئی مطلوبہ جگہ گاڑی پارک کر کے وہ انہی کی طرف آ گئے۔

''کس چیز کی کمی ہے تیری زندگی میں سب کچھ ہے تیرے پاس چاہتی کیا ہو آخر کیا کچھ نہیں ہے تیرے پاس بولو حیاء سب کچھ تیرے پاس ہے کس چیز کی کمی کا رونا روتی ہو، مڈل کلاس جیسی جو سوچ ہے نا اسے دماغ سے جھٹک دو سمجھی تم۔'' انہوں نے اس کے آنسوؤں کی پرواہ کیے بغیر کہا۔

''کیا ہوا ہے؟'' سجاد صاحب جو حیرانگی سے ساری باتیں سن رہے تھے بولے۔

''پوچھیں اس لاڈلی سے کہ کس چیز کی کمی ہے اسے۔''

''مما آپ کمی کی بات کرتی ہیں میری زندگی میں کمیاں ہیں بے شمار کاش کہ میں کسی مڈل کلاس گھر میں پیدا ہوتی وہاں محبت تو ملتی بھائی سے دور نہ ہونا پڑتا کوئی فکر نہ ہوتی مجھے ماں باپ کا پیار پانے کے لئے سسکنا نہ پڑتا آپ نے بس مجھے اچھا کالج کھانا پینا دیدیا اور کہا کہ یہی محبت ہے یہی فرض ہے کیا کبھی سوچا کہ ان کے علاوہ بھی مجھے آپ کی محبت کی ضرورت ہے مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے سننا ہے مما میں اس گھر میں تنہا ہوتی ہوں کہ کوئی بہن بھائی نہیں پیار کس سے بانٹوں آپ سے خود سے دور کر دیا، ہمیں بھیا تین سال سے انگلینڈ میں آپ کی محبت کے بنا آپ صرف دولت کے ترازو میں رشتوں کو تول رہے ہیں مما میں راتوں کو چھپ چھپ کر روتی ہوں کبھی آ کر دیکھا نہیں کبھی مجھ سے میری ایکٹیویٹیز کے بارے میں نہیں پوچھا ماما پاپا مجھے پھر سے ان لوگوں کا حصہ نہیں بننا میں تنہا جینا چاہتی ہوں خوف آتا ہے مجھے ان دولت سے بنائے گئے رشتوں سے جب چاہیں ٹوٹ جائیں مما پاپا محبت سے جڑے رشتے کبھی ٹوٹے ہیں اور دولت نے تو ان رشتوں کو اپنی ہوس کی نظر کر دیا ہے اگر آپ پر بھاری ہوں نا تو آپ مجھے خود ہی اپنے ہاتھوں سے مار دیں مگر اس بے رحم معاشرے کے حوالے مت کریں اس معاشرے کے حوالے مت کریں جسے ہم خود ہی اپنے ہاتھوں سے پراگندہ کر دیا ہے مما کیا کبھی سوچا کہ پاکستان کی شناخت ہمارے لئے کیا اہمیت رکھتی ہے یہی کہا کہ انگلینڈ، لندن، امریکہ کی ڈگری باعث فخر ہے یہی ڈگری شناخت پہچان بنی مما پاپا ہم لوگوں نے یہ کلاسز فرق خود بنائے ہیں مڈل کلاس ہائی کلاس حالانکہ سب انسان برابر ہیں امیر تو وہ ہیں جو بلند اخلاق و کردار کے مالک ہیں جو بہترین اوصاف کے مالک ہیں ہم انسان ہو کر انسانوں کو دھکے دیتے ہیں صرف دولت و رتبہ میں بلند ہونے کی وجہ سے مما کیا ہم بھول جاتے ہیں کہ ہم انسان دولت کو جتنا بھی اہم بنا لیں اور دولت کی وجہ سے دوسروں کو خود سے کمتر سمجھیں جانا تو ایک مٹی میں ہی ہے مما آپ یہی کہتی ہیں نا کہ مسز تیمور صدیقی کا بیٹا مجھے امریکہ و لندن لے جائے گا میں ادھر عیش سے رہوں گی مگر جانتی ہیں کہ مرنے پر لندن کی سر زمین اس وجود کو قبول نہیں کرے گی بلکہ واپس اس سرزمین پر لے آئیں گے دو گز زمین کے لئے کیا یہ سرزمین اسے ہم نے صرف گناہوں سے لتھڑا وجود ہی دینا ہے کیا اور کوئی حق نہیں اس کا ہم پر دیکھ لیں مما یہ مٹی کتنی عظیم ہے کہ پھر بھی ہمارے وجود کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے تب ہم دولت کے ڈھیر ہم اپنے ساتھ دفن کرنے سے رہے بلکہ یہ زندہ رہنے والے لوگ جلدی سے ہمیں کندھوں سے اتارنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر وہی مستیاں شروع ہو جاتی ہیں احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم کیا کھو چکے ہیں کیا پا چکے ہیں احساس سے عاری لوگ بس یہاں دلوں میں نفرتیں سجائے منافقت چھپائے مسکراتے ملتے ہیں اور ہمیں لگتا ہے کہ ہم سے محبت ہے ہر اک ہی ایسے ماحول کو ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے مما پاپا آج بتائیں ہمیں کہ ہم کیا ہیں اور آپ نے محبت کہاں دی مجھے میں ماں باپ کے پیار کے لمس سے نا آشنا ہوں بیمار ہوئی ڈاکٹر آیا میڈیسن دے کر چلا گیا اور آپ نے کبھی پلٹ کر نہیں پوچھا کہ میڈیسن میں نے کھائی ہیں کہ نہیں اور جب سکول وغیرہ میں کوئی تقریب ہوتی سب بچے والدین کے ساتھ جاتے اور ماما میں تنہا ہوتی۔''

آج جیسے اس ... بھڑاس نکال دی اور روتے ہوئے کمرے میں چلی گئی، مسٹر و مسز سجاد حیران ... تھے انہیں کیا پتہ کہ کتنا سچ بول گئی ہے اور وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔

''عدیلہ تم حیا کی مرضی کے بغیر کچھ بھی مت کرنا ہاں ہم نے بہت کچھ کھو دیا ہے اب مزید نہیں کھوئیں گے شاید ہمارے پاس کچھ بچ جائے ابھی میں کل ہی اذان کو واپس بلا رہا ہوں ہاں ہم نے اس ملک کو کچھ نہیں دیا بلکہ ادھر سے لوٹ کر باہر کے ملک میں بھیج رہے ادھر کی یونیورسٹیاں اہم نہیں ہیں ادھر سے اذان باقی کی تعلیم ادھر حاصل کرے گا، وہ کہتا ہے کہ پاپا میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں مگر میں یہ کہہ دیتا ہوں کہ بیٹے پاکستان میں دہشتگردی ہے ادھر رہو حالانکہ اس حوالے سے ہم نے اپنے ملک کو خود ہی بدنام کیا ہے اور دشمنوں کو کامیاب کر رہے ہیں اور دشمنوں کو اس دھرتی پر چلتا دیکھ کر کچھ سمجھ نہیں رہے ہم اب مزید کچھ نہیں کھوئیں گے اس سے پہلے کہ وقت ہمیں اپنے ہاتھوں میں جکڑے ہمیں اس وقت کو دوست بنا کر اس کے ساتھ چلنا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اندر چلے گئے۔

☆☆☆

''اسوۂ میں بہت خوش ہوں مجھے یقین نہیں آ رہا کہ مما پاپا اس طرح سے مجھے پیار کریں گے کل ہم لوگ شاپنگ کرنے گئے تھے میں نے ڈھیر ساری شاپنگ کی پاپا کی پسند کی مما کی پسند کی اور خوشی کی بات کے بھیا بھی واپس آ رہے ہیں اور مما کی پسند کیے گئے رشتے کو بھی ریجکٹ کر دیا گیا ہے اسوۂ یقیناً دعائیں رد نہیں ہوتی ہیں۔''

آج وہ دونوں ہوٹل میں کھانا کھانے کے لئے گئیں تھی اور یہ کھانا حیاء کی طرف سے ٹریٹ تھا۔

''اسوۂ میرا دل چاہتا ہے کہ اس دنیا میں محبت ہو اعتبار ہو خلوص ہو اور احترام ہو اگر کلاس ڈیفرنس کو حد سے زیادہ ہائی نہ کیا جائے تو یہ دنیا امن کا گہوارہ بن جائے مجھے لگتا ہے کہ بہت جلد یہ دنیا صرف محبت پر مکمل ہو جائے گی۔'' وہ خوشی سے دمکتے چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

''حیاء زندگی بہت خوبصورت ہے اگر اس کو

بھیا واپس آرہے ہیں اور پھر جلد ہی ہم آپ کے گھر آئیں گے میری بھیا سے بھی بات ہو چکی ہے پتہ ہے بھیا ہم سے بہت محبت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ آخر ڈھیر ساری باتیں کریں گے مجھ سے، میرے بھیا بہت اچھے ہیں ان کے آتے ہی مما ان کی شادی کریں گی اس لئے لڑکیاں پسند کی جارہی ہیں مگر میں مما کو آپ کے گھر لے آؤں گی اسوہٰ میں تجھے کھونا نہیں چاہتی۔'' اسوہٰ جو حیرانگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی آخر میں سمجھ آنے پر مسکرادی کیونکہ وہ بھی حیاء کو کھونا نہیں چاہتی تھی، کیونکہ اسے اس سے محبت تھی اور حیا کو اس کی محبت کی ضرورت تھی اور ایسے میں ساتھ والی ٹیبل پر بیٹھا سحاب چوہدری جو اپنے کسی دوست کا انتظار کررہا تھا ان کی باتوں کو دھیان سے سننے پر خود کو کوشش کے باوجود روک نہ پایا اور پنک سوٹ والی جس دوسری لڑکی کو حیاء کے نام سے مخاطب کررہی تھی اس کی باتوں سے طمانیت محسوس کی اسے لگا کہ وہ لڑکی اس کے خیالات کو زبان دے رہی ہے اسے یہ لڑکی اچھی لگی اپنی اپنی سی۔

''حیاء آنٹی نے مجھے اس پرپوزل کے متعلق بتایا تھا جو تمہارے لئے آیا بہتر تھا کہ تم مل لیتیں کیونکہ آنٹی کہہ رہی تھیں کہ وہ اچھا لڑکا ہے باکردار اور بالکل حیاء جیسی سوچ کا مالک اسی لئے اگر بہتر سمجھو تو مل لو کیونکہ وہ ایک ماں ہے تیری بہتری کے لئے ہی فیصلہ کریں گی۔''

''اسوہٰ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا فیصلہ کروں کیونکہ یہ دل کسی پر اعتبار کرنے سے ڈرتا ہے پھر وہ کیسا ہے کیا کرتا ہے کس سوچ کا مالک ہے اسی سوسائٹی کا پروردہ ہے امریکہ سے پڑھ کر لوٹا ہے یقیناً ماڈرن سوچ کا مالک ہوگا اور اسے لڑکی بھی ایسی چاہیے ہوگی ٹھیک ہے مما جو چاہتی ہیں کرلیں میں مما کے فیصلے کو اپناؤں گی، اسوہٰ بڑا ڈر لگتا ہے کہ پھر سے ساری ساری محبتیں کہیں کھو نہ دوں ویسے کیا تم میری بھابھی بن جانے پر بدل تو نہیں جاؤ گی۔'' اپنی بات کے اختتام پر اس نے شرارت سے کہا۔

''ہاں بدل جاؤں گی پھر۔'' اس نے بھی آگے سے ویسا ہی کہا تو دونوں کھلکھلا کر ہنس دی حیاء جانتی تھی کہ اسوہٰ کو اس سے محبت ہے بغیر کسی غرض کے پھر۔

''اوکے تو آنٹی کو پھر کہہ دوں کہ حیاء کی طرف سے ہاں ہے۔'' اسوہٰ نے اس کی طرف دیکھتے کہا۔

''ہاں کہہ دو اگر میرے نصیب میں محبت ہے تو اس شخص سے ہی مل جائے گی میں اس سے ملنا نہیں چاہتی بس گھر والوں کے فیصلہ کو تسلیم کر لوں گی۔'' اس نے جواب دیا۔

''حیاء آنٹی نے مجھے پرپوزل کے متعلق ہی بتایا تھا یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہے تمہیں تو پتہ ہوگا آخر کو موصوف کے بارے میں ہمیں بھی جاننا چاہیے۔'' اس نے اس سے پوچھتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہ مما کی دوست ہے مسز تیمور صدیقی ان کا بیٹا ہے سحاب چوہدری۔'' اور سحاب چوہدری جو اپنا نام سن کر چونک گیا تھا یہ جان کر خوش ہوا کہ مما کی پسند کی گئی لڑکی کوئی اور نہیں حیاء ہے اور وہ اب جلد ہی مما کو ان کے گھر بھیجے گا اور اس معصوم لڑکی کی محبت کو اپنے اعتبار سے مکمل کرے گا اور یہ اعتبار کبھی توڑے گا نہیں اور اسے محبتوں سے کبھی بدگمان نہیں ہونے دے گا، ایک ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں پر پھول بکھیر دیے۔

☆☆☆

لبیک ● ممتاز مفتی

تبصرہ سیمی کرن

جنوری کے شمارے سے ہم آپ کے ذوق تسکین کے لئے اردو ادب سے منتخب کتابوں پر تبصرہ اور تعارف کا ایک نیا سلسلہ شروع کررہے ہیں اس سلسلے کا آغاز ہم ممتاز مفتی کی کتاب ''لبیک'' سے شروع کررہے ہیں۔

''لبیک'' بظاہر تو ممتاز مفتی کا سفرنامہ حج ہے، ممتاز مفتی خالق ''علی پور کا ایلی'' جیسے شاہکار ناول کا ممتاز مفتی، اردو ادب کا کون سا طالب علم ہوگا جو ممتاز مفتی کے نام سے ناواقف ہو۔

حج کی بابرکت سعادت کو حاصل کرنا ہر مسلمان کا خواب ہے، بقول ممتاز مفتی لکھتے ہیں کہ۔

''میں نے سوچے سمجھے بغیر حج بیت اللہ پر لکھنا شروع کردیا، لیکن جب یہ رپورتاژ خانہ خدا کے حضور پہنچا تو میرے اللہ نے مجھے پکڑلیا، ''اب ہمارے حضور پہنچ کر تو جاتا کہاں ہے؟'' پھر مجھے پتہ نہیں کیا ہوا لکھتا گیا لکھتا گیا اور لکھتا گیا۔''

مگر یہ کیا یہ محض سفرنامہ ہے نہیں یہ تو ایک اندرونی سفر ہے باہر کے آدمی کا اپنے اندر اپنی روح کی طرف ایک ایسا شخص جو ایک وقت میں خدا کے وجود سے ہی منکر تھا ممتاز مفتی کہتے ہیں۔

''ان دنوں میں جب میں اللہ کو شک و شبہات کی نظر سے دیکھتا تھا ان دنوں بھی جب میں سمجھتا تھا کہ اللہ خدا کا وجود نہ ہوتا تو بھی ہم اپنی آسائش کے لئے ایک خدا تخلیق کرلیتے۔''

تعلق اور پھر یہ تعلق بنا اور ایسا بنا کہ ایسا بنانے کی ہر اس دل کو آرزو ہوگی جس کے دل میں تصوف کی خواہش انگڑائیاں لیتی ہے، وہ کہتے ہیں۔

''جب آقا اس قدر مہربان ہو تو بندہ فرط محبت سے سرشار ہو کر لاڈ کرنے لگتا ہے۔''

اور یہ آقا رب جلیل ممتاز مفتی پر کتنا مہربان

کبھی فوارا چوک کا مست بتاتا ہے کبھی خوابوں کے سلسلے ہیں بقول ممتاز مفتی۔

''یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں پنڈی میں پبلک ریلشنز کے دفتر میں ملازم تھا ذہنی طور پر میں ایمان اور شکوک کے درمیان لٹکا ہوا تھا، میں سمجھتا تھا کہ ماننے کے لئے جاننا ضروری ہے، زندگی کے پچاس سال میں نے جاننے کے چکر میں گنوا دیے تھے، ان دنوں میں پکا دانشور تھا نہ خدا کو مانتا تھا نہ اسلام کو، اپنے مذہب پر شرمندہ تھا۔''

حج کے بارے جاننے کی خواہش ممتاز مفتی میں میاں صاحب سے مل کر جاگی جو حج پر جانے کے لئے بے قرار تھے دیکھئے۔

''میری بات سن کر وہ یوں پھوٹ لیے جیسے کچا انڈہ ٹھوکر لگنے سے پھوٹ بہتا ہے، حج کی بات کرتے ہی ان کا پروقار چہرہ مسخ ہو گیا، بزرگی اور وقار پارہ پارہ ہوگئے۔'' میاں صاحب سے مل کر میں گہری سوچ میں پڑ گیا میں نے قدرت اللہ سے پوچھا۔

''یہ حج کیا چیز ہے؟'' انہوں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔
''حج اسلام کا پہلا رکن ہے۔''
''رکن تو ہے پر یہ کیسا رکن ہے جس کے لئے ایک معزز باوقار و بزرگ یوں بچے کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا جیسے حج چوسنے والی مٹھائی ہو۔''
دیکھئے جاننے کی آرزو روح کو چھونے کی خواہش، یہی بابرکت لوگ ہوتے ہیں جو صرف بدن کے ساتھ نہیں ان کی روحیں بھی طواف کرتی ہیں کہ وہ ''رکن اسلام'' سمجھ کر نہیں عبادت کے قلب میں جا اترتے ہیں۔
حج سے متعلق کتاب پڑھتے ہیں تو مایوس ہو کر کہتے ہیں۔
''ارے حج مسلسل آیتیں پڑھنے کا نام ہے، لاکھوں زائرین کتابیں سامنے رکھے فریضہ حج ادا کر رہے ہیں، اتنی فرصت نہیں ملتی کہ آنکھ اٹھا کر دیکھیں کس کے حضور کھڑے ہیں کس کے رو برو استادہ ہیں اور کتابوں کی اوٹ میں بیت اللہ تن تنہا کھڑا ہے اداس اکیلا ارے کیا میاں صاحب اس حج کے لئے زار و قطار رو رہے ہیں۔''
اس کتاب کو اس روداد کو مجھے تو یوں لگا کہ یہ کوئلے سے ہیرا بننے کا عمل ہے اور ہیرا ابھی وہ جو تراشیدہ ہے اور تراش کون رہا ہے وہ رب عظیم خود اپنے ہاتھ سے اور اس کیمیا گری میں ممتاز مفتی کا معاون کون ہے قدرت اللہ شہاب جوان کے ساتھ سفر حج پہ ہیں، سنیے ذرا ممتاز مفتی کیا کہتے ہیں۔
''جواب دینے میں قدرت اللہ بھی سمجھ لیجیے ارسطو ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ سوال پوچھنے میں اس دہقان کا چھوٹا بھائی ہوں۔''
تو وہ ممتاز مفتی جو شک و شبے کے جال میں پھنسا اللہ اسے خود بلاتا ہے اور عاشق صادق کے منصب پر فائز کر دیتا ہے۔
عاشق صادق بھی کہاں؟ مفتی تو مجذوب ہے؟ بھلا کوئی ہوش منہ پہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے۔
''کالے پتھروں سے بنا ہوا اک بھدا بے ڈھب کوٹھا جس پر سیاہ غلاف چڑھا تھا، پیشتر اس کے میں اللہ اکبر کہہ پاتا کوٹھے کی چھت سے کسی نے سر نکالا، چہرے کی جھریوں میں محبت کا ایک طوفان ابھر سمٹ رہا تھا، آنکھیں ہمدردی کے جذبے سے پرنم تھیں، پیشانی منور تھی، ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اس مسکراہٹ نے پتہ نہیں کیا کیا، میرے وجود کے فیتے کو گویا چنگاری دکھا دی گئی اور وہ دن سے راکٹ کی طرح فضا میں اڑ گیا، میری نس نس میں سوڈے کی بوتلیں کھل گیں، ان سے بلبلے اٹھنے لگے، میرے قلب میں دھماکہ ہوا میرے وجود کی دھجیاں اڑ گئیں۔''
دیکھا کیسی فسوں کاری ہے کیا کہیں گے آپ ممتاز مفتی کو؟ وہ تو دھمال ڈالتا ہوا آپ کو کہے گا میں تو مجذوب ہوں مجھ میں مجذوبیت کا رنگ غالب ہے اور مجذوب کو تو پتھر مارتے بھی ڈر لگتا ہے، وہ کہے امجھے کیا کہتے ہو کہو اس کالے کوٹھے والے سے جس نے بلا کر مجھے پرزا پرزا کر دیا، میں ثابت سالم کب ہوں کہ مجھ مقدمہ قائم ہو۔
پھر وہ جو ایک جگہ کہتے ہیں۔
''کہاں میں کہاں اللہ میاں میں انکیں نہیں جانتا۔'' اور کوئی سرگوشی میں کہتا ہے۔
''آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنا لگاؤ لیکن اللہ کے متعلق جو کلمات آپ نے کہے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن لیتے تو انہیں کتنا دکھ ہوتا، کیا آپ کو اس کا اندازہ

ہے؟''
یہ ممتاز مفتی کی اپنی دنیا ہے اپنی تشبہات و استعارے ہیں۔
وہ کہتے ہیں۔
''مجھ میں اور حفیظ صاحب میں چنداں فرق نہ تھا ہم دونوں ہی بت پرست تھے میں نے خانہ خدا کو بت بنا کر اللہ کو اس کی اوٹ میں مقید کر دیا تھا اور حفیظ صاحب نواب صاحب کو بت بنا کر ساتھ لے گئے تھے۔''
منیٰ میں ممتاز کو الف لیلوی شہر لگا جہاں اضطراب تھا جہاں Divine Unconurn کی ٹھنڈی کند چھری نے ممتاز مفتی کو ذبح کر دیا سوال کرنے میں ممتاز مفتی کسی ناراض بچے کی طرح ہے۔
''رکاوٹیں کیوں آتی ہیں سامنے، یہ کیا مداری پن ہے؟ خود ہی جذبہ پیدا کرتا ہے خود ہی بلاتا ہے خود ہی رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔''
جمیرات کا وقت ہے اور ممتاز مفتی کے اپنے خدشات و برملا اعترافات ''شاید میں شیطان کو زیادہ ایذا پہنچانے سے گریز کر رہا تھا شاید اس لئے کہ ماضی میں ہمارا گہرا یارانہ رہا تھا اور اب میں کس منہ سے اسے پتھر مارتا۔'' بھلا کوئی ہوش مند اس طرح کے برملا اعترافات کرتا ہے؟
دعا کے معنی سچ جانیے تو ممتاز مفتی سے زیادہ اچھے مجھے کسی نے نہیں سمجھائے وہ کہتے ہیں۔
''دعا جملے کی نہیں مانگنے کے فعل کی اہمیت ہے۔''
اور پھر روضہ رسولؐ اور مدینہ منورہ کی حاضری پر جو کیفیات مفتی پر وارد ہوتی ہیں وسوسے ہیں عالم سکر سے عالم محو ہے کیفیت سرشاری ہے اور کیوں نہ ہو؟ دنیا کے سب سے عظیم ہستی رسول اللہؐ کے دربار میں حاضری ہے وہ تو رحمت العلمین ہیں جو دشمنوں کو بھی دامن شفقت میں پناہ دے دیتے ہیں اور سلام دیکھئے جو کیسا انوکھا سلام ہے جو مفتی حضور کو پیش کر رہا ہے۔
مدینہ سے وداع کا وقت ہے ''مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ خوشی کے آنسو بہاؤں یا غم کے، نہ تو میں نے چالیس نمازیں پوری کی تھیں نہ ہی مجھے اجازت ملی تھی اور پھر بقول ممتاز مفتی ''پھر ہم سب پر ایک اور قیامت ٹوٹی تھی وہ یہ کہ ہم سب حاجی بن گئے۔''
اور واپسی پر جب قیصران کا دوست بطور حاجی انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا اس کی ''ناقابل برداشت رفاقت'' انہیں احساس دلاتی ہے کہ وہ وہی مفتی ہے وہ سپیشل ٹرین میں جانے سے منع کرتا ہے کہ یہ تمہیں بندے سے بت بنا دے گا اس گاڑھے جذبے کی راب سے بچو اور پھر دوست احباب کے ٹھٹھے، ''جیسے گئے لوٹ آئے۔''
اور مفتی کہتے ہیں کہ عزیزوں کی سرد مہری نے اس حاجی کو مار دیا جسے بڑے اہتمام سے میں ساتھ لایا تھا اور انتقاماً اسی پرانے غلیظ مفتی کو اوڑھ لیا۔
''لبیک'' پر بہت تبصرے ہوئے کہا گیا کہ ممتاز مفتی بوڑھا ہو کر بانجھ ہو گیا اسی لئے من گھڑت قصے اور شعبدہ بازی پر اتر آیا، مگر اس کی تائید نہیں بھی بہت سے مضامین چھپے۔
یہ کتاب لبیک پڑھنے والے کو تجسس جو لگن تڑپ جگاتی ہے جو حاصل مطالعہ ہے۔

☆☆☆

افراح طارق

القرآن

O اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو (پردوں سے) گھیر دیا، سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (سورہ یٰسین ۹، ۱۰)

O اور ان دونوں کے باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ (سورہ رحمٰن ۴۸، ۴۹)

O یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں ہو گا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں ہوں گے وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (سورہ الواقعہ ۱۲ تا ۱۶)

سعدیہ عمر، سرگودھا

حضور اکرم ﷺ کی پسند

من پسند چیز دیکھ کر الحمدللہ رب العالمین فرماتے، تکیہ، تیل، خوشبو، دودھ اگر کوئی پیش کرتا تو قبول فرماتے۔

سفید رنگ کا لباس آپ کو بہت محبوب تھا اور سبز رنگ کا لباس بھی پسند فرماتے۔

مشک اور عود کی خوشبو کی زیادہ پسند فرماتے۔

سفر کے لئے جمعرات کا دن پسند فرماتے۔

عشاء سے پہلے نہیں سوتے تھے۔

زندگی کے اوقات تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے، دوسرا گھر والوں کے لئے، معاشرتی حقوق کے لئے جن میں ہنسنا بولنا بھی تھا اور تیسرا اپنے نفس کی راحت کے لئے۔

رائمہ خضر، خوشاب

فاتح عالم

ارسطو کے ہاں مختلف شہزادے زیر تعلیم تھے ایک روز ایک شہزادے سے ارسطو نے سوال کیا۔

''اگر تمہیں بادشاہت ملی تو میری تعلیمی خدمات کا کیا صلہ دو گے؟''

''میں تمام تر مہمات سلطنت میں آپ کے مشورے کو مقدم رکھوں گا۔'' یہی سوال ارسطو نے دوسرے شہزادے سے کیا، اس نے جواب دیا۔

''میں آپ کو برابر کا شریک رکھوں گا۔''

جب سکندر کی باری آئی تو اس نے عرض کیا۔

''مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے کیونکہ اس کا فاعل حقیقی میں نہیں بلکہ خدائے برتر ہو گا۔'' ارسطو اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا۔

''تیری اس دانائی کا جواب سب پر سبقت لے گیا اور مجھے تیرے اس جواب سے تیرے فاتح عالم ہونے کی خوشبو آتی ہے۔''

صائمہ رانا، ملتان

اٹل سچائی

☆ آخرت میں جنت اس کے حصے میں آئے گی جو دعوار پارسائی کرنے کے بجائے عمل کرتا ہے اور عمل میں جان پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ تواضع سر بلندی بڑھاتی ہے اور تکبر انسان کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

☆ سرکش گھوڑا سر کے بل گر جاتا ہے اس لئے بلندی کی ضرورت ہو تو بلندی کا دعوا کرنا چاہیے۔

☆ جو شخص دنیا کی موج و مستی میں مشغول ہوا اس سے دین کا راستہ پوچھ کر خود کو گناہ گار نہیں کرنا چاہیے۔

☆ اگر آپ کو مقام حاصل کرنا ہے تو اپنے سوا کسی کو حقیر نہ سمجھیں۔

☆ اگر آپ کو مخلوق خوش خلق اور نیک طبع کہتی ہے تو اس سے زیادہ اونچے مقام کی توقع نہیں کرنا چاہیے۔

☆ جو لوگ آپ جیسے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں آپ کبھی اسے عزت دینے کو تیار نہیں ہوتے، اسی طرح اگر آپ کسی کو حقیر سمجھیں اور اس بات کے متمنی ہوں کہ دوسرا آپ کی عزت کرے عبث ہے

عارفہ احمد، پاکپتن

لفظوں کی خوشبو

اپنے لفظوں کی حفاظت کیجئے، کیونکہ لفظ آپ کی عادت بن جاتے ہیں، اپنی عادتوں کی حفاظت کریں، کیونکہ عادتیں آپ کا عمل بن جاتی ہیں، اپنے عملوں کی حفاظت کریں کیونکہ آپ کے عمل ہی آپ کی شخصیت بناتے ہیں۔

ام حاجرہ، راولپنڈی

حکایات سعدی

ایک دیہاتی کو میں نے بصرہ کے جوہری بازار میں دیکھا، اس نے بتایا کہ وہ ایک دن جنگل میں راستہ بھول گیا تھا اور میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی اپنی موت کا یقین ہو گیا کہ اچانک میں نے ایک تھیلی پائی جو موتیوں سے بھری ہوئی تھی میں ہرگز اس خوشی کو نہیں بھول سکتا کہ میں سمجھا اس میں بھنے ہوئے گندم ہیں پھر میں اس ناامیدی کو نہیں بھول سکتا جب مجھے معلوم ہوا کہ اس تھیلی میں موتی ہیں۔

سعدیہ فیصل، اوکاڑہ

تمہارے لئے

وہی موسم ہے
بارش کی ہلکی
پیڑوں میں چھن چھن گونجتی ہے
ہری شاخیں ہرے پھول کے زیور پہن کر
تصور میں کسی کے مسکراتی ہیں
ہوا کی اوڑھنی کا رنگ پھر ہلکا گلابی ہے
شناسا سا باغ کو جاتا ہوا خوشبو بھرا رستہ
تمہاری راہ دیکھتا ہے
طلوع ماہ کی ساعت تمہاری منتظر ہے
نیک تمناؤں کے ہمراہ
نیا سال مبارک ہو

ام ایمن، لاہور

کچھ لوگ

☆ کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں وہ چاہے ہم سے کتنی بھی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کے لئے بے چین رہتا ہے۔

☆ کچھ لوگ گلابوں کی طرح ہوتے ہیں ان کا نام لیتے ہی ہمارے اردگرد خوشبو پھیل جاتی ہے۔

☆ کچھ لوگ ستاروں کی طرح ہوتے ہیں جو دور سے چمکتے ہیں مگر ہمارے ہاتھ نہیں آتے۔

☆ کچھ لوگ گھٹاؤں کی طرح ہوتے ہیں جو

دوسروں پر اس طرح برستے ہیں کہ زندگی کی سخت دھوپ نرم چھاؤں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

☆ کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں وہ ساتھ ہوں تو اندھیروں میں بھی راستے مل جاتے ہیں۔

کائنات ظفر، احمد پور

سوچ ریزے

O شہر، دکھ اور محبتیں ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں کبھی پرانے نہیں ہوتے ہمیشہ نئے ہی لگتے ہیں۔

O پھول زخموں، یادوں، موسموں، رنگوں اور منظروں کو پرانا نہیں ہونے دیتے۔

O کبھی غور کریں تو کتنی عجیب بات کا پتہ چلے کہ بڑے سارے عذابوں، سارے اجاڑ اور ویرانوں کا تعلق پانیوں سے ہوتا ہے پانی جو بظاہر زندگی ہے اس میں کتنی موت چھپی ہوئی ہے ایسے ہی تو دکھوں اور خوشیوں کی انتہا پر آنکھیں پانیوں سے نہیں بھر آتیں۔

O ہر کوئی الفاظ کو اپنی سمجھ کے مطابق ڈھال لیتا ہے اس لئے ہر انسان کا نظریہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

O منفرد لوگوں کو ہمیشہ مار سہنی پڑتی ہے طعنوں کی یا تنہائی کی۔

O پتھروں سے واسطہ پڑے تا پتھر دلوں سے زندگی کا سفر کٹتا نہیں۔

O دیواریں صرف کمروں کی نہیں ہوتیں، دل کے گرد بھی ہوتی ہیں کبھی خواب کئی خیال انہیں میں قید رہ جاتے ہیں۔

O اعتبار کی مالا کو کبھی ٹوٹنے نہ دو، اس انمول مالا کے موتی بکھر جائیں تو تلاش کے باوجود ملتے نہیں۔

O انسان کی شخصیت کا سب سے مضبوط حوالہ اس کا کردار اور عمل ہے۔

حرمت عامر، سانگھڑ

دعا

میں نے دعا مانگی
زمین کی سلامتی کی
اس پر رزق کی فراوانی کی
درختوں کی پناہ گاہیں آباد ہونے کی
ہجرت کر جانے والے پرندوں کی واپسی کی
لیکن ان سب دعاؤں سے پہلے
میں نے دعا مانگی
زمین کی رہائی کی

سدرہ نعیم، سکھر

وہم

علاقے کے بازار میں ایک خاتون نے اپنے سابق پڑوسی کی دس بارہ سالہ بچی کو سودا خریدتے دیکھا تو شفقت سے اس کا حال چال پوچھنے کے بعد دریافت کیا۔

"اور تمہارے امی ابو کیسے ہیں؟"

"امی تو ٹھیک ہیں لیکن ابو بیمار ہیں۔" بچی نے بتایا۔

"ارے بیٹا، وہ بیمار ویمار کچھ نہیں ہیں، تمہارے ابو کو وہم ہو گیا ہے کہ وہ بیمار ہیں۔" خاتون نے بڑے یقین سے کہا۔

کچھ عرصے بعد اسی بازار میں خاتون کی ملاقات بچی سے ہوئی تو انہوں نے ایک بار پھر بچوں کے والدین کی خیریت دریافت کی۔

"امی تو ٹھیک ہیں۔" بچی نے دھیمی آواز میں سنجیدگی سے جواب دیا۔

"لیکن ابو کو وہم ہو گیا تھا کہ وہ مر چکے ہیں، کل ان کا چالیسواں تھا۔"

صبا علی، لاڑکانہ

ہجر پر لطف

ہجر بھی لطف دیتا ہے اس وقت جب آپ کے پاس گاڑی ہو اور گاڑی میں نغمہ ہجر گونج رہا ہو، آپ ۱۲۰ کلو میٹر فی گھنٹا کی رفتار سے کسی سنسان سڑک پر جا رہے ہوں ہمراہ محبوب کی یادیں ہوں۔

ہجر اذیت ناک ہوتا ہے اس وقت جب ایک کچے گھر کی ٹپکتی چھت کے نیچے بیٹھ کر بارش کے رکنے کا انتظار کرنا پڑے، موسم کی دلکشی ہو یا یاد کی کرنیں اسی وقت دل کو بھلا لگتا ہے جب پیٹ بھرا ہوا اور جیب بھاری ہو۔

طاہرہ وحید، ساہیوال

انتظار

سال نو کے سورج کی
پہلی کرن!
جب تم اس کے دروازے پر دستک دو
تو اتنا اسے کہنا
کہ انتظار کے دیپ جلائے
صرف تمہیں یاد رکھے
اور باقی سب بھلائے
کوئی اب بھی آس کا دامن تھامے
تمہاری راہ تک رہا ہے

نشاء خان، چیچہ وطنی

لیلتہ القدر

ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس مہاجرین کی ایک جماعت بیٹھی لیلتہ القدر کی تاریخ پر غور کر رہی تھی، سب نے اپنے اپنے علم کے مطابق بیان کیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے ابن عباسؓ سے فرمایا۔

"تم کیوں خاموش بیٹھے ہو، تم بھی کچھ بیان کرو، کمسنی کی وجہ سے شرم نہ کرو۔" حضرت ابن عباسؓ نے کہا۔

"اے امیر المومنین! اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے، اس نے سات دن بنائے ہیں، انسان کو سات رنگوں سے پیدا کیا، ہمارے اوپر سات آسمان بنائے، نیچے سات زمینیں مخلوق کیں، سات مکرر آیات نازل کیں، سات رشتے داروں سے نکاح حرام کیا، سات پر میراث تقسیم کی، ہمارے جسم کے ساتھ اعضاء کے سجدہ کرنے کا حکم دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کے سات طوائف کا حکم دیا، صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگانے کی سنت قائم کی، رمی کی تعداد بھی سات مقرر کی لہٰذا میری رائے میں شب قدر بھی رمضان کے آخری ہفتے کی طاق راتوں میں ہے۔"

حضرت عمرؓ خوش ہوئے اور فرمایا۔

"سوائے اس بچے کے میرے ساتھ کسی کو موافقت نہیں۔"

رابعہ خان، مظفر گڑھ

مرد مومن

ایک دن حضرت جنید بغدادیؒ مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں بہت سے درویشوں کا ہجوم تھا، قرآنی آیات پر بحث ہو رہی تھی، پھر اسی دوران مرد مومن کی طاقت کا ذکر چھڑ گیا۔

تمام درویش اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے، آخر میں ایک درویش نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"مرد مومن کی روحانی طاقت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں کہ اگر وہ مسجد کے اس ستون سے کہہ دے کہ آدھا سونے کا ہو جا اور آدھا چاندی کا تو اسی وقت ہو جائے گا۔"

☆☆☆

سعدیہ عمر ---- سرگودھا

ہر شام نئے خواب اس پہ کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تیری شال آ جائے
ان ہی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آ جائے

....

موسم تھا بے قرار تمہیں سوچتے رہے
کل رات بار بار تمہیں سوچتے رہے
بارش ہوئی تو گھر کے دریچے سے لگ کر ہم
چپ چاپ سوگوار تمہیں سوچتے رہے

....

خود اپنی ذات اسیر عذاب رکھتے ہیں
ہمارے عہد کے انسان خواب رکھتے ہیں
یہ تاجران محبت بھی خوش گماں ہیں بہت
گناہ کرکے امید ثواب رکھتے ہیں

رائمہ خضر ---- خوشاب

بہت منتظر ہیں اگلے برس کے
وہ لوٹ آئے گا اگلے برس کیا

....

ناصر مجھے چھیڑیں گے بہت چاند ندی اور پھول
آیا نہ میرا دوست اگر اب کے برس بھی

....

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے برس
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں

صائمہ رانا ---- ملتان

خوشی تم کو ملے ہر دم تمہارا حال اچھا ہو
تمہارے واسطے اللہ کرے یہ سال اچھا ہو

....

نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں
دیا روشن کہ مدھم ہو گیا ہے
ہمیں معلوم ہے اتنا کہ اک سال
ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

....

وہ وقت بھی دیکھا تقدیر کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

عارفہ احمد ---- پاکپتن

نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
کرو کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس

....

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا
ہم نئے خواب بنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج سے کہو روز نکلتے رہنا

....

یہ خنک رت، یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل یہ کہتا ہے کہ موسم اب کوئی یاد آئے
ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دکھ بھی کیا کیا ہمیں، یادوں کے سبب یاد آئے

ام حاجرہ ---- راولپنڈی

نجانے کیسے نئی رتوں میں پرانی یادوں کی ناؤ ڈوبی

یہ سنگریزے عداوتوں کے، وہ آبگینے سخاوتوں کے
دل مسافر قبول کر لے، ملا جو کچھ جہاں سے
تو ہم نفس ہے، نہ ہم سفر ہے، کسے خبر کہ تو کدھر ہے
میں دستکیں دے کر پوچھ بیٹھا مکیں مکیں سے مکاں مکاں سے

مہتاب بانو ---- سکھر

اس نسل کا ذہن کٹ رہا ہے
اگلوں نے کٹائے تھے فقط سر

....

کیا برا ہے کہ میں اقرار محبت کر لوں
لوگ ویسے بھی تو کہتے ہیں گناہ گار مجھے

....

درخت جاں پہ عذاب رت تھی نہ برگ جاگے نہ پھول آئے
بہار وادی سے جتنے پنچھی ادھر کو آئے ملول آئے
وہ ساری خوشیاں جو اس نے چاہیں اٹھا کے اپنی جھولی میں رکھ لیں
ہمارے حصے میں عذر آئے جواز آئے اصول آئے

صبا علی ---- لاڑکانہ

کون رہتا تھا نہ جانے اس جا
خواہشیں نقش ہیں دیواروں پر

....

یہ نہ ہو شہر میں کہ تنہائی کے مجرم ٹھہرو
دل ملیں یا نہ ملیں ہاتھ ملاتے رہنا
میں ہمیشہ کی طرح سچی ہی کہوں گا عارف
تم ہمیشہ کی طرح زہر پلاتے رہنا

....

ہمارے عجز کو سمجھا نہیں گیا محسن
ہم آزما کے اب اپنی انا دیکھتے ہیں

طاہرہ وحید ---- ساہیوال

حسن کی خوشبو سے مہکتی تھی پگھلتی ہوئی آگ
پھول ایسے بھی تو موسم سفاک ہیں تھے

....

سال کی پہلی کرن کے ساتھ پھر جاگا ہے دل
پھر میری وہی طلب اس کے برس مل جائے تو

....

اب سیل بلا چاہے گزر جائے جدھر سے
میں گھر ہی بناتا نہیں طوفان کے ڈر سے

نشاء خان ---- چیچہ وطنی

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو ہیں چرچا نہیں ہوتا

....

اس زندگی میں اتنی فراغت کسے نصیب
اتنا نہ یاد آ کہ تجھے بھول جائیں ہم

....

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

رابعہ خان ---- مظفر گڑھ

میں کھلی ہوئی اک سچائی مجھے جاننے والے جانتے ہیں
میں نے کن لوگوں سے نفرت کی اور کن لوگوں کو پیار دیا

....

ہمیں بجھانے کو اندر کا حبس کافی ہے
ہم مزاجوں کا احسان کم اٹھاتے ہیں

....

علم نے کرب اضطراب دیا
کس قدر پرسکون تھی نادانی

سمیرا سعید ---- پسرور

اندھیروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والو
اجالوں کا پس نظر بڑا تاریک ہوتا ہے

....

یوں ہی تو شاخ سے پتے گرا نہیں کرتے
بچھڑ کے لوگ زیادہ جیا نہیں کرتے

....

میرے لہو میں کھلے ہیں تیرے ہجر کے پھول
کب آئے ان پہ تیرا موسم وفا دیکھیں
کبھی ہو یوں بھی کہ وہ آئے اور ہم نہ ملیں
کبھی تو اہل جفا کا بھی حوصلہ دیکھیں

بہت منتظر ہیں اگلے برس کے
وہ لوٹ آئے گا پھر اگلے برس کیا

....

وہ سال تیرے پیار کا جب قحط پڑا تھا
گو کاٹ لیا میں نے اس کو مگر وقت کڑا تھا

....

لبوں پہ پھول کھلتے ہیں کسی کے نام سے پہلے
دلوں کے دیپ جلتے ہیں چراغ شام سے پہلے
یہ سارے رنگ مردہ تھے تمہاری شکل بنتے تک
یہ سارے حرف مہمل تھے تمہارے نام سے پہلے

تحسین زاہد ---- فیصل آباد

جلا کے راکھ کیے تم نے سارے کھیت میرے
یہ میرا ظرف ہے پھر بھی لگان دیتا ہے

....

رنگ کتنے ہیں نئے سال تیرے ہاتھوں میں
پھیکا لگتا ہے مجھے اپنی روایات کا رنگ

....

وہ تو کچھ ہو ہی گئی تم سے محبت ورنہ
ہم وہ خود سر ہی کہ اپنی بھی تمنا نہ کریں

یاسمین بابر ---- کراچی

اے باد صبا جب بھی ادھر سے گزرنا
کرتا ہے تجھے یاد اتنا اسے کہنا
اک اور برس بن دیکھے تجھ کو گزر گیا
اس سال نہ ترسانا اتنا اسے کہنا

....

ضروری تو نہیں کشتی بھنور کے پاس ہی ڈوبے
چلے آتے ہیں خود طوفان بھی ساحل کے سفینوں میں

....

دل سے درد کا رشتہ استوار رہتا ہے
اس کو ہر گھڑی مجھ پہ اختیار رہتا ہے
وہ اداس آنکھیں بھی کتنی معتبر ہوں گی
ہے

کرن عدنان ---- گجرات

ایک مدت سے اس کی یاد آئی بھی نہیں
اور ہم بھول گئے ہوں ایسا بھی نہیں

....

اس کا ملنا ہی مقدر میں نہیں تھا ورنہ
ہم نے کیا کچھ نہیں کھویا اسے پانے کے لئے

....

خموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

سائرہ خان ---- وہاڑی

ہم ایسے سادہ لوگوں کو ازل سے ایک عادت ہے
ہم اپنے گھر سے بڑھ کر دل میں وسعت مانگ لیتے ہیں
ہمیں لاعلم رکھتے ہیں ہمیشہ اپنے بارے میں
وہ ہم سے ساری باتوں کی وضاحت مانگ لیتے ہیں

....

یہ بھی ٹھیک ہے وہ چلا گیا مجھے بند رستے پہ چھوڑ کر
وہ جدا بھی کیسے ہوا کہ میں کوئی رسم نہ نبھا سکا
نہ میں پاس اس کا بلا سکا نہ میں دل کی بات سنا سکا
وہ ہنسی ہنسی میں چل دیا کہ میں ہاتھ تک نہ ملا سکا

....

برسات میں تالاب تو ہو جاتے ہیں کم ظرف
باہر کبھی آپے سے سمندر نہیں ہوتا

نازیہ مبارک ---- ہارون آباد

ہم ایک تھے اور ایک رہیں گے یہ واقعہ عارضی ہے لیکن
ہمارے اندر کے دشمنوں نے ہمارا سر تو جھکا دیا ہے
یہ کیسے طوفان گزر رہے ہیں سبب پوچھو تو میں بتاؤں
رسول اکرم کا ہم نے لوگو وہ درس الفت بھلا دیا ہے

....

اشک کی بوند کو مٹی سے بچا کر رکھنا
یہ ٹپک جائے تو مشکل ہے اٹھا کر رکھنا

☆☆☆

بلقیس بھٹی

قابل غور

لوگوں کا سرمایہ ہضم کر کے غائب ہو جانے والی ایک انویسٹمنٹ کمپنی کا مالک جب پکڑا گیا تو اسے عدالت میں پیش کیا گیا، جج صاحب نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں شرم نہیں آتی جن لوگوں نے تم پر اعتماد کیا، تم نے ان ہی کا پیسہ کھا کر بھاگ گئے؟''

''سر! آپ خود سوچیں جو لوگ آپ پر اعتماد نہ کرتے ہوں، ان کا پیسہ آپ کیسے کھا سکتے ہیں؟''

کمپنی کے مالک نے معصومیت سے سوال کیا۔

سعدیہ عمر، سرگودھا

عجلت

ایک ہوٹل کے قریب ایک صاحب نے ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئے، نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں انہوں نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

''اس ہوٹل کے چاروں طرف سو چکر لگاؤ۔''

ڈرائیور کچھ پریشان ہوا لیکن جب ان صاحب نے اسے ہزار کا نوٹ تھمایا تو اس نے ہوٹل کے گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔

ساٹھویں چکر پر پچھلی سیٹ پر نیم دراز ان صاحب نے گردن اونچی کی اور خمار زدہ لہجے میں ڈرائیور سے مخاطب ہوئے۔

''میاں! ذرا اسپیڈ بڑھاؤ میں جلدی میں ہوں۔''

رائمہ خضر، خوشاب

ماسٹر صاحب

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خونخوار قسم کے آدمی تھے، یوں تو بیچلر آف آرٹس تھے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ شادی شدہ اور کئی بچوں کے باپ ہیں، وہ ان حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے، آپ کی طرف سے خود ہی جواب دیں گے اور پھر آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جواب غلط تھا، ان کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں نیند میں بولنے اور چلنے پھرنے کی بیماری تھی اور وہ سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے تھے، حالانکہ ان کے پاس ایک تانگہ تھا اور ایک سائیکل۔

انہیں کھیل کود کا شوق بھی تھا لیکن فقط اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہو لیا کرتے، ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں ریفری تھے کہ یک لخت جوش میں آگئے اور گیند لے کر خود گول کر دیا، روفی کے ابا ہمیشہ ان سے کہا کرتے تھے کہ۔

''ماسٹر صاحب! آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو کھلاڑی ہیں۔''

ایک روز ماسٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ۔

''نمبر ایک کھلاڑی کون ہے۔'' وہ بولے۔

''پتہ نہیں۔''

صائمہ رانا، ملتان

موقع غنیمت

مجید لاہوری اور رشید اختر ندوی دونوں بھاری بھرکم تھے، ایک مرتبہ دونوں ایک سائیکل

رکشا پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، رکشا والا کمزور سا آدمی تھا، پسینے میں شرابور بڑی دشواری سے سواری کھینچ رہا تھا، راستے میں مجید لاہوری کو پان کھانے کی خواہش ہوئی تو وہ رکشا رکوا کر اترے اور پان کی دکان کی طرف بڑھے، اتفاق سے رشید اختر ندوی کو ایک شناسا مل گئے اور وہ بھی رکشا سے اتر کر سڑک پر ان سے باتیں کرنے لگے۔

رکشے والا جو غیر معمولی مشقت سے نیم جان ہو رہا تھا، اس موقع غنیمت جان کر خالی رکشا لے کر بھاگ کھڑا ہوا، مجید صاحب نے اسے بھاگتے دیکھا تو چیخ کر بولے۔

''او میاں رکشے والے، کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اپنے پیسے تو لیتے جاؤ۔''

''شکریہ صاحب جی! زندگی باقی رہی تو کسی اور سے کما لوں گا۔'' رکشے والے نے ہانپتے ہوئے کہا اور بھاگتا چلا گیا۔

عارفہ احمد، پاکپتن

علم

عدالت میں ایک بڑے اور مشہور وکیل نے اپنے مخالف وکیل کی طرف حقارت سے دیکھا کیونکہ وہ نو آموز اور گمنام تھا، پھر بڑے وکیل نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''تم ہو کون؟''

''سر میں وکیل ہوں۔'' نو آموز اور ناتجربہ کار وکیل نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

''تم جیسے وکیل میں جیب میں لئے پھرتا ہوں۔'' بڑے وکیل نے بدستور حقارت سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دماغ میں قانونی علم نہیں ہو گا، تبھی آپ جیب میں لئے پھرتے ہیں۔'' نو آموز وکیل نے نرمی اور شائستگی سے کہا۔

اُم حاجرہ، راولپنڈی

گفٹ پیکج

ایک دن سردار جی ایک دکان میں خریداری کر رہے تھے کہ تیل کا ڈبہ اٹھا کر دکان دار سے بولے۔

''اس تیل کے ساتھ میرا مفت گفٹ کدھر ہے؟''

دکان دار نے کہا۔

''اس کے ساتھ کوئی گفٹ نہیں ہے بھائی صاحب!''

سردار جی منہ بسور کر بولے۔

''اوئے اس پر لکھا ہے کولیسٹرول فری۔''

سعدیہ فیصل، اوکاڑہ

عشق کہیں جسے

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا۔

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہو گئے۔''

وہ صاحب جھلا کر بولے۔

''میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بدقسمتی سے کامیاب بھی ہو گیا۔''

اُم ایمن، لاہور

زور گفتار

گل صاحب نے ایک دن موڈ میں آ کر کہا۔

''میری بیوی اتنی پڑھی لکھی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر گھنٹہ بھر بات چیت کر سکتی ہے۔''

جواب میں اقبال میمن نے کہا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے، یہی کام ان پڑھ عورت بھی کر لیتی ہے اور اس کے لئے موضوع کی بھی شرط نہیں ہوتی۔''

کائنات ظفر، احمد پور

تیز رفتاری

ایک خاتون نے ٹریفک سارجنٹ کو اپنی تیز رفتاری کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

''میری گاڑی کے بریک خراب ہو گئے ہیں، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ کسی حادثے کے بغیر گھر پہنچ جاؤں۔''

حرمت عامر، سانگھڑ

جواب

ایک رنگروٹ کو آفیسر کی بے عزتی کرنے کے جرم میں کورٹ مارشل کے لئے پیش ہونا پڑا۔

''جواب دو۔'' کمانڈنگ آفیسر نے سخت لہجے میں باز پرس کی۔

''تم نے اپنے آفیسر کو الو کا پٹھا کیوں کہا؟''

رنگروٹ نے جواب دیا۔

''آفیسر نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اسے کیا سمجھتا ہوں۔''

در شہوار، ملتان

معصومیت

ننھے جی کا اسکول کا پہلا دن تھا، چھٹی کے وقت سب بچے گھر جانے کے لئے گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے لیکن جی وین میں بیٹھنے کے لئے تیار نہ تھا۔

''کیا تم گھر نہیں جاؤ گے؟'' ٹیچر نے حیرت سے پوچھا۔

''ممی کہہ رہی تھیں، اب مجھے کم از کم دس بارہ سال اسکول میں گزارنے پڑیں گے۔'' جی نے نہایت معصومیت سے جواب دیا۔

سدرہ نعیم، سکھر

انتظار

ایک خوبصورت سیلز گرل نے ایک گھر کے دروازے پہ دستک دی، صاحب خانہ باہر آئے تو سیلز گرل نے پوچھا۔

''کیا آپ کی بیگم گھر پر ہیں؟''

صاحب نے جواب دیا۔

''نہیں! لیکن آپ اندر آ کر ان کا انتظار کر سکتی ہیں، وہ ایک ہفتے کے لئے میکے گئی ہوئی ہیں۔''

صبا علی، لاڑکانہ

کھانا

میاں بیوی نے شادی کی پہلی سالگرہ پر ضیافت کا اہتمام کیا، بیوی نے بڑے چاؤ سے اپنے ہاتھ سے کھانے تیار کیئے۔

مہمان جمع تھے، خوش گپیوں اور مشروبات وغیرہ کا دور چل رہا تھا، ایک دوسرے کو لطیفے سنائے جا رہے تھے، قہقہے گونج رہے تھے۔

شوہر نے بیوی سے دریافت کیا۔

''کیا خیال ہے بیگم! مہمانوں کو کچھ دیر اور لطف اندوز ہونے دیا جائے یا کھانا لگوایا جائے۔''

طاہرہ وحید، ساہیوال

ایک منٹ

رمضان المبارک کا مہینہ تھا، مولوی صاحب رات گئے مسجد سے فارغ ہو کر گھر آ رہے تھے کہ ان کی نظر گلی کی نکڑ پر اس لڑکے پر پڑی جو شراب پی کر نالے میں اوندھے منہ پڑا تھا۔

مولوی صاحب کو اس پر رحم آ گیا اور وہ اسے سہارا دے کر اٹھانے لگے، ان کے اٹھانے پر وہ لڑکا ذرا سنبھل گیا اور ہوش میں آتے ہی وہ مولوی صاحب سے گزارش کرنے لگا۔

''پلیز مولوی صاحب آپ صرف پانچ منٹ کے لئے میرے ساتھ میرے گھر چلیں۔''

''نہیں بھائی، اب رات بہت ہو گئی ہے، مجھے سحری اور فجر کی نماز کے لئے بھی اٹھنا ہے۔''

مولوی صاحب جلدی سے بولے اور جانے

لگے مگر اس لڑکے نے انہیں پیچھے سے جالیا۔
"پلیز مولوی صاحب صرف ایک منٹ کے لئے تا کہ میں اپنی بیوی کو بتا سکوں کہ میں کس کے ساتھ آیا ہوں۔"

نشاء خان، چیچہ وطنی

قابل دید

ایک بند جنرل اسٹور کے سامنے خریداروں کی لمبی لائن لگی تھی، اس لائن سے ایک آدمی باہر نکل کر آگے جانے لگا تو سب لوگوں نے اسے کہا کہ۔
"اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاؤ اور اپنی باری کا انتظار کرو۔"
وہ آدمی پھر دوسری مرتبہ نکلا تو لوگوں نے پھر اسے اپنی جگہ کھڑا ہونے کو کہا۔
لیکن جب وہ آدمی تیسری دفعہ لائن سے نکلا تو لوگوں نے اس سے پوچھا۔
"تم کیوں بار بار لائن سے باہر نکلتے ہو۔"
آدمی بولا۔
"میں لائن سے باہر نکلوں گا تو اسٹور کھولوں گا ناں۔"

رابعہ خان، مظفر گڑھ

شرابی

شرابی شوہر گھر آیا اور اپنی بیوی سے بولا۔
"چڑیل!"
بیوی حیرت سے بولی۔
"یہ کیا، جب آپ انگریزی شراب پی کر آتے ہیں تو مجھے پری کہتے ہیں اور جب دیسی شراب پی کر آتے ہو تو رانی کہتے ہیں، آج کیا ہوا؟" شوہر بولا۔
"آج میں پی کر نہیں آیا۔"

سمیرا سعید، پسرور

مشابہت

پروفیسر صاحب کے بھانجے کے ہاں بیٹا ہوا، بیوی نے اصرار کیا کہ وہ مبارکباد دے آئیں۔
کئی ماہ بعد پروفیسر صاحب مبارکباد دینے پہنچے تو بچے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے بولے۔
"بھئی، بالکل باپ پر گیا ہے، اس کا باپ جب چھوٹا تھا تو اسی طرح فیڈر منہ میں لئے چت پڑا رہتا تھا۔"

امبرین گل، خانیوال

خواب

ایک کسان ماہر نفسیات کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ۔
"جناب! آج کل میں برے خواب دیکھتا ہوں، رات میں نے دیکھا کہ میں بیل ہوں اور گھاس چر رہا ہوں۔"
"کوئی فکر کی بات نہیں۔" ماہر نفسیات نے کہا۔
"خواب تو خواب ہے، اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"
"لیکن جناب! جب صبح میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنی آدھی چٹائی چبا ڈالی تھی۔" کسان نے معصومیت سے کہا۔

تحسین زاہد، فیصل آباد

کھمبا بچا کے

ایک عورت پر سکتہ طاری ہو گیا، لوگ اسے مردہ سمجھ کر دفنانے لے جا رہے تھے کہ اچانک میت کھمبے سے ٹکرا گئی اور عورت اٹھ [illegible]
لوگ خوشی خوشی واپس آ گئے۔
تھوڑے دن بعد وہ عورت [illegible]
جب لوگ اسے دفنانے لے جا رہے [illegible] تو اس کا شوہر صرف یہ کہہ رہا تھا۔
"کھمبا بچا کر، کھمبا بچا کر۔"

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

سعدیہ عمر: کی ڈائری سے ایک نظم
"بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے"

وہی گلیاں وہی کوچے وہی سردی کا موسم ہے
اسی انداز سے اپنا نظام زیست برہم ہے
یہ حسن اتفاق ایسا کہ نکھری چاندنی بھی ہے
وہی ہے بھیڑ سوچوں کی، وہی تنہائیاں پھر سے
مسافر اجنبی اور دشت کی تنہائیاں پھر سے
مجھے یاد ہے کچھ سال پہلے کا یہ قصہ ہے
وہی لمحہ تو ویرانے کا اک آباد حصہ ہے
وہ زندہ رات کی تنہائی میں سرگوشیاں کی تھیں
کسی کی نرم گفتاری نے دل کو لوریاں دی تھیں
کسی نے میری تنہائی کا سارا کرب بانٹا تھا
کسی نے رات کی چنری میں روشن چاند ٹانکا تھا
چمکتے جگنوؤں کا سیل اک بخشا تھا راتوں کو
دھڑکتا سا نیا عنوان دیا تھا میرے خوابوں کو
میرے شعروں میں وہ الہام کی صورت میں اترا تھا
معانی بن کے جو لفظوں میں پہلی بار دھڑکا تھا
وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے
اسے کہنا کہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے۔

رائمہ خضر: کی ڈائری سے ایک غزل

آگے حریم غم سے کوئی راستہ نہ تھا
اچھا ہوا کہ ساتھ کسی کو لیا نہ تھا
دامان چاک چاک گلوں کو بہا نہ تھا
دل کا جو رنگ تھا وہ نظر سے چھپا نہ تھا
رنگ شفق کی دھوپ کھلی تھی قدم قدم
مقتل میں صبح و شام کا منظر جدا نہ تھا
کیا بوجھ تھا کہ جس کو اٹھائے ہوئے تھے لوگ
مڑ کر کسی سمت کوئی دیکھتا نہ تھا
کچھ اتنی روشنی میں تھے چہروں کے آئینے
دل اس کو ڈھونڈتا تھا جسے جانتا نہ تھا
کچھ لوگ شرم سار خدا جانے کیوں ہوئے
اپنے سوا ہمیں تو کسی سے گلہ نہ تھا
ہر اک قدم تھا نئے موسموں کے ساتھ
وہ جو صنم تراش تھا بت پوجتا نہ تھا
جس در سے دل کو ذوق عبادت عطا ہوا
اس آستان شوق پہ سجدہ روا نہ تھا
آندھی میں برگد کی زباں سے ادا ہوا
وہ راز جو کسی سے ابھی تک کہا نہ تھا

صائمہ رانا: کی ڈائری سے ایک نظم

اب کے برس کچھ ایسا کرنا
اپنے گزرے بارہ ماہ کے
دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
بسری یادیں تازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
پھر اس بیتے اک اک پل کو
اک اک موڑ کا احاطہ کرنا
سارے دوست اکٹھے کرنا
ساری بحثیں حاضر کرنا
ساری شامیں پاس بلانا
اور علاوہ ان کے دیکھو
سارے موسم دھیان میں رکھنا
اک اک یاد گمان میں رکھنا

پھر محتاط قیاس لگانا
گر تو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں
تو پھر تم کو میری طرف سے
آنے والا سال مبارک
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بے کار تکلف کرنا
دیکھو پھر تم ایسا کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کے برس کچھ ایسا کرنا

عارفہ احمد: کی ڈائری سے ایک نظم
''اب کے برس''

اے عمر رواں
آ پاس میرے
اک راز کی بات بتانی ہے
اک درد کی ٹیس سی دل میں ہے
اے عمر رواں
آ پاس میرے
یہ نیم شبی کی خاموشی
یہ نیند کی پلکیں بوجھل سی
یہ پردہ دل
یہ زہر نظر
اک خوف سا ذہن و دل پر ہے
تنہائی میری چپکے سے کہے
اے عمر رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط کہنا ہے مجھے
اک شخص سے ملنا ہے مجھ کو
ملنے کی گھڑی جو ٹھہری ہے
دو چار صدی یا اب کے برس
اے عمر رواں
آ پاس میرے، آ پاس میرے

ام حاجرہ: کی ڈائری سے ایک غزل

اک رہ گزر پہ خود کو تماشا کیئے ہوئے
بیٹھا ہے دل غبار کو رستہ کیے ہوئے
جیسے ہجوم خلق خدا اس کے ساتھ ہے
پھرتا ہے سارے شہر کو تنہا کیے ہوئے
چلا اس سے مانگتے ہیں دل ناتواں کی خیر
اک عمر ہو گئی ہے تقاضا کیے ہوئے
تو ہے، نہیں ہے، کون یہ سوچے، مگر میں ہوں
محفل کو تیری یاد میں برپا کیے ہوئے
بیٹھا ہے عشق مسند انکار پر سلیم
ترک رسوم و ترک تمنا کیے ہوئے

سعدیہ فیصل: کی ڈائری سے ایک نظم

مگر اک ستارہ مہرباں
کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
مگر اک ستارہ مہرباں
جو گواہ تھا
سر شام سے دم صبح تک
کسی وصل رنگ سی رات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی مشکبار سی بات کا
مرے ساتھ تھا
مرے ساتھ تھا

ام ایمن: کی ڈائری سے ایک غزل

یہ معجزہ بھی کسی کی دعا کا لگتا ہے
یہ شہر اب بھی اسی بے وفا کا لگتا ہے
یہ تیرے میرے چراغوں کی ضد جہاں سے چلی
وہیں کہیں سے علاقہ ہوا کا لگتا ہے
دل ان کے ساتھ مگر تیغ اور شخص کے ساتھ
یہ سلسلہ بھی کچھ اہل ریا کا لگتا ہے
نئی گرہ، نئے ناخن، نئے مزاج کے قرض
مگر یہ پیچ بہت ابتدا کا لگتا ہے
کہاں میں اور کہاں فیضان نغمہ و آہنگ

کرشمہ سب درد سمت نوا کا لگتا ہے

کائنات ظفر: کی ڈائری سے ایک نظم
''بشارت''

سنو!
یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا
تو پھر لفظوں میں کسے لکھ سکیں گے
اس کی آمد کی کہانی کو
وفا کی حکمرانی کو
محبت کی دعائیں مانگتی شب نے
نئے اک سرخرو دن کے سہانے خواب دیکھے ہیں
یہ کیسا خوشنما احساس ہے
کہ آئندہ برسوں میں
ہر اک موسم، ہر اک دن کی دھنک کرنوں کو
ہم اک ساتھ برتیں گے
سنو! یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں

حرمت عامر: کی ڈائری سے ایک نظم
''آس''

میں نے اب کے سال بھی سبز رتوں کا پہلا پھول
اک تیری خاطر شاخ شجر سے توڑ کے
اپنی زرد کتاب میں لا رکھا ہے
کوئی نہ جانے
کبھی کوئی آوارہ بھولا بھٹکا بادل
عمر کے ترسے پیاسے دشت کی
پل میں پیاس بجھا جاتا ہے
کوئی نہ جانے
بعض اوقات ایک بھولی بسری ہوئی یاد بھی
ایسے پوری ہو جاتی ہے
جیسے غیر آباد جزیرے
رستہ بھول کے آنے والے لوگوں سے بس جاتے ہیں

یاسمین بابر: کی ڈائری سے ایک غزل

کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسن دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی
کئی بار اس کی خاطر ذرے ذرے کا جگر چیرا
مگر یہ چشم حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی
نہیں جاتی متاع لعل و گوہر کی گراں یابی
متاع غیرت و ایماں کی ارزانی نہیں جاتی
مری چشم تن آساں کو بصیرت مل گئی جب سے
بہت جانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی
سرخ رو سے ناز کجکلاہی چھن بھی جاتی ہے
کلاہ خسروی سے بوئے سلطانی نہیں جاتی
بجز دیوانگی واں اور چارہ ہی کہو کیا ہے
جہاں عقل و خرد کی ایک بھی مانی نہیں جاتی

کرن عدنان: کی ڈائری سے ایک نظم

اے دوستو! یہ نیا سال مبارک ہو تمہیں
عین ممکن ہے کہ کھوئی ہوئی منزل مل جائے
اور کمزور سفینوں کو بھی ساحل مل جائے
شاید اس سال ہی کچھ چین دلوں کو ہو نصیب
شاید اس سال تمہیں زیست کا حاصل مل جائے
صبح کے بھولے ہوئے شام کو شاید گھر آئیں
اپنے غم خانوں میں چپ چاپ ہی خوشیاں در آئیں
شاید اس سال جو سوچا تھا وہ پورا ہو جائے
شاید اس سال تمہاری بھی مرادیں بر آئیں
شاید اس سال شکستہ ہوں مصائب کی سلیں
شاید اس سال ہی صحراؤں میں کچھ پھول کھلیں
راہ ہستی کے دوراہے پہ اچانک اک دن
شاید اس سال ہی کچھ بچھڑے ہوئے آن ملیں
دل میں ہم سب کے محبت ہو کدورت نہ رہے
اور انسان کو انسان سے نفرت نہ رہے
شاید اس سال کوئی ایسی ہوا چل جائے
رنج و غم، آفت و آلام کی کثرت نہ رہے
اے دوستو! یہ نیا سال مبارک ہو تمہیں

اس کی رحمت کا جو ادنیٰ سا اشارہ ہو جائے
تو اسی سال ہی ''طیبہ'' کا نظارہ ہو جائے
آج جس وقت کے تیور ہیں بہت بدلے ہوئے
کل کو ممکن ہے یہی وقت تمہارا ہو جائے
اے دوستو! یہ نیا سال مبارک ہو تمہیں

سائرہ خان: کی ڈائری سے ایک نظم

چلو کچھ آج حساب زیاں جاں کر لیں
الم شمار کریں، درد و آشکار کریں
گلے جو دل کی تہوں میں ہیں آبلوں کی طرح
انہیں بھی آج شناسائے نوک خار کریں
جو بے وفا ہو اسے بے وفا کہیں کھل کر
حدیث چشم و لب سوختہ کہیں کھل کر
کہاں تلک یہ تکلم زمانہ سازی کے
پس کلام ہے جو کچھ ذرا کہیں کھل کر
خنک خنک سی ہنسی ہنس کے مل رہے ہو کیوں؟
لہو ہے سرد تو آنکھیں بھی منجمد کر لو
جو دل میں دفن ہے، چہروں پہ اشتہار کریں
الم شمار کریں، درد آشکار کریں
تمہارا میرا تعلق بس ایک لفظ کا ہے
لغت کے انت میں سمٹا ہوا فقط اک لفظ
اس ایک لفظ میں سچائی ہے زمانوں کی
چلو کہ آج یہی لفظ اختیار کریں
تمام عمر پڑی ہے منافقت کے لئے
اس ایک لفظ کا دامن نہ داغدار کریں
الم شمار کریں، درد آشکار کریں
چلو کچھ آج حساب زیاں جاں کر لیں

نازیہ مبارک: کی ڈائری سے ایک غزل

نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
دلوں میں پھول اگائیں نئی محبت کے
کدورتوں کو دلوں سے مٹائیں اب کے برس
نئے سرے سے سجائیں یہ شہر یہ گلیاں
جو ہو چکا اسے بھول جائیں اب کے برس
کسی طرح تو بجھے نفرتوں کی تاریکی
محبتوں کے دیے سب جلائیں اب کے برس
جہاں بہار کو دست خزاں نے لوٹا ہے
پھر ایک باغ وہیں پر لگائیں اب کے برس
دعا کرو کہ وہی رونقیں پلٹ آئیں
ہم اپنے شہر کو پھر جگمگائیں اب کے برس
کرو کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس

لائبہ رضوان: کی ڈائری سے ایک نظم

تہواروں پر
بچھڑے ہوئے دل مل جاتے ہیں
پھول انجانی راحت کے آنکھوں میں کھل جاتے ہیں
جب کوئی پیار سے دیکھتا ہے کون
کس کے بارے میں یوں
پہروں بیٹھ کے سوچتا ہوں
کچھ تو ہے، جو تہواروں پر
اور خوشی کے موقع پر
ہم اپنے اپنے روٹھے ہوؤں کو
کسی طور مناتے ہیں
اگر گراں نہ گزرے تو پھر
مری جان!
یکم جنوری کو میرے گھر میں
نئے سورج کی سالگرہ ہے
دعوت نامہ کل
میں تمہارے خواب میں آ کر دے جاؤں گا
آؤ مل کر عہد کریں کہ آئندہ
چھوٹی چھوٹی باتوں پر
ہم آپس میں نہیں جھگڑیں گے

☆☆☆

عین غین

سارا رضا ---- کراچی

س: کمخواب میں ٹاٹ کا پیوند کب لگتا ہے؟
ج: جب کمخواب پھٹ جائے۔
س: دور کے ڈھول سہانے کیوں ہوتے ہیں؟
ج: اس لئے کہ قریب کے ڈھول کان پھاڑتے ہیں۔
س: سر کڑاہی میں کب ہوتا ہے؟
ج: جب پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں۔

میاں منیر احمد انجم ---- فیصل آباد

س: میں جس کو پانا چاہوں اسے پا نہ سکوں؟
ج: تو جس کو پا سکتے ہو اسے پا لو۔
س: اس کے سوا سوچیں تو کیا سوچیں؟
ج: کوئی اچھی بات سوچ لو۔
س: شعر کا جواب دیں۔
کہتے ہیں ہر چیز مل جاتی ہے دعا سے
ہم نے روز مانگا تھا تجھے اپنے خدا سے
ج:
میری تنہا سفری میرا مقدر تھی فراز
ورنہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

ثمن حنا ---- کوٹ عبدالمالک

س: اپنے دکھوں کا کس سے شکوہ کروں بتاؤ؟
ج: کسی ہمراز سے۔
س: عین غین جی خوشحال سے تم بھی لگتے ہو آخر کیوں؟
ج: کیا تم کنگال کرنا چاہتی ہو۔
س: اس نے کہا یہ دل آپ کا ہوا، کیا یہ سچ ہے؟
ج: وہ تو فلم کا نام پڑھ رہا تھا ورتم......
س: میں نے کہا کیا ارادے ہیں تمہارے عین غین جی؟
ج: ارادے......؟ ابھی میں نے اپنا ارادہ ظاہر کب کیا ہے۔
س: عین غین جی کیا کھانا پسند کریں گے؟
ج: جو تم پکا سکو گی۔

علینہ طارق ---- لاہور

س: عین غین جی نیا سال مبارک ہو؟
ج: شکریہ دعا کریں کہ نیا سال ہمارے لئے خوشیوں کی سوغات لے کر آئے۔
س: ہمیں آنے والے سال سے کیا کیا توقعات وابستہ کرنی ہوں گی؟
ج: توقعات ہمیشہ اچھی ہونی چاہئیں۔
س: زندگی کی کوئی ایسی تمنا ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟
ج: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اسی پر شاکر اور قانع ہوں۔
س: اگر سب انسان ایک سے ہوتے تو......؟
ج: تو کوئی کسی کی دل شکنی نہ کرتا۔

نعمان احمد ---- لاہور

س: وہ کون تھا جو چپکے سے آ کر چلا گیا؟
ج: خیال۔
س: بچے بہت تنگ کرتے ہیں، کیا کروں؟
ج: ٹافیاں اور گولیاں اپنے پاس رکھا کرو۔
س: آپ کی زندگی کا بور لمحہ؟
ج: جب کوئی بے تکا سوال سامنے آتا ہے۔
س: دل کہتا ہے میری بات مانو، میں کہتی ہوں تو

تو پاگل ہے؟
ج: کبھی کبھی پاگلوں کی بات بھی مان لینی چاہیے۔

نازیہ عمر ---- پشاور

س: عین غین جی نئے سال کے استقبال کے لئے کیا کر رہے ہیں آپ؟
ج: ہم اپنے ملک کی بہتری کے لئے کام کر رہے ہیں اور انشا اللہ کرتے رہیں گے۔
س: سوچ کر بتائیے کہ شیشہ نازک ہوتا ہے یا دل؟
ج: نازک تو دونوں ہی ہوتے کیونکہ شاعری میں عام طور پر دل کو شیشے سے تشبیح دی جاتی ہے۔
س: میں نے سوچا کہ آپ کو نئے سال کی مبارکباد دے ہی دوں؟
ج: دو لفظوں کے لئے اتنی کنجوسی اچھی نہیں ہوتی۔
س: نئے سال کا کارڈ نہیں بھیجا مجھے؟
ج: خود تو دو لفظوں پر ٹرخا رہی ہو اور مجھ سے کارڈ چاہتی ہو۔
س: سچی دوستی کی پہچان بتائیے؟
ج: تمہارے سوالوں سے ہی پتہ چلا کہ جھوٹی دوستی کیا ہوتی ہے۔

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

س: عین غین جی کیا نئے سال کی مبارکباد دے دوں؟
ج: نہیں اپنے پاس ہی رکھ لو تا کہ کہیں اور کام آ جائے۔
س: آپ بڑے وہ ہیں؟
ج: وہ کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے خیال رہے۔
س: میرا خیال ہے آپ جو بنتے ہیں وہ نہیں ہیں؟
ج: آپ بھی وہ نہیں ہیں جو بنتی ہیں۔
س: اگر آپ کے دل میں پھول کھلنے لگیں؟
ج: گوبھی کے پھول سے ڈر لگتا ہے۔

شازیہ شمس ---- جھنگ

س: سچ سچ بتائیے آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟
ج: حنا کی محفل میں براجمان ہوں۔
س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟
ج: محبت ہر روپ میں اچھی لگتی ہے۔
س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے تو؟
ج: شہد کی مکھی کیا کرے گی بیچاری۔
س: آپ نے کبھی عشق کیا ہے؟
ج: ایسی باتیں سب کے سامنے پوچھا نہیں کرتے۔

نعیمہ رانا ---- ملتان

س: اللہ آپ کو نئے سال میں ترقی نصیب کرے اور آپ محفل سے نکل کر ایڈیٹر بن جائیں؟
ج: کیوں میری چھٹی کرانے کا ارادہ ہے۔
س: سوال کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر کچھ سوجھتا ہی نہیں؟
ج: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔
س: ہم سوال کچھ کرتے ہیں آپ جواب کچھ دیتے ہیں؟
ج: اگر پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے پڑھوا لیا کریں۔
س: میں کون ہوں ذرا بوجھو تو؟
ج: تم وہی ہو جو تم ہو۔

عطیہ شیخ ---- کہروڑ پکا

س: دنیا میں دو ہی تو خوبصورت ہیں ایک میں اور بس۔
ج: ابھی دنیا میں پاگل باقی ہیں۔

☆☆☆

خبرنامہ

عبداللہ

نچ بلیا

آپ سوچ رہے ہوں گے بھارتی ٹی وی کے مشہور ڈانس شو کا نام تو "نچ بلیئے" ہے تو ہم "نچ بلیا" کیوں کہہ رہے ہیں، بتاتے ہیں جی بتاتے ہیں آپ ذرا سانس تو لیجئے، تو بات کچھ یوں ہے کہ پاکستانی کرکٹر اور بھارتی داماد ہمارا مطلب ہے شعیب ملک اپنی اہلیہ ثانیہ مرزا کے ساتھ بھارتی ٹی وی کے ریالٹی شو میں ٹھمکے لگائیں گے، سٹار ٹینس پلیئر اور کرکٹر کی جوڑی کو انڈین چینل کے مشہور شو "نچ بلیئے" میں شرکت کی دعوت دی گئی جسے دونوں نے بخوشی قبول کر لیا، ثانیہ کا اس شو میں شرکت کے بارے میں کہنا ہے کہ شعیب ایک اچھے ڈانسر ہیں وہ ایسے شو پسند کرتے ہیں تاہم وہ تھوڑی شرمیلی ہیں (آ.........ہم) شرمیلی جی نے کہا کہ اپنی شادی پر وہ ڈانس سیکھ چکی ہیں امید ہے کہ لوگ اس کی اور شعیب کی جوڑی کو پسند کریں گے یہ شو 29 دسمبر سے دکھایا جائے گا، آپ نے ایک مشہور محاورہ تو سنا ہوگا۔

انگلیوں پر نچانا تو لیجئے پھر آپ اس کا ایک مظاہرہ جلد ہی ملاحظہ کریں گے جب ثانیہ جی شعیب ملک کو حقیقتاً نچائے گی اور تب آپ کہہ سکیں گے "نچ بلیا"۔

سلمان خان نمبرون

سلمان خان نے مقبولیت میں عامر اور شاہ رخ خان کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، بھارتی میڈیا نے 2012ء کے مشہور ترین خان کے انتخاب کے لئے پولنگ کرائی جس میں سلمان نے ان کے

مقابلے میں زیادہ ووٹ حاصل کر کے نمبر ون کا اعزاز حاصل کرلیا، سلمان کے مقبولیت کا گراف 41.16 دیا جبکہ شاہ رخ خان کا اس دوڑ میں دوسرا نمبر رہا ان کے حصے میں 14.49 ووٹ جبکہ بالی ووڈ میں سبق آموز فلمیں بنانے کے لئے مشہور عامر خان تیسرے نمبر پر رہے شائقین نے انہیں صرف 16.9 ووٹ دیئے۔

ایک اور سالگرہ

پچھلے دنوں ریشم نے سالگرہ منائی، ہے نہ کچھ نئی بات، ہم نے لیلیٰ میرا، نور اور وینا ملک وغیرہ کو تو اکثر سالگرہ مناتے دیکھا، لیکن ریشم نے پہلی مرتبہ میڈیا اور پبلک کے ساتھ سالگرہ منانے

کا اہتمام کیا اور وہ بھی 33 ویں ریشم نے کہا کہ اس نے دوستوں اور ساتھیوں کے اصرار پر اپنی سالگرہ منائی ہے ریشم نے مزید کہا کہ اسے اٹھارہ برس بیت گئے ہیں وہ عمر چھپانے پر یقین نہیں رکھتی، ہم مانتے ہیں کہ اپنی عمر کے معاملے میں ڈنڈی نہیں ماری ہاں البتہ ہلکی سی چھڑی ضرور ماری ہے کیوں حساب کتاب رکھنے والے جانتے ہیں کہ بے نظیر کے شروع دور میں اس کے ڈرامے نشر ہوتے تھے اور اسی میں ریشم سی نرم اداکارہ کی عمر اب تیرہ، چودہ برس بھی نہ تھی، چلیے یہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نور کے بعد ریشم دوسری ایسی اداکارہ ہے جس نے عمر کے معاملے میں ہمت دکھائی ہے، ورنہ زما اور میرا تو سولہ اور اٹھارہ کے ہیر پھیر سے ہی نہیں نکل رہیں ابھی تک۔

بالی عمریاں

عمر کی بات چل نکلی ہے تو بار بار سولہویں سالگرہ منانے والی میرا کا ذکر بھی ہو جائے، جوئی وی شو میں فرما رہی تھیں کہ وہ یونہی جسٹ فار انجوائے سولہویں سالگرہ مناتی ہے اصل بات یہ ہے کہ وہ صرف سالگرہ مناتی ہیں اب وہ کون سی ہوتی ہے یہ یاد نہیں رکھتیں، سو جب کوئی پوچھتا ہے تو کہہ دیتی ہوں کہ سولہویں ہے، شاید بیچاری میرا کو سولہ کے آگے کی گنتی نہیں آتی لیکن یاد رہے صرف اپنے معاملے میں کیونکہ جب میرا کا دل جلا کر دور دیس جا بسنے والی ریما کی عمر کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ جھٹ سے بولی فورٹی فائیو اور پھر دو مرتبہ زور دے کر کہا ہاں ہاں ریما اب بڑھاپے کی سیڑھی پر قدم رکھ چکی ہے جب سے ریما نے میرا کو اپنے ولیمے پر نہیں بلایا میرا یونہی موقع ملنے پر دل کی بھڑاس نکالتی ہے۔

اچھے کام بنے پہچان

ماڈلنگ سے ابتدا کرنے والی سانولی سالونی آمنہ شیخ اپنے اچھے کام کی وجہ سے جلد ہی ٹی وی ڈراموں کی ضرورت بن گئی آمنہ شیخ روٹین فلم ایکٹریس تو نہیں لیکن اپنی دوسری تجرباتی طور پر کی گئی فلم کے ذریعے بولی ووڈ تک جا پہنچی، اس کی فلم جوش کو ممبئی فلم فیسٹیول میں شامل ہونے والی ایور فرسٹ پاکستانی مووی کا اعزاز ملا، ایک سوشل مسئلہ کو ہائی لائٹ کرنے والی اس فلم کے ذریعے آمنہ نے خود ورسٹائل ثابت کیا ہے، اعزاز حاصل کرنے کے بعد خوب فخر کے ساتھ وطن لوٹنے والی آمنہ نے واضح کیا ہے کہ وہ کوئی فلم ایکٹریس نہیں اس لئے اس سے توقع نہ رکھی

جائے کہ ریما، میرا کی طرح ناچ گانے اور رومینس کرے گی، ہاں البتہ شعیب منصور اور اس لیول کے دیگر میکرز فلم میں کام کرنے کی آفر کریں گے تو وہ ان کے ساتھ کام کرنے کو بخوشی راضی ہو گی۔

میں ہوں لیلیٰ

نام تو اس کا لیلیٰ ہے مگر کام ہیں مجنوں والے، جب بندہ فارغ ہو کرنے کو کچھ نہ ہو تو وہ جنوں میں کچھ بھی اول فول بک سکتا ہے، اس لئے اب لیلیٰ جو بھی کارنامہ انجام دیں لوگ اس کو سریس نہیں لیتے، ہاں شہرت کی بھوکی لیلیٰ کو اتنی پبلسٹی ضرور مل جاتی ہے کہ گزارہ ہو جاتا ہے ابھی پچھلے دنوں جب ایک ریسٹورنٹ کے افتتاح پر آئے جہانگیر بدر اور ان کے بیٹے کے درمیان بیٹھ کر شو مارنے کی خواہش جب لیلیٰ کے دل میں جاگی تو وہ بنا سوچے سمجھے جہانگیر بدر کے سامنے ہاتھ پھیلا بیٹھی، (کچھ مانگنے کے لئے نہیں) ہاتھ ملانے کے لئے، اب جہانگیر بدر نے بھلا اس مدہوش لیلیٰ کو پاس بیٹھا کر یوں سر عام اپنے حواس کھونے کا رسک نہیں لے سکتے تھے سو انہوں نے جانے کس دل سے اس پکے ہوئے پھل کو ہمارا مطلب ہے لیلیٰ کو اپنے بیٹے کے گلے ڈالنے کی کوشش کی اور بیٹا بیچارا شاید باپ کی وجہ سے سوائے ہاتھ ملانے کے باقی حسرتوں کو دل میں دبا کر رہ گیا، اب لیلیٰ نے اسے اپنی انسلٹ خیال کیا اور فوراً سے بیشتر میڈیا کے سامنے بیان دیا کہ جہانگیر بدر اسے اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں، پنجاب کے لوگوں کی روایت ہے وہ اپنی بہو بیٹیوں سے ہاتھ نہیں ملاتے شاید ایسے ہی کسی موقعے کے لئے کہا گیا ہے، کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔

☆☆☆

تحریم محمود

چنے کی دال کا حلوہ

شیاء

نے کی دال	آدھا کلو
ھی	ایک پاؤ
ینی	آدھا کلو
دام کی گری	ایک چھٹانک
ستہ	ایک چھٹانک
ریل	ایک چھٹانک
دھ	ایک کلو
یوڑہ	چائے کے چار چمچے
زالائچی	بارہ عدد

کیب

چنے کی دال صاف کر کے بھگو دیں، ایک
ھنٹے بعد دال میں دودھ ڈال کر پکنے دیں، جب
ں گل جائے دودھ خشک کر لیں اور اتار کر
یک پیس لیں، (ایسے کہ دال بکھری بکھری ہو)
ب گھی میں الائچی کے دانے ڈال کر کڑ کڑائیں
اس میں پسی ہوئی دال ڈال کر بھونیں، اتنا کہ
ں میں کچا پن بالکل نہ رہے اور اس کا رنگ سرخی
ں ہو جائے، اب اس میں چینی ڈال کر بھونیں،
کے ساتھ ناریل کاٹ کر ڈال دیں، جب
گھل جائے اور دال گھی چھوڑ دے تو اتار لیں
بادام اور پستہ باریک کٹا ہوا اور کیوڑہ اوپر
چھڑکیں، چنے کا مزیدار حلوہ تیار ہے۔

گاجر کا حلوہ

اء

	ایک کلو
دودھ	دو کلو
گھی	ایک پاؤ
کھویا	آدھا کلو
چینی	ڈیڑھ پاؤ حسب پسند
بادام کی گری	ایک چھٹانک
سبز الائچی	بارہ عدد
کیوڑہ	چائے کے چار چمچے
چاندی کے ورق	حسب ضرورت

ترکیب

گاجروں کو چھیل کر ان کی گٹھلی نکال لیں اور ان کو کدوکش کر لیں، اب گاجروں کو دودھ میں ڈال کر پکنے کے لئے رکھ دیں، جب دودھ خشک ہو جائے تو چینی ڈال کر خشک کر لیں، اب ایک کڑاہی میں الائچی کے دانے گھی میں ڈال کر کڑکڑائیں اور اس میں کھویا ڈال کر بھونیں جب کھویا بھن جائے تو اوپر گاجر ڈال دیں اور بھونتے جائیں، یہاں تک کہ خوشبو آنے لگے اور گاجر گھی چھوڑ دے، اب اس میں کیوڑا اور بادام آدھے ثابت ڈال دیں، اچھی طرح ملا کر پتیلی اتار لیں، باقی بادام، پستہ کاٹ کر اوپر سے ڈال دیں اور چاندی کے ورق لگا کر پیش کریں۔

لوکی کا حلوہ

اشیاء

لوکی	آدھا کلو
دودھ	ایک کلو
گھی	ایک پاؤ
چینی	ڈیڑھ پاؤ

سبز الائچی، بادام	ایک ایک چھٹانک
کیوڑہ	حسب ضرورت
چاندی کے ورق	حسب ضرورت

ترکیب

لوکی کو چھیل کر کاٹ لیں اور بیج نکال دیں، اب اسے کدوکش کر لیں، پھر دودھ میں ابال لیں کہ دودھ خشک ہو جائے، اب ایک کڑاہی میں الائچی، گھی میں کڑکڑائیں اور اس میں لوکی ڈال کر اسے خوب بھونیں، یہاں تک کہ خوشبو آنے لگے اس میں چینی کا پانی خشک ہو جائے اور لوکی گھی چھوڑ دے، اب اس میں بادام اور کیوڑہ ڈال کر اتار لیں، پیش کرتے وقت چاندی کے ورق لگا دیں۔

کشمیری دم آلو

اشیاء

آلو چھوٹے سائز کے	ایک کلو
تیل ڈیپ فرائی کے لئے	
خشک کشمیری مرچیں	پانچ تا چھ عدد
دہی	دو کپ
الائچی پسی ہوئی	نصف چائے کا چمچہ
خشک ادرک پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
سونف پسی ہوئی	دو کھانے کے چمچے
سرسوں کا تیل	ایک چوتھائی کپ
لونگ پسی ہوئی	ایک چٹکی
ہینگ	ایک چٹکی
نمک	حسب ذائقہ
بھنا ہوا دھنیا پسا ہوا	نصف چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پسا ہوا	نصف چائے کا چمچہ

ترکیب

چھری کی مدد سے آلوؤں کو چھیلیں اور سوراخ کریں، انہیں نمکین پانی میں پندرہ منٹ تک رکھیں، ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں اور درمیانی آنچ پر آلو فرائی کریں یہاں تک کہ ان کا رنگ سنہرا بھورا ہو جائے، خشک کشمیری لال مرچوں کا پیسٹ بنائیں۔

کشمیری لال مرچ پیسٹ، الائچی پسی ہوئی خشک ادرک پسی ہوئی اور سونف پسی ہوئی کے ساتھ دہی کو پھینٹیں، ایک پین میں سرسوں کے تیل کو گرم کریں، لونگ پسی ہوئی اور ہینگ ڈالیں، نصف کپ پانی اور نمک ڈالیں اور اسے ابال لیں، دہی کا آمیزہ ڈالیں اور اسے ابال لیں، فرائی کیے ہوئے آلو ڈال کر پکائیں یہاں تک کہ آلو گریوی کو جذب کر لیں اور تیل تیرنے لگے، تازہ بھنے اور پسے ہوئے زیرے اور پسے ہوئے گرم مصالحے کے ساتھ سجا کر گرم گرم پیش کریں۔

نوٹ:۔ آلو میں سوراخ کرنے کا عمل انہیں بہت ہلکا بنا دیتا ہے اگر آلو ہلکے نہیں ہوئے اس کا مطلب ہے کہ سوراخ صحیح یا کافی نہیں ہوئے، اس لئے ایک آلو کو فرائی کرنے کے بعد اسے چیک کیا جائے، آلو کا سائز بہت اہم ہے، یہ چھوٹے سائز کا ہو لیکن بہت چھوٹا بھی نہ ہو۔

ملائی کوفتہ کری

اشیاء

کوفتوں کے لئے

آلو درمیانے سائز کے	چار تا پانچ عدد
پنیر	سو گرام
ہری مرچیں	دو عدد
کارن فلور	ایک چوتھائی کپ
نمک	حسب ذائقہ
کشمش	ایک چوتھائی کپ
تیل ڈیپ فرائی کے لئے	
لال مرچ پسی ہوئی	
گریوی کے لئے	
کھویا	

پیاز درمیانے سائز کے	چار عدد
تیل	تین کھانے کے چمچے
ادرک کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچیں	دو عدد
دھنیا پسا ہوا	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ٹماٹر کا پیسٹ	نصف کپ
لال مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
کھویا	نصف کپ
بالائی	نصف کپ
گرم مصالحہ پسا ہوا	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

آلو ابال لیں ٹھنڈا کر کے چھیل لیں اور پھر انہیں ہاتھوں سے مسل دیں، تمام ہری مرچیں دھولیں، ان کے بیج نکال دیں اور باریک کاٹ لیں، پیاز چھیل لیں اور ان کے دو دو ٹکڑے کر لیں، ایک کپ پانی میں دس منٹ تک ابال لیں، زائد پانی نکال دیں، پیاز ٹھنڈی کر لیں اور ان کو پیس کر پیسٹ بنالیں۔

ہاتھوں سے مسلے ہوئے آلوؤں، پنیر، دو کٹی ہوئی ہری مرچوں، کارن فلور اور نمک کو اچھی طرح ملائیں، ان کے سولہ ایک جیسے گولے بنائیں، ان میں کشمش بھر دیں، گرم تیل میں ڈیپ فرائی کریں یہاں تک کہ تھوڑا سا رنگ آ جائے، نکال کر الگ رکھ دیں۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں، ابلی ہوئی پیاز کا پیسٹ ڈالیں اور پانچ منٹ تک پکائیں، ادرک پیسٹ، لہسن پیسٹ، کٹی ہوئی ہری مرچیں، دھنیا پسا ہوا، ہلدی پسی ہوئی اور لال مرچ پسی ہوئی ڈالیں اور درمیانی آنچ پر آٹھ تا دس منٹ تک پکائیں یا پھر اس وقت تک کہ تیل مصالحے کو چھوڑ دے۔

کھوئے دو کپ پانی میں ملائیں اور گریوی میں ڈالیں پھر ابال لیں اور دھیمی آنچ پہ دس منٹ تک پکائیں اور وقفے وقفے سے ہلائیں، بالائی اور گرم مصالحہ پسا ہوا ڈالیں، گرم کوفتے ڈش میں رکھیں اور اس کے اوپر گرم گریوی ڈال کر پیش کریں۔

نوٹ:۔ ایک کوفتہ فرائی کریں اور دیکھیں کہ یہ ٹوٹتا تو نہیں، اگر یہ ٹوٹ جاتا ہے تو تھوڑا سا کارن فلور اور ڈالیں اور پھر گرم تیل میں ڈیپ فرائی کریں۔

مٹر مشروم

اشیاء

چھلکے اتارے ہوئے مٹر	ڈیڑھ کپ
مشروم	دو سو گرام
تیل	دو کھانے کے چمچے
چھوٹی الائچی	چار عدد
دار چینی ایک انچ کا ٹکڑا	ایک عدد
پیاز بڑے سائز کے	دو عدد
ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر پیسٹ	نصف کپ
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
دھنیا پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پسا ہوا	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
کاجو پیسٹ	نصف کپ

ترکیب

مشروم کو صاف کر کے دھولیں اور چار چار حصے کر لیں، پیاز چھیل لیں اور انہیں باریک کاٹ لیں۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں، چھوٹی الائچی دار چینی اور کٹی ہوئی پیاز ڈالیں اور بھونیں یہاں تک کہ رنگ ہلکا سنہرا بھورا ہو جائے، ادرک پیسٹ، لہسن پیسٹ ڈالیں اور آدھا منٹ تک پکائیں، ٹماٹر پیسٹ، لال مرچ پسی ہوئی، دھنیا پسا ہوا، ہلدی پسی ہوئی، گرم صالحہ پسا ہوا اور نمک ڈالیں اور بھونیں یہاں تک کہ تیل مصالحہ چھوڑ دے۔

ایک کپ پانی میں گھولا ہوا کاجو پیسٹ ڈالیں، اسے اچھی طرح ہلائیں پھر ایک کپ پانی ڈالیں، اسے ابال لیں اور پھر مٹر اور مشروم ڈالیں، تیز آنچ پر سات تا آٹھ منٹ تک پکائیں یہاں تک مٹر پوری طرح پک جائیں، دھیمی آنچ پر پانچ منٹ تک پکائیں پھر گرم گرم پیش کریں۔

میتھی مٹر مکئی

اشیاء

میتھی	دو کپ
چھلکے اتارے ہوئے مٹر	ایک کپ
پیاز درمیانے سائز کے	دو عدد
ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچیں	تین عدد
ہرا دھنیا کٹا ہوا	دو کھانے کے چمچے
تازہ کارن	ایک کپ
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
دہی	نصف کپ
ہلدی پسی ہوئی	ایک چٹکی
لال مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
کھویا	نصف کپ
نمک	حسب ذائقہ
بالائی	ایک کپ
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

پیاز چھیل کر انہیں کش کر لیں، ہری مرچوں کو دھو کر انہیں باریک کاٹ لیں پھر الگ رکھ دیں۔

میتھی کے پتے صاف کریں، انہیں اچھی طرح دھو کر کاٹ لیں، ایک چائے کا چمچہ نمک ڈالیں اور آدھے گھنٹے کے لئے الگ رکھ دیں، ہاتھوں میں دبا کر خشک کر لیں اور دوبارہ دھوئیں۔

پانی میں لیموں کا رس ڈال کر کارن کو ابالیں یہاں تک کہ وہ نرم ہو جائیں، نکال کر الگ رکھ دیں، مٹر دھو کر پانی میں ابال لیں، نکال کر الگ رکھ لیں، دہی کو ہلدی اور لال مرچ پسی ہوئی کے ساتھ پھینٹیں، کھویا مسلیں اور الگ رکھ دیں، ایک پین میں تیل گرم کریں، زیرہ ڈالیں، جب اس کا رنگ تبدیل ہونے لگے تو کش کی ہوئی پیاز ڈالیں اور پکائیں، یہاں تک کہ ان کا رنگ بھورا ہو جائے اور برابر ہلاتے رہیں، ادرک اور لہسن کا پیسٹ ڈالیں، برابر پکاتے رہیں، کٹے ہوئے میتھی کے پتے اور کٹی ہوئی ہری مرچیں ڈال کر پکائیں یہاں تک کہ تمام نمی خشک ہو جائے، دہی کا آمیزہ ڈالیں اور پکائیں یہاں تک کہ تیل الگ ہو جائے، اب پکے ہوئے کارن اور مٹر ڈالیں، نمک حسب ذائقہ ڈالیں، دس منٹ تک پکائیں۔

بالائی ڈالیں اور اچھی طرح ملائیں، پانچ منٹ تک آہستہ آہستہ پکائیں، کٹے ہوئے دھنیا کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ کی سلامتی، عافیت اور خوشیوں کے لئے بے شمار دعائیں!

2012ء کا سفر بھی تمام ہوا بہت سی تلخ و شریں یادوں کے ساتھ یہ سال بھی ماضی کا حصہ بن گیا گزشتہ چند سالوں کی طرح یہ سال بھی اہل پاکستان کو کوئی امید کی کرن نہ دے سکا، سال کا ہر لمحہ احساس دلاتا نظر آیا کہ خیر وشر کے تصادم میں زندگی ہار رہی ہے، انسان جسے اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل ہے انسانیت کی سطح سے بہت نیچے آچکا ہے، نفسا نفسی اور ہما ہمی کی دوڑ میں ہم ایک دوسرے سے بہت دور نکل گے ہیں، آج ہم ایک لمحے میں پوری دنیا کا تو حال جان لیتے ہیں، مگر اپنے پڑوسی کے حالات سے بے خبر ہیں۔

کاش کوئی ایسا نیا سال طلوع ہو جو دنیا میں امن، آتشی، سکون وسلامتی کا پیغام لے کر آئے، نئے سال کی آمد پر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہمارے ملک، تمام مسلمہ امہ کے ساتھ ساری دنیا کو ہر قسم کی آفات سے محفوظ رکھے اور یہ 2013ء امن وسلامتی کا سال ہو آمین۔

آپ سبکو نیا سال مبارک ہو۔

خطوط کی طرف بڑھنے سے پہلے ہم یہاں آپ کو ایک اچھی خبر سناتے چلیں، آپ کی پسندیدہ مصنفہ ''کاسہ دل'' کی خالق، سندس جبیں نے انگلش لٹریچر میں ماسٹر مکمل کرلیا ہے ادارہ حنا کی طرف سے ہم سندس جبیں کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں یہ پہلا خط ہمیں سدرہ ریحان کا سرگودھا سے ملا ہے وہ لکھتی ہیں، اللہ! آپی یہ اس بار حنا کا ٹائٹل اتنا پیارا، بے حد خوبصورت میں تو کتنی دیر ٹائٹل گرل کی خوبصورتی میں ہی کھوئی رہی۔

خیر آگے بڑھے فہرست پر نظر ڈالی اپنی پسندیدہ مصنفین کے نام نظر آنے پر دل بے حد خوش ہوا سب سے پہلے فوزیہ غزل کی تحریر پڑھی فوزیہ غزل بڑی خوبصورتی کے ساتھ ہر کردار سے انصاف کرتی نظر آئیں، اُم مریم آپ بھی بے حد اچھا لکھ رہی ہیں آپ کی یہ تحریر پچھلی تحریر سے کافی اچھی ہے بس پلیز اگر ہم انڈین سونگ کی بھرمار کو کم کردیں تو آپ کی تحریر کو چار چاند لگ جائیں گے۔

مکمل ناول میں اس مرتبہ ایک نیا نام مصباح نوشین کا نظر آیا، اگر یہ نئی لکھنے والی ہیں تو مبارک باد کی مستحق ہیں ان کی تحریر میں کافی پختگی ہے یقیناً یہ آگے چل کر حنا میں اچھا اضافہ ثابت ہوں گی۔

ناولٹ میں سب سے پہلے صبا احمد کی تحریر کو پڑھا، آپی یہ وہی صبا احمد ہیں نا جن کی وفات کی خبر آپ نے لگائی تھی یقیناً یہ وہی ہے اللہ تعالیٰ

اس کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے آمین۔

''کاسہ دل'' سندس جبیں کی بے حد اچھی تحریر ہے سندس کو ہماری طرف سے مبارک باد، افسانوں میں سباس گل اور عمارہ حامد کے افسانے بہترین تھے، حمیرا رباب ایک عرصے بعد نظر آئیں لیکن کوئی خاص متاثر نہ کرسکیں۔

مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ میں شگفتہ رحیم، حمیرا رضا اور نعیمہ بخاری کا انتخاب پسند آیا، بیاض اور میری ڈائری ہمیشہ کی طرح ٹاپ پر رہی، رنگ حنا تو ہر بار کی طرح مسکراہٹ کے پھول بکھیر دیئے، حنا کا دسترخوان میں مختلف سوپ کی تراکیب دے کر سردیوں کا مزہ دوبالا کر دیا، آپی کیا ہی اچھا ہو جو آپ ہمیں مختلف حلوا جات کی تراکیب بتائیں، آخر میں ہم انٹرویو والے بھائی سے کہیں گے کہ پلیز آپ ذرا تفصیلی بات چیت کیا کریں، آپ کے کیے ہوئے انٹرویو میں کوئی ربط نہیں ہوتا، اس بار جگجن کاظم کا انٹرویو بھی ادھورا سا تھا اور آپ سے فرمائش کہ پلیز آپ عائمہ ملک، فواد خان اور ندا یاشا کا انٹرویو ضرور کریں۔

سدرہ ریحان خوش آمدید حنا کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ، جی یہ وہی صبا احمد کی تحریر تھی اس کی کچھ تحریر ہمارے پاس موجود ہیں جو ہم جلد شائع کریں گے آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے انشاء اللہ جلد پوری کریں گے شکریہ۔

راحیلہ پرویز: نیوٹی ملتان سے لکھتی ہیں۔

خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ دسمبر کا شمارہ ملا، سب سے پہلے حمد ونعت سے مستفید ہوئے پھر پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھیں دل کو سکون ملا آگے انشا نامہ پڑھا مسکراہٹیں بکھیرتا دلچسپ سلسلہ ہے، جگجن کاظم سے ملاقات ادھوری سی ملاقات اچھی لگی، مکمل ناول میں مصباح نوشین کا ناول ''ہمیں تم سے پیار ہے'' اپنے ٹائٹل سمیت بے حد پسند ہے، مصباح اتنا پیارا ٹائٹل آپ کے ذہن میں آیا کیسے؟ ناولٹ دونوں ہی یعنی سندس جبیں اور صبا احمد کے پسند آئے، سلسلے وار ناولوں میں پہلے بات ہو جائے اُم مریم کے ناول کی، مریم آپ اچھا لکھ رہی ہیں، مجھے یہاں آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے کہ آپ کو ''مست مست دو نین'' والا سونگ بہت پسند ہے کیا آپ کے پچھلے ناول ''میرے ساحر سے کہو'' میں بھی یہ موجود ہے، فوزیہ غزل آپ کی تحریر کافی پیچیدہ سی ہوتی جا رہی ہے خصوصاً جہاں آپ مختلف مذاہب کے بارے میں لکھ رہی ہوتی ہیں۔

مستقل سلسلے بھی بے حد پسند آئے خصوصاً خبرنامہ، حنا کی محفل اور حنا کے دسترخوان کی تو کیا ہی بات ہے آخر میں آپ سب کو نیا سال مبارک ہو۔

راحیلہ پرویز کیسی ہو؟ کافی عرصے کے بعد آپ آئیں خیریت تھی اتنا عرصہ کیوں غائب رہیں آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے آپ کی فرمائش انشاء اللہ جلد پوری کریں گے، ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

فردوس نعیم: کراچی سے لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے آپ سب کو نیا سال مبارک ہو، آپی اس بار حنا کا ٹائٹل اتنا خوبصورت تھا کہ کیا کہیں سادگی میں بولتا ہوا حسن، اس بار کا حنا شروع سے آخر تک بے حد پسند آیا، فوزیہ غزل اور اُم مریم کے سلسلے وار ناول تو ہیں ہی حنا کی جان، اس پر سندس جبیں کی تحریر ''کاسہ دل'' بھی

اس کو چار چاند لگا رہی ہے اور یہ کیا مصباح نوشین بھی حنا میں واہ بہت خوبصورت اضافہ ہے حنا مصنفین کے جھرمٹ میں تحریر ان کی پسند آئی۔

افسانوں میں بھی افسانے پسند آئے اچھے موضاعات پر ہلکی پھلکی تحریریں، مستقل سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح پسند آئے، ارم ذاکر کو شادی کی مبارک باد۔

فردوس نعیم خوش آمدید حنا کی پسندیدگی کے لئے شکریہ، نیا سال آپ کو بھی مبارک ہو، ہم آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

عشاء بھٹی: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے فوزیہ آپی آپ حنا اسٹاف اور تمام قارئین کو نیا سال مبارک ہو، اللہ سے دعا ہے کہ نیا سال تمام مسلمانوں کے لئے خوشی کا پیغام لے کر آئے، خصوصاً وطن عزیز میں امن و سلامتی رہے آمین۔

میری طرف سے ماہنامہ حنا کو دل کی گہرائیوں سے بہت بہت سالگرہ مبارک ہو، حنا اسی طرح دن دگنی رات چگنی ترقی کرے آمین۔

دسمبر کا شمارہ خلاف معمول لیٹ موصول ہا سرورق انتہائی دیدہ زیب ودلکش تھا۔

''کچھ باتیں ہماریاں'' سردار انکل کی باتیں ہمیشہ کی طرح دل میں اتر گئی، سلسلے وار ناول میں فوزیہ غزل ٹاپ پر جارہی ہیں، جبکہ اُم مریم بھی خوبصورتی سے ناول کو آگے بڑھا رہی ہیں، سندس جبیں کا ''کاسہ دل'' بھی بہت اچھا جا رہا ہے، ویری ویلڈن سندس جی۔

مکمل ناول میں مجھے مصباح نوشین کا بے حد پسند آیا، افسانوں میں عمارہ حامد، حمیرا ارباب اور سباس گل کے افسانے بہترین تھے۔

مستقل سلسلوں میں پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں، ایمان کو تازہ کردیتی ہیں اور اس سے سیکھنے کو بہت کچھ ملتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے آمین۔

باقی حاصل مطالعہ، انشا نامہ، خبرنامہ، حنا کی محفل، رنگ حنا، بیاض اور خصوصاً کس قیامت کے یہ نامے موسٹ فیورٹ ہیں۔

انٹرویو پینل سے گزارش ہے کہ آپ ٹی وی ایکٹریس وماڈل کی بجائے قومی ہیروز کے انٹرویو شامل کیا کریں۔

فوزیہ آپی آپ نے میرے افسانے کو اس قابل اشاعت سمجھا اس کے لئے میں آپ کی ممنون ہوں۔

عشاء بھٹی دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ ہم آئندہ بھی آپ کی رائے اور تحریروں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

روبینہ اقبال: کھاریاں سے لکھتی ہیں۔

حنا کا ٹائٹل اس بار بے حد پسند آیا، جگنن کا ظلم سے ملاقات کچھ خاص پسند نہیں آئی، اُم مریم کا سلسلے وار ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' کی ہر قسط ایک سے بڑھ کر ایک ہے، مریم جی بہت اچھے انداز میں لگ رہی ہیں جبکہ فوزیہ غزل کے ''وہ ستارہ صبح امید کا'' کا بھی کوئی جواب نہیں تحریر پر کی گئی محنت نظر آتی ہے فوزیہ جی آپ کو اتنی اچھی تحریر لکھنے پر دلی مبارک باد، اب بات کریں ''کاسہ دل'' کی تو یہ سندس جبیں کی اچھی کوشش ہے طویل تحریر لکھنے کی، مصباح نوشین کی تحریر بھی پسند آئی، افسانے بھی اچھے تھے خصوصاً سباس گل کا، مستقل سلسلے تو اپنی مثال آپ ہیں، دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ حنا کو مزید کامیابیوں سے نوازے آمین۔

روبینہ اقبال دسمبر کا شمارہ آپ کو پسند آیا ہماری محنت وصول ہوئی، اب آپ بتائیے گا کہ جنوری کا شمارہ آپ کو کیسا لگا ہم آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆